قتال، جہاد فی سبیل اللہ کی ایک نوعیت، حکمت و فلسفہ

تحقیقی مقالہ برائے ایم اے علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

ارشد عزیز

متعلم ایم اے علوم اسلامیہ

رولنمبر :20441

سیشن:2000-2002ء

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری

استاذ شعبہ علوم اسلامیہ

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں رب العالمین اللہ عزوجل کا بے حد شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھ جیسے کم علم انسان کو اپنی بارگاہ میں تحقیقی مقالہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

میں پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری سمیت شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام معزز اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس تحقیقی مقالہ کی تصنیف کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً رہنمائی فرمائی۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے لائبریری سٹاف خصوصاً محمد اسلم صاحب، چوہدری عبدالستار صاحب اور صوفی عبدالحمید صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے کتب کی فراہمی کے سلسلہ میں معاونت فرمائی۔

میں محمد زبیر علوی اور چوہدری عبدالستار کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مقالہ کی کمپوزنگ کی اور میں اپنے مقالہ کو دلفریب انداز میں پیش کرنے کے قابل ہوا۔

انتساب

امام المجاہدین، ختم المرسلین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام جن کی شمشیر آبدار کے آئینے سے آنسو جھلکتے ہیں۔

اپنے والد گرامی پروفیسر ڈاکٹر علامہ غلام حیدر مرحوم کے نام جن کی آغوش تربیت میں قلم پکڑنا سیکھا۔

اپنی والدہ محترمہ کے نام جن کی پرنم آنکھوں نے مجھے اپنے علمی سفر پر الوداع کہا۔

اپنے پھوپھی زات بھائی حافظ نعمت اللہ عابد مرحوم کے نام جو جہاد کے داعی تھے۔

ان تمام نفرت کرنے والوں کے نام جن کے لئے آج بھی میرا پیغام چاہت ہے۔

تقدیم

جہاد کے لفظی معنی کوشش کرنے کے ہیں۔ ہر وہ کوشش جو دین اسلام کے غلبے، فساد کے خاتمے، مظلوم مسلمانوں کی امداد اور اسلامی ریاست کے دفاع کے لئے کی جائے جہاد کہلاتی ہے۔قرآن وسنت میں جہاد کے بارے میں اتنی زیادہ تعلیمات ہیں کہ یہ اسلام کا چھٹا رکن معلوم ہوتا ہے۔قتال کے لفظی معنی لڑنے کے ہیں۔اسلام میں مشروط طور پر ان کفار سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔ جہاد اور قتال میں معنوی فرق ضرور موجود ہے لیکن قتال کے بھی وہی مقاصد ہیں جو جہاد کے ہیں۔

عام طور پر قتال کی جگہ جہاد کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔حالانکہ جہاد کا مفہوم بہت وسیع ہے جبکہ قتال کا مفہوم محدود ہے۔اللہ کی راہ میں کی جانے والی ہر کوشش جہاد کہلائے گی جبکہ صرف لڑائی کے ذریعے کی جانے والی کوشش کو جہاد بالسیف یا قتال کہا جائے گا۔حکمت الٰہی اس بات کی متقاضی ہے کہ دنیا میں حق وباطل کے درمیان ٹکراؤ موجود رہے۔اللہ تعالی اور اس کے انبیاورسل لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔لیکن شیطان اور اس کے پیروکار انسانوں کو معبودان باطلہ کی عبادت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جہاد وقتال انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے چھڑا کر اللہ تعالی کی بندگی میں لانے کے لئے کیا جاتا ہے۔اس مقدس فریضے سے منہ پھیرنا اپنی دنیا کی تباہی اور آخرت کی بربادی کو دعوت دینا ہے۔

الا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر (الانفال۸:۷۳)

اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

جہاد اسلام کی کوہان اور مسلمانوں کی عزت وعظمت کا نشان ہے۔قتال جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے خود ستائیس غزوات میں حصہ لیا۔لیکن عصر حاضر میں مغربی تسلط کے زیر اثر ایک منظّم سازش کے ذریعے جہاد کو ایک گالی اور قتال کو دہشت گردی کا نام دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلم دنیا کے حکمران بھی اس پروپیگنڈے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں جب ایم اے کے مقالہ جات کے عنوانات طلب کئے گئے تو میں نے چند عنوانات اپنے استاد مکرم ڈاکٹر شبیر احمد منصوری صاحب کی خدمت میں لکھ کر پیش کئے۔امریکہ افغان جنگ کی وجہ سے یہ موضوع عصر حاضر کے حوالے سے بہت اہم تھا اس لئے استاد مکرم نے اس عنوان کو پسند کر کے اس پر کام کرنے کا حکم صادر کیا۔

فہرست مضامین

﴿باب اول﴾

قتال، جہاد فی سبیل اللہ کی ایک نوعیت

فصل اول:

جہاد وقتال کا مفہوم

(ا) جہاد کا لغوی مفہوم:

جہاد عربی لفظ ھے جو "اَلْجَهْدُ" و "اَلْجُهْدُ" سے مصدر ہے۔ لغت میں "اَلْجَهْدُ" و "اَلْجُهْدُ" کے معنی طاقت، وسعت، مشقت اور کسی کام میں مبالغہ کرنے کے آتے ہیں۔

ابن منظور:

نے ''اَلْجَهْدَ'' کے معنی مشقت اور '' اَلْجُهْدُ '' کے معنی طاقت کے بیان کئے ہیں۔(۱)

المنجد اور مصباح اللغات کے مطابق:

جهد فی الامر کہتے ہیں: بہت کوشش کرنا۔

جاهد ،مجاهدةو جهادا کا معنی ہے ''پوری طاقت صرف کرنا''۔

جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِه (الحج ۲۲:۷۸) اللہ کے راستے میں پوری کوشش کرو جیسا کہ کوشش کا حق ہے۔

''**الجهاد** ''مصدر ہے جس کے معنی: ''دین کی حفاظت اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جنگ۔''

جاهد العدو کہتے ہیں دشمن سے جنگ کرنا۔(۲)

علامہ زبیدی:

جهد اور **جهد** کے معنی طاقت، وسعت اور کسی کام میں مبالغہ کرنے کے ہیں۔ جهد کا معنی مشقت بھی ہے۔(۳)

علامہ ابن اثیر الجزری:

حدیث میں **جَهد** اور **جُهد** کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے **جُهد** کا معنی مشقت اور **جَهد** کا معنی وسعت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ طاقت اور وسعت کے معنی مستعمل ہیں۔ لیکن مشقت کے معنی میں صرف **جُهد** ہی استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: **وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ (التوبہ ۹:۷۹)**

وہ لوگ جو صرف اپنی مشقت سے حاصل کرتے ہیں۔(۴)

امام راغب اصفہانی ''جہاد'' کی لغوی تعریف میں لکھتے ہیں:

"**اَلْجَهْدُ**" و "**اَلْجُهْدُ**" کے معنی وسعت وطاقت اور تکلیف ومشقت کے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ "**اَلْجَهْدُ**" کے معنی مشقت کے ہیں اور "**اَلْجُهْدُ**" کے طاقت اور

---

(۱) اللسان العرب ۳/۱۳۳

(۲) مصباح اللغات۔ ۱۲۵

(۳) تاج العروس شرح قاموس ۲/۳۳۰

(۴) تاج العروس شرح قاموس ۲/۳۳۰

وسعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "اَلْـجُهْـدُ" کا لفظ صرف انسان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔۔۔الجِهَادُ وَالمُجَاهَدَۃ دشمن کے مقابلہ اور مدافعت میں اپنی انتہائی طاقت اور وسعت خرچ کرنے کا نام ہے ۔ (۵)

لغت میں جہاد کے لغوی معنی کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

بذل اقصی ما یستطیعه الانسان من طاقته لنیل محبوب او لدفع مکروه

انسان کا اپنی کسی مرغوب چیز کو حاصل کرنے یا ناپسندیدہ چیز سے بچنے کے لئے بھرپور کوشش کرنا۔(۶)

خطیب قسطلانی:

جهاد **جهد** سے نکلا ہے جس کے معنی محنت مزدوری کے ہیں یا **جهد** سے مشتق ہے جس کے معنی زور وطاقت کے ہیں۔(۷)

علامہ علاؤالدین الحصکفی:

لفظ ''جہاد'' قدیم زبان میں **جاهد فی سبیل الله** کا اسم مصدر ہے۔(۸)

ابن عابدین شامی:

جاهد کے اسم مصدر کے معنی ہیں اپنی طرف سے کامل کوشش کرنا۔اس کے عام معنی میں وہ شخص بھی داخل ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے۔(۹)

علامہ زمخشری:

جاهد یا جهد کے معنی ہیں ایک شخص نے کوشش کی یا محنت کی یا اپنا زور اور کوشش ولیاقت خرچ کی، جفاکشی کی یا غیر معمولی مشقت اٹھائی۔(۱۰)

مدالقاموس میں ہے:

جهادا حاصل مصدر ہے یعنی محنت، مشقت، تکلیف، ماندگی، تھکان۔(۱۱)

امام جوہری:

جاهد فی سبیل الله مجاهدة وجهادا ۔نیز **اجتهد** اور **تجاهد** کے معنی ہیں اس نے زور لگایا اور جفاکشی کی۔(۱۲)

فیومی:

جاهد فی سبیل الله جهادا اور **اجتهد فی الامر** کے معنی ہیں:

---

(۵) مفردات القرآن، ۱۹۹/۱
(۶) مشارع الاشواق: ۶۵۷
(۷) ارشاد الساری فی شرح بخاری ۲۶/۵
(۸) رد المحتار علی الدر المختار ۳۳۴/۳
(۹) رد المحتار علی الدر المختار ۳۳۴/۳
(۱۰) اساس البلاغۃ بحوالہ مدالقاموس ۴۳۷/۲
(۱۱) مدالقاموس ۴۷۴/۲
(۱۲) تحقیق الجہاد: ۱۸۶

اس نے اللہ کے کام میں اپنی طاقت اور کوشش سے پورا پورا کام کیا۔(۱۳)

تاج العروس میں ہے؛

جہاد کا مفہوم قدیم عربی زبان اور تمام قرآن مجید میں یہ ہے :حتی المقدور کوشش کرنا ،سعی کرنا، جانفشانی کرنا ،کسی کام میں محنت ،تن دہی، جوش ،سرگرمی ،شوق یا ہمت سے مصروف رہنا۔(۱۴)

جہد انتہائی محنت کے مترادف ہے۔ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا

ای الصدقة افضل ؟فرمایا جهد المقل

کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا چشم کشا کوشش

اجتہاد: استنباط مسائل کے لئے انتہائی کاوش کرنے والے کو مجتہد کہتے ہیں اور ان کی اس کوشش کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے۔

مجاہدہ: تصوف وسلوک کی منازل ومراحل طے کرنے کے لئے انتہائی صعوبتوں کا تحمل مجاہدہ کہلاتا ہے۔

جهد اللبن: اونٹنی کا دودھ اس طرح دوہنا کہ اس کے تھنوں سے آخری قطرہ بھی نکال لیا جائے **جهد اللبن** کہلاتا ہے۔

جہاد: دشمن کی مدافعت میں انتہائی وسعت اور غایت درجے کی ہمت وعزیمت کا اظہار کرنے کا نام جہاد ہے۔(۱۵)

جامع اللغات:

جہد کے معنی کوشش کرنا، کافروں سے جنگ کو جہاد کہتے ہیں یعنی اس سے لڑنا جو مذہبی فرائض میں حارج ہو۔(۱۶)

ابن منظور:

(۱)الجهاد محاربة الاعداء وهو المبالغة و استفراغ مافی الوسع والطاقة من قول او فعل

جہاد دشمنوں سے لڑائی اور وہ مبالغہ آرائی اور بات یا عمل میں سے وسعت اور طاقت میں سے جو کچھ ہے اس سے خالی کرنا ہے۔

(۲)المبالغة او استفراغ الوسع فی الحرب او اللسان او ما اطاق من شیء۔(۱۷)

مبالغہ آرائی یا جنگ یا زبان یا کسی چیز کے دائرہ کار کی وسعت میں اضافہ کرنا۔

سعید فرماتے ہیں:

جهد فی الاسراع جهدا ،جاهد فی سبیل الله مجاهدة

---

(۱۳)تحقیق الجہاد:۱۸۶
(۱۴) تاج العروس۳۲۹/۲
(۱۵)جہاد از مسلم:۸
(۱۶)جامع اللغات ذیل مادہ جھد
(۱۷)اللسان العرب۱۴۳/۳

کوشش کو تیز کرنے کی کوشش، اللہ کی خاطر جدو جہد کرنا

الجهاد :مصدر جاهد ،القتال محاماة عن دين الحق۔(۱۸)

جہاد، جاھد کا مصدر ہے،لڑائی دین حق کے متعلق قانون کی پابندی۔

In Dictionary Of Islam meaning of Jihad is :

> "An effort or a strining.A religious war with those who are unbelievers in the mission of (Holy Prophet) Muhammad (PBUH). It is an ancumbent religious duty ."(19)

In encyclopedia of Islam the definition of Jihad is :

> The spread of Islam by arms is a religious duty upon Muslims in general.(20)

(۲) قتال کا لغوی مفہوم:

قَاتَلَه قِتَالًا وقِيْتَالًا ومُقَاتَلَةً کا معنی ہے جنگ کرنا یا دشمنی کرنا۔(۱)

اس کا مادہ **اَلْقَتْلُ** (ن) ہے۔اس کے تحت امام راغب اصفہانیؒ موت اور قتل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''الموت کی طرح اس کے معنی بھی جسم سے روح کو زائل کرنے کے ہیں۔لیکن موت اور قتل میں فرق یہ ہے کہ اگر اس فعل کو سرانجام دینے والے کا اعتبار کیا جائے تو اسے قتل کہا جاتا ہے اور اگر صرف روح کے فوت ہونے کا اعتبار کیا جائے تو اسے موت کہا جاتا ہے۔(۲)

قرآن عظیم میں ہے:

اَفَاِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (ال عمران ۳:۱۴۴)

بھلا اگر یہ مرجائیں یا مارے جائیں۔

عربی زبان میں جنگ کے لئے ''حرب'' کا لفظ مستعمل ہے لیکن قرآن مجید نے اکثر جنگ کے لئے ''قتال'' کا لفظ استعمال کیا ہے ۔شرعی اعتبار سے اس کے معنی مشرکین، کفار، باغیوں، منافقوں اور مرتدین وغیرہ سے جنگ کے آتے ہیں۔بعض مواقع پر قرآن وحدیث میں جہاد کو بھی جسمانی لڑائی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔لیکن یہ لفظ جہاد کے ضمنی معنی ہیں۔ جہاد اور قتال کے اصول وضوابط اور قوانین ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جہاد کا مفہوم بہت وسیع ہے جبکہ قتال کا مفہوم محدود ہے۔ جہاد کل ہے اور قتال اس کی جزو ہے۔ جہاد عام اور قتال خاص ہے۔

انگریزی زبان میں قتال کے لیے "War" "Battle" اور ''Fight'' کے لفظ مستعمل ہیں۔

Webster's Third New International Dictionary:

War: A state of USU,open and declared armed hostile conflict between political units.

Battle: The art ,actinity profession or science of military operations.(3)

---

(۱۸) اقرب الموارد:۱/۱۴۵

(19) ڈکشنری آف اسلام:۲۴۳

(20) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام:۱/۱۰۴۱

(۱) مصباح اللغات۔۶۵۸

(۲) مفردات القرآن ۸۲۶

(۳) ویبسٹر زتھرڈ نیو انٹرنیشنل ڈکشنری ۳/۲۵۷۵

FIGHT(Noun):(Military) A hostile meeting of opposing military forces in the course of war

جنگ کے دوران مخالف فوجی قوتوں کی ایک دشمنانہ ملاقات (۵)

(۳) جہاد کا اصطلاحی مفہوم:

(۱) نبی مکرمؐ سے سوال کیا گیا، جہاد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

ان تقاتل الکفار اذا لقیتم لا تغل ولا تجبن

تم مقابلہ کے وقت کفار سے لڑائی لڑو اور اس راستہ میں نہ
خیانت کرو اور نہ بزدلی دکھاؤ۔(۶)

(۲) ابن حجر عسقلانیؒ جہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصطلاح شریعت میں کفار سے لڑنے میں اپنی پوری طاقت استعمال کرنے کا نام جہاد ہے۔(۷)

(۳) ملا علی قاریؒ جہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اپنی پوری توانائی کو کفار سے لڑنے میں صرف کرنے کا نام شریعت میں جہاد ہے۔(۸)

(۴) علامہ بدرالدین عینیؒ جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

جہاد کا شرعی معنی ہے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا،

اور جہاد فی اللہ کا معنی ہے:

احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لئے نفس کو تھکانا اور اتباع شہوات اور میلان لذات میں نفس کی مخالفت کرنا۔(۹)

(۵) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ جہاد کی عمومی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الجهاد حقيقة الاجتهاد فی حصول ما يحب الله من الايمان والعمل الصالح ،ومن دفع ما يبغضه الله من الكفر والفسوق والعصيان (۱۰)

جہاد پوری کوشش کرنے کی حقیقت ہے اس کو حاصل کرنے کی جسے اللہ نے ایمان اور نیک عمل میں پسند کیا ہے اور اس سے دور ہونے کی جسے اللہ نے کفر، گناہ اور نافرمانی سے ناپسند کیا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اللہ کی راہ میں اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے کوشش کرنے کا نام جہاد ہے یہ کوشش مختلف قسم کی ہوتی ہے جو وقت اور ضرورت کے مطابق اختیار کی جاتی ہے ۔(۱۱)

Word Web(۵)

(۶) کنز العمال ۲/۱ ۷

(۷) فتح الباری ۴/۲

(۸) دعوت جہاد: ۴۵

(۹) عمدۃ القاری ۷۸/۱۴

(۱۰) مجموع الفتاوی ۱۹۱/۱۰

(۱۱) السیاسۃ الشرعیہ ۱۶۵

(۶) علامہ ابن ہمام جہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دین حق کی خاطر دعوت دینا اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے اس کے ساتھ جان اور مال سے جہاد کرنا۔(۱۲)

علامہ بریاتی نے بھی جہاد کی یہی تعریف کی ہے۔(۱۳)

(۷) علامہ دشتانی ابی مالکی نے جہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

دین کی سربلندی کے لئے مسلمان کا کافر غیر ذمی سے جنگ کرنا یا میدان جنگ میں حاضر ہونا یا ارض کفار میں داخل ہونا جہاد ہے۔ جو شخص جنگ کرنے کے لئے میدان جنگ میں جائے یا ارض کفار میں جنگ کے لئے جائے اور اس کو جنگ کا موقع نہ ملے وہ مجاہد ہے۔(۱۴)

(۸) علامہ بھوتی حنبلی جہاد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بالخصوص کفار سے قتال کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ مسلمان باغیوں اور ڈاکوؤں سے قتال کو جہاد نہیں کہتے۔(۱۵)

(۹) **مطالب اولی النھی** میں ہے:

الجهاد قتال الكفار : جہاد کفار سے لڑائی ہے۔(۱۶)

(۱۰) امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

جہاد ایک محکم فریضہ اور اللہ تعالی کا قطعی فیصلہ ہے۔ جہاد کا منکر کافر ہوگا اور جہاد سے ضدر کھنے والا گمراہ ہوگا۔(۱۷)

(۱۱) صاحب الاختیار فرماتے ہیں:

جہاد ایک محکم اور قطعی فریضہ ہے، جس کا منکر کافر ہے اور یہ فریضہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔(۱۸)

(۱۲) خطیب قسطلانی کے نزدیک:

جہاد کے اصطلاحی معنی اسلام کی تائید میں کفار سے جنگ کرنے کے ہیں۔(۱۹)

(۱۳) **الشیخ التمر تاشی** فقہی حوالے سے جہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصطلاح فقہ میں اس کے معنی ہیں کفار کو سچے دین کی طرف بلانا اور بصورت انکار ان سے لڑنا۔(۲۰)

(۱۴) جبران لکھتے ہیں:

جهاد : قتال المسلمين اعدائهم دفاعا عن الدين ۔(۲۱)

جہاد: مسلمان اپنے دشمنوں سے لڑتے ہیں اور دین کا دفاع کرتے ہیں۔

(۱۵) علامہ ابوبکر علاؤالدین کاسانیؒ جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

---

(۱۲) فتح القدیر ۱۸۷/۵
(۱۳) عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۱۸۹/۵
(۱۴) اکمال اکمال المعلم ۴۳،۴۴/۵
(۱۵) کشاف القناع ۳۲/۳
(۱۶) مشارع الاشواق ۶۵۸
(۱۷) فتح القدیر ۱۹۱/۵
(۱۸) فتح القدیر ۱۹۱/۵
(۱۹) ارشاد الساری فی شرح بخاری ۲۶/۵
(۲۰) تحقیق الجہاد: ۱۹۲
(۲۱) **الرائد** ۵۳۰/۱

"**جهد** کے معنی خرچ کرنے کے ہیں، شرعی اصطلاح میں اس کا استعمال اللہ عزوجل کی راہ میں جان ، مال ، زبان یا دوسری چیزوں کے ساتھ قتال کرنے میں اپنی استطاعت اور طاقت کو خرچ کرنے یا ایسا کرنے میں مبالغہ کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔" (۲۲)

(۱۶) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں :

جہاد سے مراد نفس کی تہذیب اور اس کا تزکیہ ہوتا ہے ،اس کے علاوہ تمدن اور معاشرے کے نظام کو بہترین طریقہ پر قائم رکھنے کے لیے بھی ضروری ہے ۔(۲۳)

(۱۷) مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

(جہاد یہ ہے کہ) ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اسلام اور اسلامی مملکت کے دفاع کے لئے اپنی پوری قوت واستطاعت کے ساتھ تیاری کرے اور ہر جانی و مالی قربانی کے لئے تیار رہے اور دشمن کے ناپاک ارادوں کا جواب شجاعت و جواں مردی سے دیں ۔(۲۴)

(۱۸) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہا دینا ، اس کو اصطلاح شریعت میں جہاد کہتے ہیں ۔(۲۵)

(۱۹) مفتی محمد شفیعؒ جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

جہاد اصطلاح شرع میں اللہ کی راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کا مقابلہ اور مدافعت کے لئے عام معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔(۲۶)

(۲۰) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید جہاد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میدان جنگ میں چونکہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کو زیر کرنے کی پوری محنت اور جدوجہد کرتا اور سارا زور لگا دیتا ہے اور تکلیف ومشقت برداشت کرتا ہے ۔اس لئے اسے جہاد کہا جاتا ہے۔(۲۷)

(۲۱) ڈاکٹر محمد طاہر القادری جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

شرعی اصطلاح میں جہاد کا معنی اپنی تمام جسمانی ، ذہنی ، مالی اور جانی صلاحیتیں اللہ کی رضا کی خاطر وقف کر دینا ہے ۔ جب حالات کا تقاضا ہو محض رضائے خداوندی کے لئے جسم کا آرام، سکون، چین تج دینا، دماغی وذہنی صلاحیتوں کو صرف کر دینا مال لٹا دینا یہاں تک کہ جان جیسی متاع عزیز کو قربان کر دینا جہاد کہلاتا ہے ۔(۲۸)

---

(۲۲) بدائع الصنائع ۹۷/۷ (۲۳) حجۃ اللہ البالغۃ ۲۸۴/۲ (۲۴) جہاد، ۸
(۲۵) سیرۃ المصطفی ۱۳/۲ (۲۶) جہاد، ۱۰ (۲۷) جہاد: ۱۴
(۲۸) جہاد بالمال، ۱

غرض لفظ جہاد کا خاص اطلاق کفار کے ساتھ لڑنے پر ہوگا جبکہ اس کا عام اطلاق اسلام کی سربلندی، فساد کے خاتمے، امت مسلمہ کی حفاظت اور دفاع کے لئے کی جانے والی ہر کوشش پر ہوگا۔

(۴) قتال کا اصطلاحی مفہوم:

> قتال اس مقدس لڑائی کا نام ہے جو اللہ کے لئے ہو اور اللہ کی راہ میں ہو۔ کسی دنیاوی غرض اور لالچ کے لئے نہ ہو یا کسی مقام و مرتبہ اور عہدہ کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ تعالی کے کلمہ کو بلند کرنے اور شہادت کے حصول کے لئے ہو۔

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

> عرف عام میں جب لفظ جہاد بولا جاتا ہے تو عموماً اس کے معنی دشمنان دین کے مقابلہ میں جنگ ہی سمجھے جاتے ہیں، جس کے لئے قرآن کریم نے لفظ قتال یا مقاتلہ استعمال فرمایا ہے۔(۲۹)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> جہاد کی حقیقت صبر استقلال اور ایثار ہے، اسلام کا قتال اس لئے ہے کہ صداقت الہی تمام ادیان پر غالب آ جائے ۔(۳۰)

(۵) جہاد کا حکم:

جہاد کا حکم بیان کرتے ہوئے امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

> جہاد ایک محکم فریضہ اور اللہ تعالی کا قطعی فیصلہ ہے جہاد کا منکر کافر ہوگا اور جہاد سے ضد رکھنے والا گمراہ ہوگا۔(۳۱)

صاحب الاختیار فرماتے ہیں؛

> جہاد ایک محکم اور قطعی فریضہ ہے، جس کا منکر کافر ہے یہ فریضہ قرآن، حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔(۳۲)

جنگ کسی بھی دنیاوی مقصد کے لئے ہوسکتی ہے لیکن قتال صرف اللہ تعالی کی رضا کے لئے اور انسانوں کو غیر اللہ کی بندگی سے چھڑا کر اللہ کی بندگی پر لگانے کے لئے ہوگا۔ اس کی چند خاص شرائط ہیں جن کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ قتال صرف انہی لوگوں سے ہوگا جو مسلمانوں سے لڑائی کرتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔ اس طرح قتال کے ذریعے انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے گا اور مظلوم مسلمانوں کی امداد کی جائے گی۔ اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں فرماتے اور زمین پر اس کے خاتمے کے لیے اپنے بندوں کو مشروط اجازت دیتے ہیں۔

---

(۲۹) جہاد، ۱۰

(۳۰) الحرب فی القرآن، ۴۴

(۳۱) فتح القدیر ۱۹۱/۵

(۳۲) فتح القدیر ۱۹۱/۵

فصل دوم:

انواع جہاد

امام راغب اصفہانی نے جہاد کی تین اقسام بیان کی ہیں:

(۱) ظاہری دشمن یعنی کفار سے جہاد کرنا

(۲) شیطان سے جہاد کرنا

(۳) نفس سے مجاہدہ کرنا۔(۱)

ان کے نزدیک یہ تینوں اقسام اس آیت میں داخل ہیں:

جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج ۷۸:۲۲)

اللہ کے راستے میں پوری کوشش کرو جیسا کہ کوشش کا حق ہے۔

ابن منظور کے مطابق

جہاد اس محنت اور کوشش کا نام ہے جو کسی معین مقصد کے لئے کی جائے (۲)

غرض جہاد بہت کوشش کرنے کا نام ہے۔ اب اگر یہ کوشش نفس سے کی جائے تو جہاد بالنفس کہلائے گی، اگر یہ مال سے کی جائے تو جہاد بالمال کہلائے گی اور اگر یہی کوشش علم کے ساتھ کی جائے تو جہاد بالعلم کہلائے گی۔ جہاد کو ہم تین بڑی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں اور باقی اقسام ان کے ضمن میں آجائیں گی۔

(۱) جہاد بالنفس:

اس کو ہم مزید دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں

(i) تزکیہ نفس (اپنے آپ سے لڑنا)

(ii) قتال (اپنی جان کو لڑانا)

(۲) جہاد بالمال

(۳) جہاد بالعلم:

اس کی مزید دو اقسام ہیں

(i) جہاد باللسان (زبان کے ذریعے جہاد)

(ii) جہاد بالقلم

اب میں ان کی تفصیل بیان کروں گا تا کہ ان کا مفہوم اور مقصد واضح ہو سکے۔

---

(۱) مفردات القرآن، ۱۹۹/۱

(۲) اللسان العرب ۱۳۳/۳

(ا) جہاد بالنفس

(i) تزکیہ نفس :

نفس کے لفظی معنی روح اور سانس کے آتے ہیں۔ نفس کی تین اقسام ہیں: نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ۔ نفس امارہ جو برائیوں پر اکساتا ہے اور اسی کے خلاف مسلمان جہاد کرتا ہے۔ جہاد بالنفس سے مراد طاعات کو بجالانا اور امور میں سے مشکل ترین کو چننا۔ جہاد بالقلب سے مراد لوگوں کو نقصان پہنچانے پر اکسانے والے فاسد و مضر خیالات کو قلب و ذہن سے نکال باہر کیا جائے۔

الکواکب الدراری جو صحیح بخاری کی شرح ہے اس میں جہاد بالنفس کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:

> ''خواہشات نفسانی کے خلاف کرنا بھی جہاد بالنفس ہے کیونکہ کفار سے لڑنا بھی نفس کے مجاہدے کے بعد ممکن ہے اور نفس کا مجاہدہ اسی عمل سے ہوتا ہے جو نفس کی خواہش کے خلاف ہو اور ظاہر ہے جہاد میں جا کر لڑنا نفس کو کتنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔''(۳)

علامہ بدرالدین عینیؒ جہاد فی اللہ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لیے نفس کو تھکانا اور اتباع شہوات اور میلان لذات میں نفس کی مخالفت کرنا۔(۴)

قرآن مجید میں جہاد بالنفس کے بارے میں ارشاد ہے:

> وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (العنکبوت۲۹:۶۹)
>
> اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم ضرور انہیں ہدایت دیں گے اپنے راستوں کی اور بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> ''جہاد کے اصل معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے ہیں اس میں وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو کفار و فجار کی طرف سے پیش آتی ہیں، کفار سے جنگ و مقاتلہ اس کی اعلیٰ فرد ہے اور وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو اپنے نفس اور شیطان کی طرف سے پیش آتی ہیں۔ جہاد کی ان دونوں قسموں پر یہ وعدہ ہے کہ ہم جہاد کرنے والوں کو اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں، یعنی جن مواقع میں خیر و شر یا حق و باطل یا نفع و ضرر میں التباس ہوتا ہے عقلمند انسان سوچتا ہے کہ کس راہ کو اختیار کروں، ایسے مواقع میں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو صحیح، سیدھی، بے خطر راہ بتا دیتے ہیں، یعنی ان کے قلوب کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس میں ان کے لئے خیر و برکت ہو۔''(۵)

---

(۳) الکواکب الدراری ۱/۴۲۵ (۴) عمدۃ القاری ۱۴/۷۸

(۵) معارف القرآن ۶/۷۱۶

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''جنہوں نے ہماری راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور علم کے مطابق عمل کیا اور نفسانی خواہش کو شریعت کے تابع کر دیا ہم ان کو اپنے تک پہنچنے کی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے یعنی مجاہدوں کے ساتھ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ جس کے ساتھ ہو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ یعنی باطنی اور ظاہری جہاد اور جدوجہد ضروری ہے اور **لنھدینھم سبلنا** میں ''سبل'' سے اللہ تعالیٰ کی قرب و رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مآل بہشت ہے'' (٦)

حضرت ابوالدرداءؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''اللہ کی طرف سے جو علم لوگوں کو دیا گیا ہے، جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں ہم ان پر دوسرے علوم منکشف کر دیتے ہیں جو اب تک حاصل نہیں۔''

فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا:

''جو لوگ علم کی طلب میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے عمل بھی آسان کر دیتے ہیں۔'' (٧)

سید ابوالاعلیٰ مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہاں یہ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ دنیا بھر سے کشمکش کا خطرہ مول لیتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ ان کی دستگیری و رہنمائی فرماتا ہے اور اپنی طرف آنے کی راہیں ان کے لئے کھول دیتا ہے۔ وہ قدم قدم پر انہیں بتاتا ہے کہ ہماری خوشنودی کس طرح حاصل کر سکتے ہو۔ ہر ہر موڑ پر انہیں روشنی دکھاتا ہے کہ راہ راست کدھر ہے اور غلط راستے کون سے ہیں۔ جتنی نیک نیتی اور خیر طلبی ان میں ہوتی ہے اتنی ہی اللہ کی مدد، توفیق اور ہدایت ہوتی ہے۔'' (٨)

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (العنکبوت ٦:٢٩)

اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ذات کے لئے کوشش کرتا ہے۔ بے شک اللہ البتہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

---

(٦) معارف القرآن (ا) ١٢٨/٦

(٧) معارف القرآن (م) ١٢/٦ ٧ے

(٨) تفہیم القرآن ٣/ ٢١ ٧ے

سید ابوالاعلی مودودی اس آیت کی تفسیر میں ''مجاہدہ'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مجاہدہ کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلے میں کشمکش اور جدوجہد کرنے کے ہیں، اور جب کسی خاص مخالف طاقت کی نشاندہی نہ کی جائے بلکہ مطلقا مجاہدہ کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ہمہ گیر اور ہر جہتی کشمکش ہے۔ مومن کو اس دنیا میں جو کشمکش کرنی ہے اس کی نوعیت یہی کچھ ہے۔ اسے شیطان سے بھی لڑنا ہے جو اس کو ہر آن نیکی کے نقصانات سے ڈراتا اور بدی کے فائدوں اور لذتوں کا لالچ دلاتا رہتا ہے۔ اپنے نفس سے بھی لڑنا ہے جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لئے زور لگاتا رہتا ہے۔ اپنے گھر سے لے کر آفاق تک کے ان تمام انسانوں سے بھی لڑنا ہے جن کے نظریات، رجحانات، اصول اخلاق، رسم ورواج، طرز تمدن اور قوانین معیشت و معاشرت دین حق سے متصادم ہوں۔ اور اس ریاست سے بھی لڑنا ہے جو خدا کی فرمانبرداری سے آزاد رہ کر اپنا فرمان چلائے اور نیکی کی بجائے بدی کو فروغ دینے میں اپنی قوتیں صرف کرے۔ یہ مجاہدہ ایک دن دو دن کا نہیں، عمر بھر کا اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر لمحے کا ہے۔ اور کسی ایک میدان میں نہیں، زندگی کے ہر پہلو میں ہر محاذ پر ہے۔ اسی کے متعلق حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

ان الرجل ليجاهد وما ضرب يوما من الدهر بسيف

آدمی جہاد کرتا ہے خواہ کبھی ایک دفعہ بھی وہ تلوار نہ چلائے۔(۹)

اس مجاہدے کا فائدہ مسلمان کو ہوگا۔ اللہ تعالی اس مجاہدے سے اپنی خدائی کو قائم نہیں رکھنا چاہتا اور نہ اس کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے بلکہ اس مجاہدہ نفس کا مقصود تمہاری ترقی اور کامیابی ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر تم برائی اور گمراہی سے آزاد ہو کر ہدایت کے راستے پر چل سکتے ہو۔ اسی سے تم میں نیکی کی طاقت پیدا ہوگی اور آخرت میں جنت ملے گی۔ اس طرح مجاہدہ نفس سے خدا کو نہیں بلکہ تمہیں فائدہ حاصل ہونے والا ہے۔

ایک مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ نفس امارہ اور ذاتی خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔ وہ اس جہاد کے ذریعے شیطانی قوتوں کو روحانی قوتوں پر غالب آنے کا موقع نہ دے۔ شیطانی قوتیں انسانی روح کی دشمن ہیں اور انسان کے اعلی اخلاقی اوصاف کو نقصان پہنچانے کی ہر وقت کوشش کرتی ہیں۔ انسانی ذہن میں ہر وقت نیکی اور برائی کی کشمکش جاری ہے۔ اسی لئے غالب نے کہا تھا:

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر ---------- کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

نبی مکرم ﷺ نے جہاد بالنفس کے سلسلے میں فرمایا تھا:

المجاهد من جاهد نفسه(۱۰)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

---

(۹) تفہیم القرآن، ۶۷۶/۳، ۶۷۷

(۱۰) جامع ترمذی، کتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ما جاء فی فضل من مات مرامرابطا

بعض لوگ نفس کے ساتھ جہاد یعنی تزکیہ نفس کو جہاد اکبر قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے دعوی میں یہ حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں:
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ کی واپسی پر حضورؐ نے فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر
قالوا: وما الجهاد الاكبر ؟قال : جهاد القلب
ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آ گئے ۔صحابہ کرامؓ
نے پوچھا ، یا رسول اللہ بڑا جہاد کون سا ہے ؟ فرمایا دل کا جہاد ۔(۱۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

یہ **ابراهيم بن ابى عبلة** کا کلام ہے حدیث نہیں ہے۔(۱۲)

امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

هذا حديث لا اصل له
یہ وہ بات ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ۔(۱۳)

ابن النحاس دمشقی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

دشمنان اسلام نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس اعلاء کلمۃ اللہ اور دفاع کے لئے جہاد ایک عظیم بنیادی طاقت ہے۔ نیز جب تک جہاد قائم رہے گا تو دشمنان اسلام کے پیر کہیں جم نہیں سکتے کیونکہ جہاد کی بدولت مسلمانوں نے نصف صدی سے بھی کم مدت میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا، تو انہوں نے ایک مہذب طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے جہاد اصغر اور اکبر کی تقسیم کر دی کہ نفس کے ساتھ جہاد بڑا جہاد ہوتا ہے اور کفار سے جہاد کرنا چھوٹا جہاد ہے۔ پھر اس مقصد کے حصول کے لئے دشمنان اسلام نے احادیث گھڑ لیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت سے مسلمان اسے جلدی قبول کر لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے یہ حدیث گھڑی جو حضورؐ پر واضح جھوٹ ہے اور احادیث کی کتابوں میں مطلقا یہ حدیث موجود نہیں۔(۱۴)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

یہ کلام صوفیا کی کتابوں میں اکثر پایا جاتا ہے اور یہ ان کے نزدیک حدیث نبوی ہے۔ مگر مجھ کو یاد نہیں کہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ عبارت میں نے دیکھی ہے ۔(۱۵)

---

(۱۱)البيهقى ،كتاب الزهدالكبير ،فصل فى ترك الدنيا ومخالفة النفس والهوى ،رقم ۳۸۴
(۱۲) حرف امراء، موضوعات کبیر، ۱۲۷
(۱۳)تنظيم الاشتات ۲۹/۱
(۱۴)مشارع الاشواق الى مصارع العشاق ۳۰
(۱۵) فتاوی عزیزی ۱۰۲

خطیب بغدادی نے اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت بھی بیان کی ہے جس کے دوراویوں پر محدثین نے جرح کی ہے۔ایک کا نام خلف بن محمد خیام ہے جس کے بارے میں امام حاکم نے فرمایا ہے کہ ان کی حدیثیں ناقابل اعتبار ہیں۔ابویعلی خلیلی اس کے بارے میں فرماتے ہیں یہ بہت ہی ضعیف تھا اور ایسی حدیثیں نقل کرتا تھا جس کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا تھا۔دوسرا راوی یحیی بن علاء جس کے بارے میں امام احمد ابن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ یہ بہت جھوٹا آدمی تھا جو حدیثیں گھڑ لیتا تھا۔ابن عدیؒ کا کہنا ہے کہ اس آدمی کی ساری حدیثیں گھڑی ہوئی تھیں۔

قرآن مجید میں بھی جہاد (قتال) کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔ارشاد الہی ہے:

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النسآء ۴:۹۵)

اور اللہ تعالی نے مجاہدوں کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اجر عظیم (کے اعتبار سے)

اب یہ بات قابل غور ہے کہ جو صحابہؓ مسجد نبوی میں رہ گئے تھے وہ سارے کے سارے نمازی اور تہجد گزار تھے۔نفلی صدقات اور نفس کی ریاضات میں زیادہ مشغول نہ تھے۔لیکن ان تمام محنتوں اور نفس کے جہاد کے باوجود اللہ نے ان کو مجاہدین نہیں فرمایا بلکہ مجاہد وہی ہے جو کفار سے جنگ کرنے کے لئے نکلے تھے۔

جہاد بالنفس کی دوسری قسم قتال ہے جس پر اگلے باب میں ان شاءاللہ تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

(۲) جہاد بالمال

ہر مسلمان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ قتال کے ذریعہ جہاد میں حصہ لے۔اس لئے مالدار مسلمانوں کے لئے جہاد میں مالی مدد کرنا آسان ہے یہ اقدام جہاد بالمال کہلاتا ہے۔

اللہ تعالی نے اہل ایمان کو مال اور جان کے ذریعے جہاد کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (التوبة ۹:۴۱)

تم نکلو ہلکے ہو یا بھاری اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے مومنوں کی تعریف میں جہاد بالمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات ۴۹:۱۵)

اس کے سوا نہیں مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر وہ شک میں نہ پڑے، اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

اللہ تعالی نے جہاد بالمال کرنے والے مومنین کی فضیلت اور اجر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَه جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (التوبة ۹:۸۸)

لیکن رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

چنانچہ اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والے مجاہدین کی فضیلت اس آیت سے ظاہر ہے:

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً (النسآء ۴:۹۵)

اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی درجہ میں، اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر۔

ایک مومن کے لئے جان اور مال سے جہاد کرنا بہترین تجارت ہے جو اسے دردناک عذاب سے نجات دلاتی ہے۔ اس سے متعلق اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (الصف ۶۱:۱۰،۱۱،۱۲)

اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتلاؤں؟ جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ؐ پر اور تم اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ تمہیں تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور ہمیشہ کے باغات میں پاکیزہ مکانات ہیں، یہ بڑی کامیابی ہے۔

اہل ایمان کا شیوہ ہے کہ وہ راہ جہاد سے فرار اختیار نہیں کرتے بلکہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں:

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ (التوبة ۹:۴۴)

آپ سے وہ لوگ رخصت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کریں اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین صحابہ کرامؓ کو خوشخبری سنائی ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ وہ خود بھوکے رہے لیکن جہاد کی کسی مہم کو مالی کمی کی وجہ سے التوا کا شکار نہیں ہونے دیا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (التوبة ۹:۲۰-۲۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ان کے درجے اللہ کے ہاں بہت بڑے ہیں اور وہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی اور باغات کی خوشخبری دیتا ہے، ان میں ان کے لئے دائمی نعمت ہے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔

اس کے برعکس منافقین اللہ کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کرنے پر ناخوش ہوتے ہیں اور مال میں بخل سے کام لیتے ہیں:

وَكَرِهُوٓا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (التوبۃ۹:۸۱)

انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے

صدقات کے مصارف (یعنی خرچ کرنے میں) فی سبیل اللہ بھی شامل ہے اور اکثر مفسرین نے اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ کو لیا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ‌ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ (التوبۃ۹:۶۰)

زکوٰۃ (حق ہے) صرف مفلسوں کا، اور محتاجوں کا اور اس پر کام کرنے والے (کارکنوں کا) اور (ان لوگوں کا) جنہیں (اسلام کی) الفت دی جائے اور گردنوں کے چھڑانے (آزاد کرانے میں) اور قرض داروں کا (قرض ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کا (یہ) اللہ کی طرف سے ٹھہرایا ہوا فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فی سبیل اللہ سے مراد جو لوگ ہیں ان کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ مجاہدین ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا مال زکوٰۃ سے لینا جائز ہے اگرچہ یہ مالدار ہوں۔ یہی مذہب امام مالک، اسحاق اور ابوعبید کا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ وصاحبین فرماتے ہیں: کہ مجاہد کو زکوٰۃ کا مال اس وقت دیا جائے گا جب وہ فقیر ہو''۔(۱)

احادیث نبویؐ میں جہاد بالمال کے فضائل :

۱۔حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔(۲)

۲۔حضرت خریم بن فاتک سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں کچھ مال خرچ کرتا ہے تو سات سو گنا لکھا جاتا ہے۔(۳)

۳۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے جہاد کے لئے کچھ مال خرچ کیا مگر خود جہاد میں نہیں گیا اس کو ایک درہم پر سات سو درہم کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے خود جہاد بھی کیا اور اس میں اپنا مال بھی خرچ کیا تو اس کے ایک درہم کا ثواب سات لاکھ درہم کے برابر ہوگا۔(۴)

۴۔حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا، سب سے افضل صدقہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

---

(۱) مفاتیح الغیب ۱۲/۱۱۳ (۲) ابوداؤد، کتاب الجہاد

(۳) سنن ترمذی، کتاب فضائل جہاد (۴) سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد

جہاد کے لئے کوئی غلام دے دینا یا مجاہدین پر سایہ کرنے
کے لئے کوئی خیمہ ادھار کے طور پر دے دینا ۔(۵)

۵۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

غازی کو اپنے جہاد کا درجہ ملتا ہے اور اس کی مالی امداد کرنے والے کو مال کا ثواب الگ
ملتا ہے اور اس کے مال سے غازی جو جہاد کرتا ہے اس کا اجر الگ ملتا ہے ۔(۶)

۶۔حضرت زید بن خالدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا

جس کسی نے غازی کو سامان حرب دلا دیا اور اس کے پیچھے اس کے بال بچوں کی
خبر گیری کی اس کو ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسے وہ خود جہاد میں شریک ہو۔(۷)

۷۔حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے:

''ایک شخص مہار ڈالی ہوئی اونٹنی لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں یہ اونٹنی
خدا کی راہ میں دیتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز اس کے بدلے میں
تجھے سات ہزار اونٹنیاں ملیں گی اور ان سب کو نکیل پڑی ہو گی ''۔(۸)

غزوہ تبوک کو ''جیش العسرۃ'' یعنی تنگی کا لشکر قرار دیا گیا۔اس غزوہ میں صحابہ کرامؓ نے جہاد بالمال کا عملی اور مثالی مظاہرہ پیش کیا۔ اس غزوہ میں حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ مالی مدد فرمائی۔آپؓ نے ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کیلو سونے کے سکے) آغوش نبوی میں بکھیر دیے۔رسول اللہ ﷺ انہیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: آج کے بعد عثمانؓ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا (۹) اس نقدی کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے صدقہ کئے ۔(۱۰) مورخین اور سیرت نگاروں کے بقول حضرت عثمانؓ نے اس جنگ کا آدھا خرچ برداشت کیا۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اپنی کتاب ''الرحیق المختوم'' میں غزوہ تبوک میں صحابہ کرامؓ کی مالی قربانیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے ۲۹ کیلو) چاندی لے آئے۔
حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال حاضر خدمت کر دیا اور بال بچوں کے لئے اللہ اور اس کے
رسولؐ کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ان کے صدقے کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور سب سے
پہلے یہی اپنا صدقہ لے کر تشریف لائے تھے حضرت عمرؓ نیا اپنا آدھا مال خیرات کیا۔
حضرت عباسؓ بہت سا مال لائے ۔حضرت طلحہؓ، سعد بن عبادہؓ اور محمد بن مسلمہ کافی مال
لائے ۔حضرت عاصم بن عدیؓ نوے وسق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کیلو، ساڑھے تیرہ ٹن)

---

(۵) سنن ترمذی
(۶) ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۷) صحیح مسلم، کتاب الجہاد
(۸) صحیح مسلم کتاب الامارہ
(۹) جامع ترمذی، مناقب عثمان بن عفانؓ ۲۱۱/۲
(۱۰) الرحیق المختوم: ۵۸۳

کھجور لے آئے۔ بقیہ صحابہؓ بھی پے در پے اپنے تھوڑے زیادہ صدقات لے آئے۔ یہاں تک کہ کسی نے ایک مد یا دو مد صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں نے بھی ہار، بازو بند، پازیب، بالی اور انگھوٹھی وغیرہ جو کچھ ہو سکا آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ کسی نے اپنا ہاتھ نہیں روکا اور بخل سے کام نہ لیا''۔(۱۱)

(۳) جہاد بالعلم

جہاد بالعلم کے معنی ہیں علم کے ذریعے جہاد کرنا۔ جہاد کی اس قسم میں ان احکامات وتعلیمات کا علم پھیلایا اور پہنچایا جاتا ہے جو قرآن وسنت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس جہاد کی غرض وغایت یہ ہے کہ دنیا سے کفر، شرک، نفاق اور جہالت کی تاریکیوں کا خاتمہ ہو اور دنیا ایمان اور الہامی رشد وہدایت کے نور سے منور ہو۔ اللہ تعالی نے جس مسلمان کو اپنے دین کی سمجھ بوجھ عطا کی ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ اس علم کو دوسروں تک پہنچائے۔ اور جن کے پاس علم دین کی دولت نہیں ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اس علم کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ اسلام کی اشاعت، تعلیم اور تبلیغ اسی وقت ممکن ہے جب ہمارے پاس اس دین کے بارے میں علم ہو۔ اسی آفاقی حقیقت کے پیش نظر اللہ تعالی نے انسانوں کو علم دین عطا کیا۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ کائنات عالم میں موجود تمام شر اور فساد کا بنیادی سبب جہالت ہے۔ اس جہالت کا خاتمہ ان لوگوں کا مذہبی فریضہ ہے جو دین کا علم رکھتے ہیں۔ یہ ایک حقیت ہے کہ تلوار کا وار انسانی دل کو اس قدر مطمئن نہیں کر سکتا جتنا دلیل کی قوت اسے مطمئن کر سکتی ہے۔ قرآن مجید میں علم دین کی سمجھ بوجھ کے لئے ایک مختصر جماعت کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ جہاں مسلمانوں کی بڑی جماعت جنگ میں مصروف ہو، وہیں ایک مختصر جماعت علم دین حاصل کرتی رہے تا کہ علم دین باقی رہے اور دیگر مسلمانوں کی رہنمائی ہو سکے۔ ارشاد الہی ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبۃ ۹:۱۲۲)

پس کیوں نہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت کوچ کرے تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈر سنائیں جب ان کی طرف لوٹیں، عجب نہیں کہ وہ بچتے رہیں۔

اس جہاد کو ''جہاد بالقرآن'' کا بھی نام دیا گیا ہے۔ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''قرآن خود اپنی آپ دلیل اپنی آپ موعظت اور اپنے لئے آپ مناظرہ ہے۔ قرآن کے ایک سچے عالم کو قرآن کی صداقت اور سچائی کے لئے قرآن کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو روحانی جہاد یعنی روحانی بیماریوں کی فوجوں کو شکست دینے کے لئے اسی قرآن کی تلوار ہاتھ میں دی گئی اور اسی سے کفار ومنافقین کے شکوک وشبہات کے پردوں کو ہزیمت دینے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہوا

---

(۱۱) الرحیق المختوم، ۵۸۳

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان ۲۵:۵۲)

تو کافروں کا کہنا نہ مان اور بذریعہ قرآن کے تو ان سے جہاد کر بڑا جہاد۔

سید سلیمان ندوی مزید لکھتے ہیں:

بذریعہ قرآن کے جہاد کریعنی قرآن کے ذریعہ سے آپؐ ان کا مقابلہ کریں، اس قرآنی جہاد و مقابلہ کو اللہ تعالی نے ''جہاد کبیر'' بڑا جہاد اور بڑے زور کا مقابلہ فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ اس جہاد بالعلم کی اہمیت قرآن کی نظر میں کتنی ہے۔ علماء نے بھی اس اہمیت کو محسوس کیا ہے اور اس کو جہاد کا مہتم بالشان درجہ قرار دیا ہے۔''(۱)

امام ابوبکر جصاص رازی حنفی نے اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں اس نکتہ پر لطیف بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ:

جہاد بالعلم کا درجہ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں سے بڑھ کر ہے۔(۲)

سید سلیمان ندویؒ ''جہاد بالعلم'' کے سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں:

''ایک مسلمان کا فرض ہے کہ حق کی حمایت اور دین کی نصرت کے لئے عقل، فہم، علم اور بصیرت حاصل کرے اور ان کو اس راہ میں صرف کرے۔ وہ تمام علوم جو اس راہ میں کام آسکتے ہوں، ان کو اس لئے حاصل کرے کہ ان سے حق کی اشاعت اور دین کی مدافعت کا فریضہ سرانجام دے گا، یہ علم کا جہاد ہے جو اہل علم پر فرض ہے۔''(۳)

غرض عصر حاضر میں اسلام کی نظریاتی حفاظت کے لئے علمی اور فکری جہاد ناگزیر ہے۔ اس فریضہ کو سرانجام دیے بغیر دین اسلام کی اشاعت اور دفاع مشکل ہے۔ اس لئے اسلامی مدارس اور کتب خانوں کو قائم کیا جائے۔ سوفٹ ویئرز اور انٹرنیٹ کے ذریعے اسلام کے پیغام کو عام کیا جائے۔ نئی نسل میں دین اسلام کے مطالعہ اور تعلیم دین کا شوق بیدار کیا جائے تا کہ ایسی جماعت تیار ہو سکے جو دین اسلام کے دفاع میں اہم کردار ادا کر سکے۔

اب علم کی ترسیل اور تبلیغ دو ذرائع سے ہوتی ہے۔ ایک زبان کے ذریعے اور دوسرا قلم کے ذریعے۔ اس لئے ہم جہاد بالعلم کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ جہاد باللسان (زبان کے ذریعے جہاد) ۲۔ جہاد بالقلم (قلم کے ذریعے جہاد)

(i) جہاد باللسان:

جہاد باللسان سے مراد ہے زبان کے ذریعے جہاد کرنا۔ زبان کے ذریعے جہاد میں دعوت دین، دعوت حق، کفر و شرک اور نفاق سے لوگوں کو روکنا اور دلائل سے ان کا رد کرنا، معاشرے میں رائج غلط اور باطل رسوم و رواج سے روکنا، دین کی مشکل باتوں کو آسان انداز میں عام آدمی تک پہنچانا، باطل قوتوں کی طرف سے اسلام کے خلاف سیاسی، معاشرتی اور نظریاتی حملوں کا تقریر یا مذاکرات کے ذریعے

---

(۱) سیرۃ النبی ﷺ ۲۲۰/۵، ۲۲۱

(۲) احکام القرآن ۱۱۹/۳

(۳) سیرۃ النبی ﷺ ۲۲۱/۵

دفاع کرنا شامل ہے۔مفتی محمد شفیعؒ ''زبانی جہاد'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زبان کا جہاد یہ ہے کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر اس پر راضی کریں اور جہاد کے احکام بتائیں اور یہ بھی کہ اپنی گفتگو اور تقریر سے دشمن کو مرعوب کریں ۔ایسی نظمیں جن سے مسلمانوں میں جذبہ جہاد قوی ہو یا جن سے دشمنوں کی تذلیل ہو، وہ بھی اس جہاد میں شامل ہیں۔جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ جو شاعر رسولؐ ہیں ان کی نظمیں جو مشرکین مکہ کے مقابلہ میں کہی گئی ہیں ان کو جہاد قرار دیا گیا ہے ۔''(۴)

نبی اکرمؐ نے اپنی کئی احادیث میں جہاد باللسان کا حکم دیا ہے۔اوراس کی مختلف اقسام اور انواع بھی بیان فرمائی ہیں۔ذیل میں وہ احادیث درج کرتے ہیں جو زبانی جہاد پر رہنمائی کرتی ہیں۔

۱۔حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے مالوں سے، اپنی جانوں سے، اپنی زبانوں سے۔(۵)

۲۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

فضیلت والا جہاد وہ ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہے۔(۶)

اس کی شرح میں لکھا ہے کہ

چونکہ مجاہد دو باتوں کے درمیان ہوتا ہے یا تو جہاد کر کے کفار کو قتل کر دے گا اور مال غنیمت حاصل کرے گا یا خود شہید ہو کر خون میں رنگین ہو جائے گا لیکن وہ شخص جو ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرتا ہے اس کے حق میں تو یقین ہی ہے کہ مارا جائے گا ،اس لئے وہ افضل ہوا۔لہذا یہ بھی جہاد بلکہ افضل جہاد ہوا ۔(۷)

۳۔حضرت انسؓ سے مروی ایک حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا نَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ نَنْصُرُه ظَالِمًا قَالَ تَاخُذ فَوْقَ يَدَيْهِ ۔(۸)

اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم ۔ایک صحابیؓ نے پوچھا اے اللہ کے نبی مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کروں فرمایا: اسے ظلم کرنے سے روک۔

---

(۴) جہاد، ۴۵ (۵) ابوداود، کتاب الجہاد

(۶) جامع ترمذی، کتاب فضائل جہاد (۷) کواکب الدری ۲/۴۷

(۸) صحیح بخاری ،کتاب مظالم ،باب من اخاك ظالما او مظلوما ،رقم ۲۳۱۲

۴۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ ،فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ ،فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (۹)

جب تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ ہاتھ سے روکے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے ۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عام آدمی سے لے کر حکمران تک کے لئے جہاد باللسان کا حکم دیا ہے۔

''لمعات''شرح مشکوٰۃ میں جہاد باللسان کے بارے لکھا ہے:

''لسانی جہاد یہ ہے کہ زبان سے دشمن کو مرعوب کیا جائے اسے مار ڈالنے ،گرفتار کر لینے اور تاخت وتاراج کر دینے کی دھمکیاں دی جائیں ،تند وتلخ الفاظ اس کے حق میں استعمال کئے جائیں ،سب وشتم کی بھی اجازت ہے ۔دشمن کی رسوائی اور ہزیمت کی اور مسلمانوں کی فتح ونصرت کی دعائیں مانگی جائیں ۔مسلمانوں کو اچھے پیرائے اور دلنشین اسلوب سے جہاد پر ابھارا جائے شعر وخطابت اس کام کے بہترین ہتھیار ہیں''(۱۰)

زبانی جہاد کے سلسلہ میں نبی اکرمؐ کو قتال کی ترغیب دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

یٰٓاَ یُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَا ل (الانفال ۶۵:۸)

اے نبی!مومنوں کو قتال پر ابھاریے

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو جہاد کی ترغیب دی اور جنت کا ذکر فرمایا ایک انصاری جو ہاتھ میں کھجوریں لیے ہوئے تھے اور کھا رہے تھے کہنے لگے:اگر میں کھجوروں سے فراغت پانے کے لئے بیٹھ رہا تو اس میں دنیا کا لالچ ہے چنانچہ انہوں نے ہاتھ کی تمام کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت لی اور معرکہ کارزار میں اتر گئے اور بالآخر شہید ہو گئے ۔(۱۱)

مشرکین مکہ جب جنگوں میں آتے تو ان کی خواتین ساتھ آتیں جو رجزیہ اور رزمیہ اشعار پڑھتیں ۔اپنے دشمن کی توہین کرتیں اور اپنے مردوں کو غیرت دلاتی تھیں۔چنانچہ کئی احادیث میں یہ ذکر ملتا ہے کہ آپؐ نے اشعار کا جواب اشعار سے دینے کا حکم فرمایا۔آپؐ کے بارہ صحابہؓ کرام شاعر تھے۔جن میں حضرت علیؓ ،حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ ،حضرت کعب بن زہیرؓ زیادہ مشہور ہیں۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

---

(۹)صحیح مسلم ،کتاب الایمان ،باب بیان کون النهی عن المنکر ..،رقم :۷۳

(۱۰)لمعات،حاشیہ مشکوٰۃ،کتاب الجہاد

(۱۱)**المؤطا**،امام مالک،کتاب الجہاد

''نبی اکرم ﷺ حضرت حسانؓ کے لئے مسجد کے اندر منبر رکھواتے تھے۔حضرت حسانؓ اس پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھتے اور مشرکین پر رسول اللہ ﷺ کی برتری ثابت کرتے اور مشرکین کی چوٹوں کا جواب دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ حضرت حسانؓ کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

''حسان جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ کا دفاع کرتے رہتے ہیں اور ان کی برتری ثابت کرتے رہتے ہیں اللہ تعالی روح القدس کے ذریعے ان کی مدد کرتا رہتا ہے۔''(۱۲)

بنی قریظہ کی جنگ کے موقع پر حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ يقول لحسان بن ثابت اهجهم او هاجهم وجبريل معك۔(۱۳)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت حسانؓ سے یہ کہتے ہو ئے سنا مشرکین کی ہجو کہو اس وقت جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے نبی ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے عبداللہ بن رواحہ آپؐ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

خَلُّو بَنِی الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ ....اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلَى تَنْزِيْلِهٖ

ضَرْبًا يُذِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهٖ ....وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

اے کافروں کی اولاد! ان کے راستے سے ہٹ جاؤ (کوئی مزاحمت اور رکاوٹ نہ ڈالو) ورنہ آج ہم ان پر نازل شدہ حکم کے مطابق تمہیں ایسی مار ماریں گے جو دوسروں کو ان کی خواب گاہوں سے جدا کر دے گی اور دوست کو اپنے دوست سے غافل کر دے گی۔

یہ اشعار سن کر حضرت عمرؓ نے کہا نبی اکرم ﷺ کے سامنے اور حرم خداوندی میں بھی تم شعر کہنے سے باز نہیں آئے۔لیکن حضورؐ نے فرمایا:

عمر ان سے تعرض نہ کرو ان کا شعر دشمن کے دلوں میں تیر کی پیکان سے بھی زیادہ گھاؤ لگاتے ہیں۔(۱۴)

غرض اسلام میں اشعار کا جواب اشعار سے دینے کا حکم دیتا ہے۔لیکن اسلام میں بے حیائی پر مبنی اور جاہلانہ شاعری کی بجائے حکیمانہ شاعری کا ترجمان ہے۔

---

(۱۲)صحیح مسلم ،کتاب فضائل الصحابہ،باب فضائل حسان بن ثابتؓ ،رقم :۲۴۹۰

(۱۳)صحیح مسلم ،کتاب فضائل الصحابہ،باب فضائل حسان بن ثابتؓ ،رقم :۲۴۸۶

(۱۴)الانوار فی شمائل نبی المختار ،باب استماعہ الشعر ﷺ،رقم :۳۵۳

ایک اور طریقہ جو جہاد باللسان کے سلسلہ میں اختیار کیا گیا وہ اسلحہ کی نمائش کے ذریعے جہاد کی ترغیب کا ہے۔ یہ طریقہ صحابہ کرامؓ کا ہے۔حضرت عمرو بن مرداس بیان کرتے ہیں:

''میں شام گیا، وہاں میں نے ایک صاحب دیکھے جن کے دونوں ہونٹ موٹے موٹے تھے۔انہوں نے اپنے آگے اسلحہ کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔لوگوں نے ان سے پوچھ گچھ شروع کی تو وہ کہنے لگے، اے لوگو! اس طرح کا اسلحہ لواسے کارآمد بناو اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکل پڑو، اللہ کے رسولؐ نے اس امر کی تاکید فرمائی ہے۔میں نے لوگوں سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں لوگوں نے بتایا یہ (حضرت) بلالؓ ہیں۔''(۱۵)

خلیل احمد حامدی لکھتے ہیں:

''حضرت بلالؓ نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب اور فوجی تربیت کی دعوت دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اسلحہ کو پاس رکھ کر لوگوں کے ذوق جنگجوئی اور جذبہ شمشیر زنی کو ہوا دی جائے۔ یہ طریقہ بڑا موثر اور عملی تعلیم کا ہے۔ یہ تو ایک فرد کی کوشش ہے لیکن اگر اجتماعی طور پر ایسے پرکشش وسائل اختیار کئے جائیں جو مرد کو جنگ اور اس کے ہتھیاروں سے مانوس کریں اور ان کی محبت دل میں اتار سکیں تو اس سے قوم کے بیشتر حصے کو مجاہدین کی جماعتوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور بوقت ضرورت ان کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔''(۱۶)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے نوجوانوں کو جہاد کی دعوت دینے والا جنگجو اور اسلحہ شناس ہو۔ کیونکہ کردار کا غازی گفتار کے غازی سے زیادہ موثر ہے۔

اس کے علاوہ جہاد باللسان میں اپنے زیر کفالت افراد اور نوکروں، خادموں وغیرہ کو دعوت جہاد دی جا سکتی ہے۔عورتوں پر جہاد فرض نہیں لیکن وہ اپنے گھر کے مردوں کو اس کی ترغیب دے سکتی ہیں۔ایسی سہولت فراہم کرنا جس سے مجاہد جہاد میں شامل ہو سکے، جہاد ہے ۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

''ان کا ایک مکاتب غلام تھا وہ ان کے پاس اپنی مکاتبت کی بقیہ رقم لے کر آیا۔آپؓ نے اسے فرمایا: آئندہ تو میرے پاس نہ آنا تو اللہ کی راہ میں جہاد کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، جس مسلمان کے دل میں اللہ تعالی کی راہ کا غبار داخل ہو گیا اس پر اللہ دوزخ کو حرام کر دیتا ہے۔''(۱۷)

غرض جہاد باللسان کی متعدد انواع واقسام ہیں۔ یہ تمام اقسام جہاد وقتال کے لئے بہت اہم ہیں۔زبان انسانی افکار کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔اس ذریعہ سے نہ صرف دعوت اسلام کا فریضہ سرانجام دیا جا سکتا ہے بلکہ معاشرتی برائیوں سے روکنے کی تلقین بھی کی جا سکتی ہے

---

(۱۵) صحیح بخاری

(۱۶) جہاد اسلامی۔۱۱۷

(۱۷) مسند احمد

۔ نیز میدان جنگ میں جانے کے لئے مومنوں میں جذبہ جہاد، جذبہ شہادت اور حصول جنت کے جذبے کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ لیکن دعوت کے طریقہ کار اور اسلوب میں دلیل حکمت سے دینی ہے، انداز ایسے ہو جیسے بندہ کسی کو اچھی نصیحت کرتا ہے اور اگر بحث مباحثہ کی نوبت آجائے تو اچھے اور بہتر انداز میں بحث ومباحثہ کرنا ہے۔

(ii) جہاد بالقلم:

قلم یعنی تحریر کے ذریعے اسلام کو پھیلانے کی کوشش کرنا جہاد بالقلم کہلاتا ہے۔ یہ جہاد اسلام میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ قلم علم حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ سابقہ افراد اور اقوام کا علم ان کی کتب کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی علم کو قلم سے وابستہ کیا ہے:

اِقْرَا وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ Oالَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (العلق۹۶:۳،۴)

پڑھئے اور آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے سکھایا۔

انسان کو قلم کے ذریعے علم عطا کیا گیا۔ کتابت قرآن وحدیث، معاہدات اور مکاتیب یا خطوط بنوی جہاد بالقلم کی عملی مثال ہیں ۔رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم حکمرانوں قیصر روم، مقوقس، نجاشی، خسرو پرویز وغیرہ کو دعوت اسلام خطوط کے ذریعے دی۔ آپؐ کے تمام خطوط میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلام قبول کرلو تم سلامت رہو گے۔

قلم کے ذریعے جہاد میں آپ کسی کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت اور اس کا پیغام پہنچاسکتے ہیں۔ عصر حاضر میں اسلام پر اٹھنے والے اعتراضات کے جوابات رسائل اور اخبارات میں تحریر کئے جاسکتے ہیں۔ معاشرتی برائیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جاسکتا ہے اور ان سے بچنے کا اسلامی طریقہ بیان کیا جاسکتا ہے۔ طاغوتی اور ظالم قوتوں سے نفرت دلائی جاسکتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لئے کالمز لکھے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کی تعمیر سازی میں قلم اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جب تک الیکٹرانک میڈیا ایجاد نہیں ہوا تھا قلم ہی پیغام رسانی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔

یہ امر انتہائی قابل افسوس ہے کہ بعض متجد دین اسلام کو مغربی تہذیب اور فکر کے مطابق کرنے کے لئے اپنے قلم کو استعمال کررہے ہیں۔ وہ اسلامی مآخذ سے کمزور دلائل تلاش کرکے اور غلط استدلال کرکے ایسے مقالات قلم کی نذر کررہے ہیں جن سے طاغوتی قوتوں کو تقویت ملتی ہے۔

مسلمان سکالرز کو چاہیے کہ وہ غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے اسلام پر کئے گئے فکری اور استشراقی حملوں کا جواب دیں۔ اس مقصد کے لئے وہ اخبارات، رسائل اور تحقیقی مجلّات میں مدلل اور مفصل جوابات تحریر کریں۔ دنیا کے سامنے اصل حقائق لائیں تاکہ اسلام کا صحیح تشخص بیدار ہوسکے اور اسلامی نظریات کو فروغ حاصل ہو۔

فصل سوم

جہاد و قتال کی فضیلت و اہمیت

جہاد فی سبیل اللہ ایک مقدس مذہبی فریضہ ہے، جس کو اللہ رب العزت نے دین کی بقا کے لئے مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے ۔قرآن وسنت میں جہاد کے بارے میں اتنے زیادہ فضائل بیان ہوئے ہیں کہ یہ اسلام کا چھٹا رکن معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ فضائل جہاد کے بیان ہوئے ہیں۔ جہاد کے بعد علم کے فضائل زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ درحقیقت اسلامی شریعت انسانی فطرت سے بہت زیادہ واقف ہے۔شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ وہ انسانی مزاج کو سمجھ کر اس کے مطابق کسی حکم کو جاری کرتی ہے ۔انسانی فطرت ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی کام کے فوائد بیان کئے جائیں تو وہ اس کی طرف جلدی راغب ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فضائل جہاد وقتال کا مطالعہ کرنے سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کے لئے عملی طور پر میدان جہاد میں آنے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے مقام و مرتبہ کو حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ا۔قرآن مجید میں جہاد و قتال کی فضیلت واہمیت:

قرآن مجید میں جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيمًا (النسآء ۴:۹۵)

اللہ تعالی نے فضیلت دی درجہ میں، اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر۔اور ہر ایک کو اللہ نے اچھا وعدہ دیا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو اجر عظیم (کے اعتبار سے) بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔

مفسر ابن کثیرؒ نے اس آیت میں مذکور ''درجہ'' کی تشریح میں یہ احادیث نقل کی ہیں:

بخاری و مسلم میں ہے جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں میں زمین وآسمان جتنا فاصلہ ہے۔حضورؐ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے اسے جنت کا درجہ ملتا ہے ۔ایک شخص نے پوچھا درجہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بالا خانوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔(۱)

دوسری آیت میں اللہ تعالی نے ان مہاجرین صحابہ کرامؓ کو خوشخبری سنائی ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ وہ خود بھوکے رہے لیکن جہاد کی کسی مہم کو مالی کمی کی وجہ سے التوا کا شکار نہیں ہونے دیا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (التوبة ۹:۲۰-۲۲)

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم ۱/۶۳۱

جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ان کے درجے اللہ کے ہاں بہت بڑے ہیں اور وہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں ۔ان کا رب انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی اور باغات کی خوشخبری دیتا ہے،ان میں ان کے لئے دائمی نعمت ہیوہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ،بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے ۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مہاجرین وانصار صحابہ کرامؓ کو سچا مومن قرار دیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (الانفال ۸:۷۴)

اور جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کے راستے میں اور جن لوگوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی وہی لوگ سچے مومن ہیں،ان کے لئے بخشش اورعزت کی روزی ہے ۔

ایک مومن کے لئے جان اور مال سے جہاد کرنا بہترین تجارت ہے جو اسے دردناک عذاب سے نجات دلاتی ہے ۔اس سے متعلق اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (الصف ۶۱:۱۰،۱۱،۱۲)

اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے؟ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور تم اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو ۔یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔وہ تمہیں تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔اور ہمیشہ کے باغات میں پاکیزہ مکانات ہیں، یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ رقم طراز ہیں:

''اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے ۔لیکن تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اس کے راستہ میں جان ومال سے جہاد کرو ۔ یہ وہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں ۔ دنیا میں لوگ سینکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ اس میں لگادیتے ہیں محض اس امید پر کہ منافع حاصل ہوں گے اور اس طرح راس المال گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائے گا ۔پھر وہ ذات خود اور اس کے اہل وعیال تنگ دستی وافلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے ۔لیکن مومنین اپنے جان ومال کا سرمایہ اس اعلی تجارت میں لگائیں گے تو صرف چندروزہ افلاس سے نہیں بلکہ آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں

گے ۔اگر مسلمان سمجھے تو یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے ۔جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا ۔اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے ۔"(۲)

اہل ایمان کا شیوہ ہے کہ وہ راہ جہاد سے فرار اختیار نہیں کرتے بلکہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں:

لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ (التوبة ۹:۴۴)

آپ سے وہ لوگ رخصت نہیں مانگتے جو اللہ پر یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کریں اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے ۔

ان تمام آیات میں لفظ جہاد کے مفہوم میں قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا شامل ہے ۔اب وہ آیات ذکر کرتے ہیں جن میں قتال کا لفظ استعمال ہوا ہے اور وہ خاص قتال کے فضائل سے متعلق ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (التوبة ۹:۱۱۱)

بے شک اللہ نے خرید لیں مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس کے بدلے کہ ان کے لئے جنت ہے وہ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، سو وہ مارتے ہیں اور مارے (بھی) جاتے ہیں ۔اس پر سچا وعدہ ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ کون اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے ؟ پس تم اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے اس سے سودا کیا ہے اور عظیم کامیابی ہے ۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"اب اس سے زیادہ نفع بخشنے والی تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیرسی جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدوس خریدار بنا۔ ہماری جان و مال جو حقیقت میں اسی کی ملکیت ومخلوق ہیں محض ادنی ملابست سے ہماری طرف نسبت کر کے بیع قرار دیا جو عقد بیع میں مقصود بالذات ہوتی ہے اور جنت جیسے اعلی ترین مقام کو اس کا ثمن بتلایا جو مبیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے ۔۔۔۔پھر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لئے گئے تو فورا ہمارے قبضے سے نکال لئے جائیں ۔صرف اسی قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے جان و مال خدا کے راستے میں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں ۔دینے سے بخل نہ کریں ۔خواہ وہ لیں یا نہ لیں اسی کے پاس چھوڑے رکھیں ۔اسی لئے فرمایا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے اس کے بعد کہ ماریں یا مارے جائیں دونوں صورتوں میں عقد بیع (معاہدہ تجارت) پورا ہوگیا اور یقینی طور پر ثمن کے مستحق ٹھہر گئے ۔"(۳)

---

(۲) تفسیر عثمانی: ۲۶۱

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور ان کو پسند کرتے ہیں جو اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصّف ۶۱:۴)

بے شک اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کے راستے میں صفیں باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک عمارت ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کے لئے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اللہ کی راہ میں ستائے گئے، پھر اللہ کی راہ میں لڑے اور قتل کر دیے گئے، ان کی برائیاں دور کرنے اور جنت میں داخلے جیسے اچھے ثواب کی خوشخبری سنائی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران ۳:۱۹۵)

سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے شہروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے ہیں۔ ان کی برائیاں ان سے ضرور دور کردوں گا' اور انہیں باغات میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں (یہ) اللہ کی طرف سے ثواب ہے اور اللہ کے پاس اچھا ثواب ہے۔

امام طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے:

این عبادی الذین قاتلوا وقتلوا فی سبیلی واوذو فی سبیلی وجاھدوا فی سبیلی ادخلوا الجنة فیدخلونها بغیر عذاب ولا حساب(۴)

کہاں ہیں میرے بندے جو میرے راستے میں لڑے اور مارے گئے اور میرے راستے میں اذیت دیے گئے اور میرے راستے میں جہاد کیا جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پس وہ اس میں عذاب اور حساب کے بغیر داخل ہو جائیں گے۔

ابوحیان اندلسی نے اپنی تفسیر ''بحرمحیط'' میں ''رضوان'' کی تفسیر میں لکھا ہے:

''رضوان جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی خطوط وتعلقات ترک کر کے خدا کے راستے میں جان ومال نثار کرتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے لہذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہیے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی رضا کا مقام۔''(۵)

---

(۳) تفسیر عثمانی: ۲۶۵

(۴) تفسیر طبری، تفسیر سورہ آل عمران، والذین هاجروا و اخرجوا من دیارھم (ص:۴۹۲)

(۵) بحر محیط

۲۔احادیث نبویہ میں جہاد وقتال کی فضیلت واہمیت:

قرآن مجید کی طرح احادیث نبویہ میں بھی جہاد وقتال کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔حدیث کے لفظ جہاد میں بھی اکثر مقامات پر قتال کے معنی شامل ہیں۔آپؐ نے جہاد کو افضل اعمال میں سے قرار دیا۔

عن ابی هريرة قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم اَیُّ الْاَعْمَالِ افضل قال ايمان بالله قال ثم ماذا قال الجهاد فی سبيل الله قال ثم ماذا قال حج مبرور(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا،اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا۔سوال کرنے والے نے کہا پھر کون سا؟ فرمایا اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنا۔سوال کرنے والے نے کہا پھر کون سا ؟فرمایا :مقبول حج ۔

عن عبدالله بن مسعود قال سالت رسول الله صلى الله عليه وسلم ای العمل افضل قال الصلاة لوقتها قال قلت ثم ای قال بر الوالدين قال قلت ثم ای قال الجهاد فی سبيل الله (۲)

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا میں نے اللہ کے رسولؐ سے سوال کیا کون سا عمل افضل ہے کہا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا میں نے کہا پھر کون سا کہا والدین سے اچھا سلوک کرنا۔میں نے کہا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

آپؐ نے جہاد کو ان اعمال میں شامل فرمایا جو جنت کے زیادہ قریب ہیں۔

عن عبدالله بن مسعود قال قلت يا نبیَّ اللّٰه ایُّ الاعمال اَقرب الی الجنَّة قال الصَّلاةعلى مواقيتها قلت وماذا يا نبیّ الله قال برّ الوالدين قلت وماذا يا نبی الله قال الجهادفی سبيل الله (۳)

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا میں نے کہا اے اللہ کے نبیؐ کون سا عمل جنت کے زیادہ قریب ہے؟ فرمایا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا میں نے کہا اے اللہ کے نبی پھر کون سا کہا والدین سے اچھا سلوک کرنا۔میں نے کہا اے اللہ کے نبی پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جہاد کو اسلام کی بلندی قرار دیا،ارشاد نبویؐ ہے:

عن معاذ بن جبل ان النّبی صلى الله عليه وسلم قال:ذُرْوَةُ سَنَامِ الْاِسلام الجهادُفی سبيلِ الله(۴)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

---

(۱)صحیح مسلم ،کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان بالله تعالی افضل الاعمال،رقم :۸۳

(۲)صحیح مسلم ،کتاب الایمان ،باب بیان کون الایمان بالله تعالی افضل الاعمال،رقم :۸۵

(۳)صحیح مسلم ،کتاب الایمان ،باب بیان کون الایمان بالله تعالی افضل الاعمال،رقم :۸۵

(۴)مسند احمد بن حنبل ،مسند الانصار،حدیث معاذ بن جبل رقم:۲۱۴۸۲

اسلام کی کہان کی چوٹی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے وصیتیں کرنے کی فرمائش کی آپؐ نے ان کو جو وصیتیں کیں اس میں یہ وصیت بھی شامل تھی:

عليك بالجهادفانه رهبا نية امتى۔(۵)

تم پر جہاد کرنا لازم ہے بے شک وہ میری امت کی رہبانیت (ترک دنیا) ہے۔

حضورؐ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو اپنی امت کی سیاحت قرار دیا۔

عن ابى امامه رض ان رجلا قال :يا رسول الله ائذن لى فى السياحة قال ان سياحة امتى الجهادفى سبيل الله(٦)

ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول مجھے سیاحت کی اجازت دیجیے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

آپؐ نے اس شخص کو خوشخبری دی جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوتے ہیں کہ اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

عبد الرحمان بن جبر ان رسول الله ﷺ قال ما اغبرت قدماعبد فى سبيل الله فتمسه النار(۷)

عبدالرحمان بن جبر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بندے کے دو قدم اللہ کی راہ میں گردآلود نہیں ہوتے پھر اسے جہنم کی آگ پہنچے۔

آپؐ نے کسی عمل کو جہاد کے برابر نہیں قرار دیا۔

ان ابا هريرة رضى الله عنه حدثه قال جاء رجل الى رسول الله ﷺفقال دلنى علـى عمل يعدل على الجهادقال لا اجده قال هل تستطيع اذا خرج المجاهد ان تـدخـل مسـجـدك فتقوم ولا تفتر وتصوم ولا تفطر قال ومن يستطيع ذلك قال ابـو هـريـرـة ان فـرس الـمـجــاهـد ليستـن فى طولـه فيكتب لـه حسنـات(۸)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا پھر کہا میری رہنمائی اس عمل پر کریں جو جہاد کے برابر ہو فرمایا میں کوئی ایسا عمل نہیں پاتا۔ پھر فرمایا کیا تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ جب غازی جہاد کو نکلے تو تم اپنی مسجد میں داخل ہو کر نماز کو کھڑے رہو اور برابر کھڑے رہو، کسی وقت نماز کو نہ چھوڑو اور برابر روزہ سے بھی رہو کبھی روزہ نہ کھولو۔ اس نے عرض کیا حضورؐ یہ کون کرسکتا ہے ؟ ابو ہریرہؓ نے کہا غازی کا گھوڑا جب رسی توڑ کر مارتا ہے تو یہ بھی غازی کی نیکیوں میں شمار ہوتا ہے۔

---

(۵)مكارم الاخلاق، للطبرانى، فضل تلاوة القرآن وكثرة ذكر الله ،رقم :۱

(٦)المستدرك على الصحيحين كتاب الجهاد،سياحة امتى الجهاد فى سبيل الله، رقم :۹۷۴

(۷)صحيح بخارى ،كتاب الجهاد والسير باب من اغبرت قدماه فى سبيل الله،رقم : ۲۶۵۶

(۸)صحيح بخارى ،كتاب الجهاد والسير باب فضل الجهاد والسير رقم:۲۶۳۳

اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی راہ میں جنگ لڑنے والوں کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا گیا:

ان الـــجـــنة تـــحـــت ظـلال السيــوف (۹)

بے شک جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے ۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو جنت کا قریب ترین اور مختصر راستہ قرار دیا۔ ارشاد نبویؐ ہے:

ان لـكـل طـريـقٍ مـختـصـراوان اقرب مـختـصَر ِ طــريـق الـجـنةالـجهــاد فـى سبيـل الـلــه (۱۰)

بے شک ہر راستے کا اختصار ہوتا ہے اور بے شک جنت کا قریب ترین اور مختصر راستہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مجاہد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ان ابا هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مثل المجاهد فى سبيل الله والله اعلم بمن يجاهد فى سبيله كمثل الصائم القائم وتوكل الله للمجاهد فى سبيله بان يتوفاه فيدخله الجنة او يرجعه سالما بما نال من اجر او غنيمة۔ (۱۱)

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال جیسے مثال روزہ دار اور کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے کی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالی ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ مر جائے گا تو اللہ تعالی اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اگر زندہ سلامت واپس آئے گا تو ثواب اور مال غنیمت لے کر آئے گا۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔

مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِى سَبِيْلِ الله كمثل الصَّائِمِ القائم القَانت بآيات الله لا يـفتُرُ من صيـام ولا صلاةحتى يرجع المجاهد فى سبيل الله تعالى۔ (۱۲)

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال روزے دار، قیام کرنے والے اللہ کی آیات پڑھنے والے شخص کی مانند ہے۔ جو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے نہیں تھکتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے والا واپس لوٹ آئے۔

---

(۹) المستدرك على الصحيحين، كتاب الجهاد، الجنة تحت ظلال السيوف، رقم: ۲۴۳۵

(۱۰) قدوة الغازى باب من الترغيب فى الغزو وفضائل اهله رقم ٦، اسلام ويب

(۱۱) حديث ابى اليمان، مثل المجاهد فى سبيل الله، والله اعلم بمن يجاهد فى---رقم: ۲۲

(۱۲) صحيح مسلم، كتاب الامارہ، باب فضل الشهادة فى سبيل الله تعالى، رقم: ۳۴۹۷

خلیل احمد حامدی جہاد کے افضل عمل ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا کہ فرض نماز کے بعد جہاد فی سبیل اللہ سب سے افضل عمل ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جہاد نماز کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نماز پڑھتا ہوں لہذا میں مجاہد ہوں ۔ یہ شریعت اسلامی کے دو الگ الگ احکامات ہیں ۔ایک کا نام نماز ہے اور دوسرے کا نام جہاد ہے۔ جہاں نماز فرض ہے وہاں جہاد بھی فرض ہے ۔دونوں فریضے ادا کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے ۔لیکن بعض اوقات جہاد کو نماز پر مقدم رکھا گیا ہے مثلاً جنگ خندق میں حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کی تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب قضا ہوگئیں ،لیکن جہاد کے عمل کو موخر نہیں کیا گیا۔اسی طرح غزوات میں نماز قصر ادا کی گئی ،صلوٰۃ الخوف ادا کی گئی ۔وضو کی بجائے تیمّم کو جائز رکھا گیا۔مگر جہاد کے عمل کو قائم رکھا گیا۔ جہاد کی وجہ سے فرض نماز ،روزوں کو توڑ کر قضا لوٹائی گئی ۔غرض کئی عبادات کے نقشوں میں تبدیلی جہاد کی وجہ سے کی گئی ۔مگر جہاد کے نقشے کو قائم رکھا گیا۔ جہاد کی اہمیت تمام اعمال پر واضح ہے کیونکہ جہاد تمام اعمال دین کا محافظ ہے ۔(۱۳)

جہاد نہ کرنے والوں کے لئے وعیدیں :

دین اسلام مین جہاد ایک اہم عمل ہے، جس سے منہ پھیرنے والوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ارشاد الٰہی ہے

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۔(التوبہ ۹:۲۴)

کہہ دیں اگر تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے ،اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تشریح میں تفسیر القرآن بالقرآن کرتے ہوئے درج ذیل آیت کو درج کیا ہے:

یا یھا الذین امنوا لا تتخذوا اباؤکم واخوانکم اولیآء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم

---

(۱۳) جہاد اسلامی، خلیل احمد حامدی

فـــاولـــئك هـــم الــظّــلــمــون ۔(التــوبة ٩:٢٣)

اے ایمان والو! اپنے باپ دادا کو اور اپنے بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ اگر وہ لوگ ایمان کے خلاف کفر پسند کریں اور تم میں سے جوان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

مجاہدؒ اس آیت (التوبہ ۹:۲۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''حکم سے مراد جہاد وقتال اور فتح مکہ کا حکم ہے، مطلب یہ ہے کہ اس وقت دنیاوی تعلقات پر اللہ ورسولؐ کے تعلقات قربان کرنے والوں کا برا انجام عنقریب سامنے آئے گا جب مکہ فتح ہو گا اور نافرمانی کرنے والے ذلیل وخوار ہوں گے۔''(۱۴)

خواجہ حسن بصریؒ کے نزدیک

''اس جگہ حکم سے مراد حکم عذاب ہے کہ دنیاوی تعلقات پر اخروی تعلقات کو قربان کر کے ہجرت نہ کرنے والوں پر اللہ تعالی کا حکم عذاب عنقریب آنے والا ہے، یا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب آئے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔ آیت میں اس جگہ مقصود ترک ہجرت پر وعید ہے مگر ذکر کی بجائے ہجرت کے جہاد کا حکم دیا گیا، جو ہجرت کے بعد کا اگلا قدم ہے۔ اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ ابھی تو صرف ہجرت اور ترک وطن ہی کا حکم ہوا ہے۔ اس میں کچھ لوگ ہمت ہار بیٹھے، آگے جہاد کا حکم آنے والا ہے، جس میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر ساری محبتوں کو اور خود اپنی جان کو قربان کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ ہجرت کو ہی جہاد کہا گیا ہو، جو حقیقت میں جہاد کا ہی شعبہ ہے۔''(۱۵)

درج بالا آیات اور ان کی تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالی نے ہجرت و جہاد اور قتال کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کا ذکر کرنے کے بعد متنبہ کیا ہے کہ مسلمان اپنے آرام، کاروبار، عمارات اور سہولیات کے پیش نظر جہاد میں سستی نہ کریں۔ اگر ان سہولتوں کی وجہ سے یہ خیال ہو کہ رشتہ داری چھوٹ جائے گی، مکانات اور تجارت تباہ ہو جائے گی تو پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔ جو لوگ مشرکین سے تعلقات یا نفسانی خواہشات کی وجہ سے احکام الہی پر عمل نہ کریں تو انہیں اصل کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اذا تبـايـعتـم بـالـعينة واخذتم اذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الـجـهـاد سـلـط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم (١٦)

---

(۱۴) معارف القرآن، ۴/۳۳۹

(۱۵) معارف القرآن، ۴/۳۳۹

(١٦) سنن ابی داؤد، کتاب الاجاره، باب فی النهی عن العينة، رقم: ۳۴۶۲

''جب تم عینہ کی تجارت کروگے اور بیلوں کی دمیں پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ تم اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آ جاؤ۔''

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۴۲)

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو گے اور ابھی اللہ نے معلوم نہیں کیا (امتحان لیا) جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالی تمہیں جنت کے جن اعلی درجات اور بلند مقامات تک پہنچانا چاہتا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہاں بغیر محنت اور کوشش کے پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالی تمہارا امتحان لے کر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے ایسے ہیں جو اس کی راہ میں لڑتے اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ یہ جنت، فردوس اور رضوان جیسے مقامات انہیں کو ملتے ہیں جو اللہ کی راہ میں سختیوں کو برداشت اور قربانیاں دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ بقول شاعر

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔۔۔۔ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

قرآن مجید میں قتال سے متعلق تنبیہ کرتے ہوئے اہل ایمان کے لئے ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (التوبة ۹:۳۸،۳۹)

اے مومنو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو تم گرے جاتے ہو زمین پر، کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ سو (کچھ بھی) نہیں ہے دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلہ میں مگر تھوڑا۔ اگر تم (راہ خدا) میں نہ نکلو گے تو (اللہ) تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے سوا کوئی اور قوم بدلہ میں لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

دنیا میں دردناک عذاب سے مراد یہ ہے کہ کفار تم پر غالب آجائیں اور آخرت میں دوزخ کا عذاب دردناک ہو گا۔ قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی ترک جہاد سے متعلق سخت وعیدیں اور ان کا وبال ذکر ہوا ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهُ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ (۱۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا اللہ کے رسولؐ نے فرمایا جس نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا جذبہ پیدا ہوا اس کی موت ایک طرح سے نفاق پر ہوگی۔

ایک حدیث میں ترک جہاد کو مصیبت کا باعث قرار دیا گیا ہے:

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ لَّمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجَهِّزْ غَازِيًا اَوْيَخْلُفْ غَازِيًا فِیْ اَهْلِهٖ بِخَيْرٍ اَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (۱۸)

ابو امامہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس شخص نے جہاد نہیں کیا نہ ہی مجاہد کا سامان درست کیا ہے اور نہ ہی خیر کے ساتھ مجاہد کے گھر میں اس کا جانشین رہا ہے قیامت کے دن سے پہلے پہلے اللہ تعالی اس کو کوئی سخت مصیبت پہنچائے گا۔

جہاد کی نشانی کے بغیر اللہ سے ملاقات دین کا نقصان ہوگا:

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَقِیَ اللّٰه بِغَيْرِ اَثَرٍ مِّنْ جِهَادٍ لَقِیَ اللّٰهَ وَفِيْهِ ثُلْمَةٌ (۱۹)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالی سے جہاد کے نشان کے بغیر ملا وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے دین میں نقصان ہوگا۔

جہاد وقتال سے جی چرانے کی وجہ سے مسلمان کمزوری کا شکار ہو جائیں گے اور دوسری قومیں ان پر غالب آ جائیں گی۔

عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ يوشك الامم ان تداعی عليكم كما تداعی الاكلة الی قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن يومئذ قال بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذفن الله فی قلوبكم الوهن فقال قائل يا رسول الله وما الوهن قال حب الدنياوكراهية الموت (۲۰)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا اللہ کے رسولؐ نے فرمایا قریب ہے کہ تم پر

---

(۱۷)صحیح مسلم، کتاب الاماره ،باب ذم من مات ولم يغز ولميحدث نفسه بالغزو،رقم :۱۹۱۰

(۱۸)سنن ابن ماجه ،کتاب الجهاد ،باب التغليظ فی ترك الجهاد، رقم:۲۷۶۲

(۱۹)سنن ترمذی ،کتاب فضائل جهاد عن رسول الله ﷺ،باب ماجاء فی فضل مرابط،رقم:۱۶۶۶

(۲۰)سنن ابی داود، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام ،رقم :۴۲۹۷

دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح تم کھانے کے برتن پر لقمے لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہو۔ایک کہنے والے نے کہ آج ہماری حالت کم تعداد کی وجہ سے ہوگی کہا بلکہ آج تم بہت زیادہ ہوگے لیکن تم ایک مشق کی طرح متنازعہ اور اللہ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہارا خوف نکال دے گا۔اور تمہارے دلوں میں وھن ڈال دے گا ایک کہنے والے نے کہا یارسول اللہ ﷺ وہن کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

ایک حدیث میں نبی مکرمؐ نے جہاد کو جنت کا دروازہ قرار دیا:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِی اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَیْکُمْ بِالْجِهَادِ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ یُذْهِبُ اللّٰهُ بِهِ الْهَمَّ وَالْغَمَّ (۲۱)

عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا لازم ہے کیونکہ وہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔اس کے ذریعے اللہ تعالی انسانوں کو پریشانی اورغم سے نجات دلاتا ہے۔

جہاد،جس کے معنی بہت زیادہ کوشش کرنے کے ہیں۔جہاد کا اطلاق ہراس کوشش پر ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں ہو،اسلام کے غلبے ،فساد کے خاتمے،مسلمانوں کے دفاع اور امداد کے لیے ہو۔یہ کوشش نفس سے کی جائے تو جہاد بالنفس کہلاتی ہے،مال سے کی جائے تو جہاد بالمال کہلاتی ہے،علم سے کی جائے تو جہاد بالعلم کہلاتی ہے۔جہاد وقتال کے بارے میں قرآن وسنت میں اتنے زیادہ فضائل ہیں کہ یہ اسلام کے رکن معلوم ہوتے ہیں۔انہی میں سے چند فضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔اسی پر جنت کا وعدہ ہے۔

جہاد وقتال میں شرکت نہ کرنا عذاب الہی کا باعث ہوسکتا ہے۔اس عذاب کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دنیا میں کفار غالب آ کر مسلمانوں کو عذاب دے سکتے ہیں اور آخرت میں اللہ تعالی بھی دردناک عذاب دے سکتے ہیں۔ترک جہاد پر دنیا میں ہی مسلمانوں پر ذلت مسلط ہوسکتی ہے،کوئی مصیبت آسکتی ہے یا دین کا نقصان ہوسکتا ہے۔اگر ترک جہاد پر موت آئی تو منافقت کی موت ہوگی۔اللہ تعالی تمہیں حرف غلط کی طرح مٹادے گا اور تمہاری جگہ پر ایک نئی قوم بسادے گا۔اس لئے مومن کو اپنی زندگی میں اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

زندگی کیفی اسی حسن عمل کا نام ہے
کفر کو نابود حق کو جاوداں کرتے چلو

---

(۲۱) المستدرك على الصحيحين،كتاب الجهاد، رقم:۲۳۳۹

﴿باب دوم﴾

قتال فی سبیل اللہ کا حکمت وفلسفہ

فصل اول:

انواع قتال

قتال کواپنی نوعیت کے لحاظ سے ہم دو پہلوؤں میں تقسیم کرتے ہیں۔ایک اس کا اقدامی پہلو ہے جبکہ دوسرا دفاعی پہلو ہے۔اس طرح قتال فی سبیل اللہ کو دواقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔(۱)اقدامی قتال (۲) دفاعی قتال

(۱)اقدامی قتال:

اقدامی قتال سے مراد وہ قتال ہے جس میں مسلمان کفار پر حملہ کریں اوراقدام کریں۔لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اگران کفار تک دعوت دین نہیں پہنچی تو پہلے ان کفار کواسلام کی دعوت دی جائے۔جن تک دعوت دین پہنچ چکی ہے ایسے کفار کو حملے سے پہلے دعوت دینا مستحب ہے۔اگر وہ دعوت قبول کر لیتے ہیں تو ہمارے مسلمان بھائی کہلائیں گےاوران کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی۔کیونکہ اسلام میں لڑائی کے اندر بھی دعوت کے مقاصد پوشیدہ ہیں۔اگر بالفرض وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو انہیں کہا جائے گا کہ وہ اسلامی ریاست کو جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کے رہیں۔اگر وہ جزیہ نہیں دیتے اور ماتحت بن کے نہیں رہتے تو پھر انہیں کہا جائے گا کہ ہمارے ساتھ جنگ کرو۔اب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تلوار کرے گی۔غزوہ خیبر اقدامی قتال کی عملی مثال ہے۔حضورﷺ نے جب حضرت علیؓ کوخیبر پر حملے کرنے کے لئے بھیجا توانہیں انہی تین اصولوں کی تاکید فرمائی۔

مفتی تقی عثمانی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> ’’جہاد کا اصل مقصد اللہ تعالی کے کلمہ کی بلندی ہے۔جس کا حاصل اسلام کا غلبہ قائم کرنا اورکفر کی شوکت کوتوڑنا ہے۔اس غرض کے لئے اقدامی جہاد بھی نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات واجب اور باعث اجروثواب ہے۔قرآن وسنت کے علاوہ پوری تاریخ اسلامی اس قسم کے واقعات جہاد سے بھری پڑی ہے۔‘‘(۱)

اقدامی جہاد کی حکمت یہ ہے کہ جو کفار مسلمانوں کے خلاف جنگ یا حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں وہ دب جاتے ہیں۔مسلمانوں کے دشمن مرعوب ہونے کے بعد کوئی سازش نہیں کرتے یا کسی سازش کا حصہ نہیں بنتے۔اقدامی قتال کفار کے ناپاک ارادوں کو مکمل نہیں ہونے دیتا۔دعوت دین کو پوری دنیا میں پہنچانے اور دعوت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے اقدامی قتال فرض کفایہ ہے۔فرض کفایہ وہ فرض ہوتا ہے کہ اگر کچھ مسلمان یہ عمل کر دیں تو تمام مسلمانوں کی طرف سے کافی ہوگا۔لیکن اگر کوئی مسلمان اس عمل میں حصہ نہ لے تو تمام مسلمان گناہگار ہوں گے۔فتاوی شامی میں ہے:

> ’’مسلمانوں کے امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ دارالحرب کی طرف ہر سال ایک یا دومرتبہ لشکر بھیجے اورعوام پر ضروری ہے کہ وہ اس میں اپنے امام کی مدد کریں اگر امام لشکر نہیں بھیجے گا تو گناہگار ہوگا۔‘‘(۲)

---

(۱) جہاد اقدامی یا دفاعی،ص:۷

(۲) فضائل جہاد ۶۵۹

قرآن مجید نے مسلمانوں کو اقدامی قتال کی تلقین کی ہے۔ نبی اکرمؐ کے زمانے میں بھی اقدامی جہاد ہوا۔ اگر اقدامی جہاد ہوگا تو دفاعی کی ضرورت پیش ہی نہیں آئے گی۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جب اقدامی قتال سے غافل ہوئے تو انہیں مجبوراً دفاعی قتال کرنا پڑا، جیسے عصر حاضر میں ہو رہا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''جہاد اسلام کی مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جہاد میں ابتدا نہ کی جائے۔ خود ابتدا کرنے کی غرض بھی یہی مدافعت اور حفاظت ہے کیونکہ غلبہ کے بغیر مزاحمت کا امکان ہے۔ اسی مزاحمت کو روکنے کے لئے اس کا حکم کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جہاد کی غایت ''مدافعت'' عام ہے اس مزاحمت کی مدافعت کو جو حال میں واقع ہے اور اس مزاحمت کی مدافعت کو بھی جو استقبال میں واقع ہوگی۔'' (۳)

مسلمانوں میں سے ایک معذرت خواہانہ طبقہ کا خیال ہے کہ اسلام میں دفاعی قتال ہے لیکن اقدامی قتال سے متعلق تعلیمات موجود نہیں ہیں۔ مولانا فضل محمد لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں قرآن وحدیث اور تاریخ صحابہؓ کی روشنی میں یہ مسئلہ باعث الجھن نہیں ہے اور نہ ہی اس کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آ رہی ہے۔ ہر ذی علم اور ذی عقل مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام میں اگر دفاعی جنگ ہے تو اسلام میں اقدامی جنگ بھی ہے۔ حقیقت میں جہاد کے متعلق جو احکامات اور اعلانات ہیں وہ تو صرف اقدامی جہاد سے متعلق ہیں۔ ہاں اگر کوئی مجبوری کی صورت پیش آ گئی ہو اور وہاں دفاع کا حکم دیا گیا ہو۔ آغاز اسلام میں ایک حد تک دفاعی جنگ کا حکم ملا ہو تو وہ ایک معروضی اور وقتی حکم ہوگا۔ ورنہ قرآن عظیم کا عمومی کلام تو اس بات پر واضح رہنمائی کر رہا ہے کہ ایک بہادر اور نڈر مسلمان کے لئے میدان جنگ میں اقدام ہی اقدام ہے''۔ (۴)

قرآن مجید میں قتال کا حکم :

قرآن مجید کی متعدد آیات میں قتال فی سبیل اللہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ۲:۱۹۳)

اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

اسی طرح قرآن مجید کی دوسری آیت میں حکم ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال۸:۳۹)

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب اللہ کا ہو جائے

کفار سے جنگ کرنے کے بارے میں جامع حکم دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۳) جہاد اقدامی یا دفاعی، ص:۹

(۴) دعوت جہاد، ص:۳۹۳

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبه ۹:۲۹)

تم ان لوگوں سے لڑو جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور نہ یوم آخرت پر اور نہ حرام جانتے ہیں وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

وہ کافر جو مومنوں کے قریب ہیں ان سے لڑنے اور سختی دکھانے کا حکم دیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (التوبة۹: ۱۲۳)

اے مومنو! اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں

کفار کی اجتماعی لڑائی یا جنگ کے جواب میں مسلمانوں کو اجتماعی قتال کرنے کا حکم دیا گیا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً (التوبة ۹:۳۶)

اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں

کفر کے اماموں سے جنگ کرنے کے بارے میں فرمایا:

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (التوبة ۹:۱۲)

سو کفر کے سرداروں سے جنگ کرو، بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آجائیں۔

اہل ایمان اللہ کی راہ میں جبکہ کفار شیطان اور طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۔(النسآء ۴:۷۶)

ایمان لانے والے اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں اور کافر لڑتے ہیں طاغوت کے راستہ میں سو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے

مومن اللہ سے امید رکھتا ہے جبکہ کافر اللہ سے امید نہیں رکھتا، اس لئے کفار کا تعاقب کرنے میں ہمت نہ ہارو۔ ارشاد الٰہی ہے :

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النسآ ۴:۱۰۴)

اور کفار کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو بے شک انہیں بھی

دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے اور تم اللہ سے امید رکھتے ہو جو وہ امید نہیں

رکھتے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں کفر اور اس کے فتنے ہوں وہاں اعلان جہاد کے بعد اقدامی طریقے سے حملہ آور ہونا ضروری ہے۔ اس سے کفر، شرک اور نفاق کا خاتمہ ہوگا اور اللہ کی زمین پر اللہ کا عادلانہ نظام قائم ہو جائے گا۔ انسانوں کو اپنی اور شیطان کی عبادت پر لگانے والے نظام ذلیل ہو کر جزیہ دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یا اسلام کو قبول کر لیں گے۔

اقدامی قتال کے عقلی و نقلی دلائل:

لیکن اس کے برعکس جب بعض کفار پسند مسلمانوں نے دیکھا کہ اسلام واضح طور پر جہاد کا حکم دیتا ہے اور جہاد کے انکار پر کفر کا اندیشہ ہے تو انہوں نے کہا کہ اسلام میں جہاد تو ہے لیکن اقدامی اور ھجومی نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کافر ہم سے نہیں لڑتے تو ہم کیوں لڑیں ؟ اس کا سادہ جواب تو یہ ہے کہ مسلمان یہ کہنا شروع کر دیں کہ کافر جب نماز نہیں پڑھتے تو ہم کیوں پڑھیں؟ کافر جب روزہ نہیں رکھتے تو ہم کیوں رکھیں؟ کافر جب حج نہیں کرتے تو ہم کیوں کریں؟ کافر جب جہاد نہیں کرتے تو ہم کیوں کریں؟

ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مذہب نے ہمیں جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس حکم کو دیکھنا ہے یہ نہیں دیکھنا کہ کافر لڑ رہا ہے یا نہیں لڑ رہا ۔ کافر ہمیشہ مسلمانوں سے لڑنے کی اور انہیں دین سے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی حقیقت کے بارے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرہ ۲:۲۱۷)

وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر وہ کر سکیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں

اللہ کے رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیے گئے۔ ان کا مقصد دفاع نہیں بلکہ دین اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرنا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

اس غلبہ پر کسی کو اعتراض ہے تو بے جا ہے یا اس کی عظمت اور رفعت پر کوئی جل مرنا چاہتا ہے تو اعلان ہے **موتوا بغیظکم** اپنے غصے کی وجہ سے مر جاؤ۔ اگر کسی کو اسلام کے غلبے پر ناگواری ہوتی ہے تو اس کی پرواہ نہیں۔ **ولو کرہ الکافرون ۔ولو کرہ المشرکون ۔**

نزول قرآن کے بعد نبی اکرمؐ کفار کو قرآن مجید پڑھ کر سنا رہے تھے۔ ان کے شرکیہ اور کفریہ عقائد کو باطل قرار دے رہے تھے۔ ان کو للکار رہے تھے۔ انہیں باطل کو ترک کر کے حق کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ اس وقت اسلحہ کی اجازت نہیں تھی لیکن مریض اور مرض کا علاج ہو رہا تھا۔ ان کے باطل معبودوں کی نفی کی جا رہی تھی اور عابد و معبود دونوں کو جہنم میں جلائے جانے کا پیغام دیا جا رہا تھا۔ یہ سب اسلام کی تعلیمات اور فرامین نبویؐ اقدام نہیں تو اور کیا ہیں؟

درج بالا تمام آیات کیا اقدامی قتال پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی کئی آیات ہیں جن میں کفار سے لڑ کر اسلام کو غالب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور خاص کر آیت جزیہ کا یہ حصہ اقدامی قتال کا آئینہ دار ہے

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ ۲۹:۹)

یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر اموال غنائم اور ان کی تقسیم کا تذکرہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دفاع میں غنائم ہاتھ آتے ہیں؟ کیا دفاع میں بھاگتے وقت کفار کا چھوڑا ہوا مال اس قابل ہے کہ اس میں سے خمس، بیت المال، مجاہدین، مال فیٔ، مال غنیمت الگ الگ تقسیم کیا

جا سکے۔ مال کے علاوہ قیدی حاصل ہوتے ہیں۔ پھران قیدیوں کے مسائل ہیں، جن سے ثابت ہے کہ لامحالہ یہاں اقدام ہی مراد ہے۔

اگر اسلام میں صرف دفاعی قتال ہے تو پھر قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام میں فتوحات کا ذکر اوران پر بشارتیں کیوں موجود ہے؟ فتح مکہ سے قرآنی اوراق مزین کیوں ہیں؟ حدیث میں فتح قسطنطنیہ کا ذکر کیوں ہے؟ اسلامی تاریخ کے صفحات بیت المقدس، مصر، عراق اور اندلس کی فتوحات سے کیوں روشن ہیں؟ غرض جب اقدامی قتال نہیں تو کسی مقام کے فتح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کافر مرد یا عورت کو گرفتار کر کے غلام یا لونڈی بنانے کا باب ہی ختم ہو جائے گا۔

غزوہ احزاب سے جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا:

الآن نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم (۵)

اب ہم ان پر حملہ کرتے ہیں اور وہ ہم پر حملہ نہیں کرتے اور
ہم ان کی طرف چل پڑتے ہیں۔

یعنی اب ہم جا کران سے اقدامی طور پر لڑیں گے۔ وہ اب ہم پر چڑھائی اور اقدام نہیں کریں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ جب صحابہ کو کسی جہادی مہم پر فوج روانہ کرتے تو ان کے امیر کو نیکی اور تقوی کی وصیت کر کے فرماتے:

اغزوا باسم الله فی سبیل الله قاتلوامن کفر بالله (٦)

اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں حملہ کرو اوراس سے لڑو جس نے اللہ کا انکار کیا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے خطوط ہیں جن میں آپؐ نے دور دراز کے کفار کو دعوت دی ہے اور اسلام قبول کرنے میں ہی عافیت بتلائی ہے۔

فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم (٧)

سو میں تجھے اسلام کی شہرت کے ساتھ دعوت
دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ تم سلامت رہو گے۔

یعنی میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں ایمان لے آؤ بچ جاؤ گے۔ ورنہ تمہارا بچنا بہت مشکل ہے۔ یہ خطوط قیصر روم، مقوقس، نجاشی، خسرو پرویز وغیرہ کو لکھے گئے اور ساتھ دھمکی بھی دی گئی تو کیا یہ اقدام نہیں ہے؟ پھر انہیں خطوط کی بنیاد پر صحابہ کرامؓ نے شام، مصر اور ایران پر فتح حاصل کی۔

یہ تاثر غلط ہے کہ کفار تجاوز نہیں کرتے۔ تاریخ گواہ ہے کہ غیر مسلموں نے ہم سے اندلس چھین لیا۔ کشمیر وفلسطین پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ کوسوو اور بوسنیا کے مسلمانوں کو کفار نے نشانہ بنایا۔ افریقہ کے کئی مسلم ممالک مسلمانوں سے چھین لئے گئے۔ ہندوستان مسلمانوں سے چھینا گیا۔ روس نے مسلم علاقوں کو ختم کر دیا۔ مسلمانوں نے تو ان جارحیتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اب امریکہ نے تمام مسلم حکمرانوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ جو قومیں اقدام کی طاقت نہیں رکھتیں وہ دفاع کی طاقت سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔

---

(۵) صحیح بخاری ،کتاب المغازی ،باب غزوہ خندق وھی الاحزاب ،رقم:٣٨٨۴

(٦) صحیح مسلم ،کتاب الجهاد والسیر ،باب تامیر الامام الامراء علی البعوث.....رقم:١٧٣١

(٧) صحیح بخاری ،کتاب تفسیر القرآن ،باب قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة....رقم:۴٢٧٨

غزوہ احد اور خندق کے علاوہ نبیؐ اکرم کے تمام غزوات اقدامی نوعیت کے تھے۔ غزوہ بدر میں قریش کا تعاقب کی گیا۔ غزوہ خیبر میں یہود پر چڑھائی کی۔ غزوہ فتح مکہ میں مکہ پر دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ حملہ کیا۔ غزوہ حنین اور طائف پر حملہ کیا گیا۔ غزوہ تبوک میں ایک عظیم لشکر کے ساتھ سلطنت روما سے ٹکر لی۔ ان غزوات کو دفاعی جنگیں قرار دینا بعید تاویل ہوگی۔

اقدامی قتال کے منکرین کا کہنا ہے چونکہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں سے لڑنے کے خفیہ ارادے تھے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے خفیہ منصوبے تھے، اس لئے نبی اکرمؐ نے پہل کر کے دفاع کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دلوں کا ارادہ دفاع نہیں کہلاتا۔ دفاع سے مراد ہے کہ کفار نے اسلامی مرکز پر حملہ کیا ہو یا اپنے علاقوں سے نکل کر مرکز اسلام کی طرف پیش قدمی کی ہو۔ پھر مسلمانوں نے اس حملے یا پیش قدمی کا دفاع کیا ہو۔ یہ اصل دفاع ہوگا۔ گھروں میں بیٹھ کر دل میں دشمنی کر لینا اقدام نہیں کہلاتا کہ اس کا دفاع کرنا دفاعی جنگ کے نام سے یاد کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

> ''آج کل مغرب اقدامی جہاد کو''توسیع پسندی'' کا نام دے کر اسے بری نگاہ سے دیکھتا ہے اور لوگوں نے خیر و شر کے پیمانے اس عالمگیر پروپیگنڈے کی بنیاد پر بنا لئے ہیں جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا کر ذہنوں میں اتار دیتا ہے اور اس حد تک اتار دیتا ہے کہ غیر مسلموں کی بات تو الگ رہی خود مسلمان اس سے مرعوب ہو کر اپنے دین و مذہب کے احکام میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں۔''(۸)

غیر مسلم حکومت کی طرف سے تبلیغ کی اجازت اور اقدامی قتال:

اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے ملک میں تبلیغ کی اجازت دے تو کیا اس کے خلاف جہاد کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی غیر مسلم حکومت کے خلاف بھی جہاد کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> ''ایسی غیر مسلم حکومت (جو اپنے ملک میں تبلیغ کی اجازت دے) کے ساتھ جہاد کرنا جائز ہے۔ کیونکہ تبلیغ اسلام کے راستے میں رکاوٹ صرف اسی کا نام نہیں کہ غیر مسلم حکومت تبلیغ پر قانونی پابندی عائد کر دے بلکہ کسی غیر مسلم حکومت کا مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ پر شوکت ہونا بذات خود دین حق کی تبلیغ کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہے۔ آج دنیا کے اکثر ممالک میں تبلیغ پر کوئی قانونی پابندی عائد نہیں۔ لیکن چونکہ دنیا میں ان کی شوکت اور دبدبہ قائم ہے اس لئے اسی شوکت اور دبدبے کی وجہ سے ایک ایسی عالمگیر ذہنیت پیدا ہوگئی ہے جو قبول حق کے راستے میں تبلیغ پر قانونی پابندی لگانے سے بڑی رکاوٹ ہے۔''(۹)

لہذا کفار کی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کو ختم کرنا جہاد کا اہم ترین مقصد ہے۔ اس شان و شوکت کی وجہ سے نفسیاتی مرعوبیت کا خاتمہ ہوگا اور حق کو قبول کرنے کی راہ ہموار ہوگی۔ کفر کے اس غلبہ اور شوکت سے لوگوں کے دل مرعوب ہو جائیں گے اور وہ دین حق کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ نہیں ہو سکیں گے، لہذا جہاد جاری رہے گا۔ آیت جزیہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

---

(۸) جہاد اقدامی یا دفاعی، ص:۲۵

(۹) جہاد اقدامی یا دفاعی، ص:۱۵

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ ۹:۲۹)

تم ان لوگوں سے لڑو جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور نہ یوم آخرت پر اور نہ حرام جانتے ہیں وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

اس آیت میں قتال اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کفار چھوٹے یا ماتحت ہو کر جزیہ ادا نہ کر دیں۔ اگر قتال کا مقصد تبلیغ کی اجازت ہوتا تو فرمایا جاتا کہ جب تک وہ تبلیغ کی اجازت نہ دے دیں۔ لیکن جزیہ واجب کرنا اور اس کے ساتھ ذلیل ہونے کا ذکر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقصد ان کی شان وشوکت کو ختم کرنا ہے۔ کفر کے سیاسی غلبے سے دل ودماغ پر مرعوبیت کے پردے ہٹ جائیں اور عام لوگوں کو محاسن اسلام پر غور کرنے کا موقع حاصل ہو۔ امام فخر الدین رازیؒ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

''جزیہ کا مقصد کافروں کو کفر پر باقی رکھنا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی جان بچا کر اسے ایک مدت تک مہلت دی جائے۔ جس میں یہ امید ہو گی کہ وہ اسلام کے محاسن اور اس کے مضبوط دلائل سے واقف ہو کر کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہو سکے گا۔ پس جب کافر کو ایک مدت تک مہلت دی جائے گی، جبکہ وہ اسلام کی عزت کا مشاہدہ کر رہا ہو گا۔ اس کی صحت کے دلائل سن رہا ہو گا اور کفر کی ذلت دیکھ رہا ہو گا تو ظاہر ہے کہ یہ باتیں اسے اسلام کی طرف منتقل ہونے پر آمادہ کریں گی۔ درحقیقت یہ جزیہ کی مشروعیت کا مقصد ہے۔''(۱۰)

دوسری قابل فکر بات یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ نبی مکرم ﷺ یا آپؐ کے خلفاء نے دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے سے پہلے کوئی تبلیغی مشن بھیجا ہو۔ پھر اس بات کا انتظار کیا ہو کہ کیا یہ لوگ تبلیغی کام کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ تبلیغی مشن کو کام نہ کرنے دینے پر جہاد کیا ہو۔ روم وایران پر حملے سے پہلے جہاد کے بغیر صرف تبلیغ سے کام چلانے کو بہتر سمجھا گیا ہو۔ ظاہر ہے ان سب کا جواب نفی میں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صرف تبلیغ کی اجازت کا حصول مقصد نہیں تھا۔ اگر یہی مقصد ہوتا تو بہت سے خونریز معرکوں میں صرف یہ شرط لگا کر جنگ بندی کر دی جاتی کہ مسلمانوں کو تبلیغ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔

اس کی بجائے جنگ قادسیہ کے موقع پر مسلمانوں نے اپنے قتال کا جو مقصد بتایا تھا وہ یہ تھا

اخراج العباد من عبادة العباد الی عبادة اللہ (۱۱)

بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لانا

---

(۱۰) مفاتیح الغیب ۲۶۰/۴

(۱۱) الکامل، لابن اثیر ۱۷۸/۲

(۲) دفاعی قتال :

دفاعی قتال سے مراد ہے کہ کفار نے اسلامی ریاست، ملک یا علاقے پر حملہ کیا ہو یا اپنے علاقوں سے نکل کر مرکز اسلام کی طرف پیش قدمی کی ہو۔ پھر مسلمانوں نے اس حملے یا پیش قدمی سے دشمن کو روکا ہو۔ امام ابن تیمیہؒ دفاعی قتال کو ایک اہم مذہبی فریضہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دفاعی قتال یعنی اپنے دین اور حرمت کے دفاع کے لئے لڑنا، یہ اجماعی طور پر ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ وہ دشمن جو مسلمانوں کے دین اور دنیا کو تباہ کرنے کے لئے حملہ آور ہوا ہے، ایمان کے بعد اس کے ساتھ لڑنے سے بڑا اور کوئی فریضہ نہیں۔ اس دفاعی جہاد کے لئے کوئی چیز شرط نہیں۔ یعنی توشہ اور سواری تک شرط نہیں بلکہ ہر ایک دشمن کا مقابلہ کرے''۔(۱)

فقہائے کرام کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

> ''دفاعی جہاد صرف اس وقت فرض نہیں ہوتا جس وقت کافر حملہ کر دیں بلکہ جب کافر مسلمانوں سے سفر کی مسافت (تقریباً ۴۸ میل) جتنی دوری پر ہوں تو اسی وقت اس شہر کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے''۔(۲)

دفاعی قتال کی غرض وغایت:

اسلام میں دفاعی قتال کی غرض وغایت یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین، اپنی ریاست اور اپنے قومی وجود کو کسی حال میں بھی کفر، شرک، نفاق اور برائی سے مغلوب نہ ہونے دیں۔ ہر اس شر کو جو ان کے خلاف اندر یا باہر سے اٹھے، اس کو ختم کرنے کے لئے تیار رہیں۔ خدمت اسلام کے لئے مسلمانوں اور ان کی قومی وسیاسی طاقت کا فتنوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے۔ وہ اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے غفلت برت کر تباہ شدہ اقوام جیسی اجتماعی امراض کا شکار نہ ہو جائیں۔ ذلت ومسکنت اور غضب الٰہی سے بچانے کے لئے ان کو وضاحت کے ساتھ ان دشمنوں کی علامات بتائی گئی ہیں جو ان کی تباہی کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دشمن کا جسم کاٹنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ ہدایت کے چراغ کو بجھانے اور اصلاح انسان کے عظیم عمل میں رکاوٹ بننے کے قابل نہ رہے۔

قرآن مجید میں صرف اس وقت کفار سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا جب وہ ایک طاقت بن کر زمین میں فتنہ اور فساد پھیلانے لگ جائے بلکہ اس کے خلاف ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کافر مرعوب ہو جائیں اور ان کے ہر قسم کے دشمن پر حق کی شان وشوکت اور غلبے کا خوف طاری رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال ۸:۶۰)

---

(۱) سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، ۳۶

(۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، ۳۶

اوران کے لئے تیار رکھو جو تم سے ہو سکے قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے، اس سے
تم دھاک بٹھاؤ اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا تم انہیں
نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ حفاظت دین اور مدافعت دیار اسلام کا حکم ایسا سخت ہے کہ جب کوئی قوت اسلام کو مٹانے اور اسلامی نظام کو فنا کرنے کے لئے حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے مقابلہ کے لئے نکل آئیں اور جب تک اسلامی نظام اور اسلام کو اس خطرہ سے محفوظ نہ کرلیں چین سے نہ بیٹھیں۔''(۳)

﴿دفاعی قتال کی انواع﴾

(۱) ظلم وتعدی کا جواب:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌO اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج ۲۲:۳۹،۴۰)

ان لوگوں کو اذن (جہاد) دیا گیا کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بے شک اللہ ان کی مدد پر ضرور قدرت رکھتا ہے۔ جو لوگ اپنے شہروں سے ناحق نکالے گئے، صرف (اس بنا پر) کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

وَقَاتِلُوْا فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ O وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقره ۱۹۰،۱۹۱)

اور تم اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں اس جگہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔

ان دونوں آیات سے درج ذیل احکام معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور ان پر ظلم وستم کیا جائے تو ان کے لئے مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے۔

۲۔ جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار چھینیں ان کے حقوق سلب کریں اور انہیں ان کی ملکیتوں سے بے دخل کریں ان کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ

---

(۳) سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، ۳۶

کرنی چاہیے۔

۳۔جب مسلمانوں پران کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے اورانہیں محض ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کے لئے اپنی مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرنا جائز ہے۔

۴۔دشمن غلبہ کر کے جس سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دے یا مسلمانوں کے اقتدار کو وہاں سے مٹادے اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیےاور جب کبھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہوانہیں ان تمام مقامات سے مدشمن کو نکال دینا چاہیے جہاں سے اس نے مسلمانوں کو نکالا ہے۔(۴)

(۲) راہ حق کی حفاظت :

سورہ انفال میں جن کفار کے خلاف جنگ جنگ کرنے اوران کی جڑ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہےان کا ایک جرم یہ بتایا گیا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ (الانفال۸:۳۶)

بے شک کافر اپنا مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ کے راستہ سے روکیں سو اب وہ خرچ کریں گے ،پھر ان پر حسرت ہو گی پھر وہ مغلوب ہوں گے ۔

اسی سورہ میں قریش کا وہ منظر بیان کیا گیا ہے جب وہ غزوہ بدر کے لیے نکلے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانفال۸:۴۷)

اورتم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے اور لوگوں کے دکھاوے کو اور اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے۔

سورہ توبہ میں وہ مشرکین جن سے لڑنے کا حکم دیا گیا تھا،ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے:

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (التوبہ۹:۹)

انہوں نے اللہ کے احکام تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالے پھر انہوں نے اس کے راستے سے روکا بے شک برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اسی طرح اہل کتاب کے جرائم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ(التوبہ۹:۳۴)

اے مومنو!بے شک بہت سے علماءاور درویش لوگوں کے مال ناحق طور پر کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

---

(۴) سیدابوالاعلی مودودی، الجہاد فی الاسلام، ۳۶

سورہ محمد میں مزید وضاحت کے ساتھ فرمایا

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ (محمد۴۷:۱)

جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستے سے روکا ان کے اعمال اللہ نے اکارت کر دئے

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا (محمد۴۷:۴)

پھر جب تم کافروں سے لڑ جاؤ تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کی خوب خونریزی کر چکو تو ان کی قید مضبوط کر لو پس اس کے بعد یا احسان کر دو یا معاوضہ (لے کر چھوڑ دو) یہاں تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار رکھ دیں ۔

درج بالا تمام آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ سے روکنا ایسا جرم ہے جس کے خلاف جنگ ضروری ہے۔ اللہ کی راہ سے مراد دین حق ہے جس کو قرآن مجید میں صراط مستقیم بھی کہا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کی انتہائی خوبی ہے کہ دین کو راستہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا دین اسلام ایک راستہ ہے جو سیدھا منزل تک لے جاتا ہے۔ اس راستے پر شیطان اور اولیائے شیطان رہزنی کرتے ہیں۔ قرآن مجید سبیل اللہ اور سبیل رب کے الفاظ ایسے نہیں جن کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہو۔ جب کوئی چور یا ڈاکو رہزنی کرے تو انسان کے لئے اپنا دفاع لازمی ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مسلمان کے لئے اپنے دین کا دفاع فرض عین ہو جاتا ہے جب کفار اس سے اس کا دین چھیننا چاہتے ہیں۔ اگر یہ جرم اعلیٰ سطح کا ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے دفاع کے لئے اس کافرانہ حکومت سے نمٹنے کے لئے اقدام کریں۔

(۳) منافقین سے دفاع:

ریاست مدینہ میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ خطرہ اندرونی دشمنوں سے رہا ہے۔ قرآن میں ان کے لئے منافق کا لفظ جبکہ حدیث میں ''ذوالوجہین'' دورخا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عہد نبویؐ میں منافق اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے اور انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہ جانے دیتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سازشوں کے لئے ایک مسجد ضرار یعنی تکلیف پہنچانے والی مسجد تعمیر کی۔ اللہ کے رسولؐ کو اس مسجد کے مقصد سے آگاہ کیا گیا اور آپؐ نے اس مسجد کو مسمار کرا دیا۔ غزوہ احزاب میں انہوں نے پورے عرب کو مسلمانوں کے خلاف لا کھڑا کیا۔ چنانچہ غزوہ بنو قریظہ میں ان کو اس بدعہدی کی سزا دی گئی۔ اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان منافقین کے ساتھ بھی جنگ کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (التوبۃ ۹:۷۳)

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ پلٹنے کی بری جگہ ہے ۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِھِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْھَآ اِلَّا قَلِیْلًا مَّلْعُوْنِیْنَ

اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا (الاحزاب ۳۳:۶۰)

اگر منافق اور وہ لوگ باز نہ آئے جن کے دلوں میں مرض ہے اور شہر میں افواہیں پھیلانے والے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ آپ کے پڑوس میں زیادہ دیر نہیں رہ سکیں گے لعنت کئے گئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور بری طرح قتل کئے گئے۔

ایک اور آیت میں منافقین کی مسلمانوں کے بارے خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا:

وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ کَمَا کَفَرُوۡا فَتَکُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِیَآءَ حَتّٰی یُهَاجِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا (النساء ۴:۸۹)

وہ چاہتے ہیں کاش تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم برابر ہو جاؤ پس تم ان میں سے (کسی کو) دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو جہاں کہیں انہیں پاؤ پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے (کسی کو) نہ دوست بناؤ نہ مددگار۔

ایک اور جگہ منافقین کے بارے میں یہ حکم نازل فرمایا

سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّاۡمَنُوۡکُمۡ وَیَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ کُلَّ مَا رُدُّوۡۤا اِلَی الۡفِتۡنَةِ اُرۡکِسُوۡا فِیۡهَا فَاِنۡ لَّمۡ یَعۡتَزِلُوۡکُمۡ وَیُلۡقُوۡۤا اِلَیۡکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوۡۤا اَیۡدِیَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاُولٰٓئِکُمۡ جَعَلۡنَا لَکُمۡ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا (النساء ۴:۹۱)

اب تم اور لوگ پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے (بھی) امن میں رہیں اور اپنی قوم سے (بھی) امن میں رہیں جب کبھی فتنہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اس میں پلٹ جاتے ہیں پس اگر تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمہاری طرف نہ ڈالیں (پیغام) صلح اور (نہ) روکیں اپنے ہاتھ تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں تم انہیں پاؤ اور یہی لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلی سند (حجت) دی۔

منافقین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ وہ مسلمانوں کے اندرونی دشمن ہیں اور انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے۔ وہ دشمنوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی منصوبہ بندی میں شریک ہوتے۔ مسلمانوں کی خفیہ تدبیروں منصوبوں اور خبروں کو کفار تک پہنچانے میں دیر نہ کرتے۔ جنگ کے زمانے میں مسلمانوں کے جذبات اور حوصلوں کو پست کرتے۔ میدان جنگ سے بہانے بنا کر فرار ہو جاتے۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بجائے بخل کا اعلیٰ مظاہرہ پیش کرتے۔ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی پوری کوشش کرتے۔ یہ اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے زیادہ خطرناک ہے۔ ان کے ظاہری ایمان کی وجہ سے یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ دفاع اسلام کے لئے ان سے جنگ کرنی چاہیے اور ان کو عبرتناک سزا دینی چاہیے۔

الغرض دفاعی قتال کے تینوں مقاصد بہت اہم ہیں۔ ان مقاصد کے حصول سے کفار کی شان و شوکت ختم ہوگی اور اسلام تیزی سے

پھیل سکے گا۔اسلام امن کا دین ہے اوراس کا دفاع امن کا ضامن ہے۔عہد نبوی میں دفاعی قتال کی بہترین مثالیں غزوہ احداورغزوہ خندق ہیں۔عصر حاضر میں مسلم حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے جغرافیائی اورنظریاتی دفاع کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔

فصل دوم:

مقاصد قتال

(ا) اعلاء کلمۃ اللّٰہ :

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں قتال کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ۲:۱۹۳)

اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

اسی طرح قرآن مجید کی دوسری آیت میں حکم ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال ۸ :۳۹)

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب اللہ کا ہو جائے

ان دونوں آیات میں قتال کا ایک اہم مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ سید ابوالاعلی مودودی لفظ ''دین'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''جب ہم لفظ ''دین'' کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔ اصطلاحا اس سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو کسی کو بالاتر مان کر اس کے احکام وقوانین کی پیروی میں اختیار کیا جائے پس دین کی اس تشریح سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی وفرامانروائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے ، فتنے کی حالت ہے اور اسلامی جنگ کا مطمح نظر یہ ہے کہ اس فتنے کی جگہ ایسی حالت قائم ہو جس میں بندے صرف قانون الٰہی کے مطیع بن کے رہیں۔''(ا)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''خالص حکم اللہ کا ہی چلنے لگے یعنی کفر مغلوب ہو جائے اور اسلام غالب آجائے کہ کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی مجال باقی نہ رہے اور کفر اسلام کے سامنے ہتھیار نہ ڈال دے اور کفر میں اتنی طاقت نہ رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے کسی دینی یا دنیاوی امر میں مزاحمت کر سکے۔۔۔ اس آیت میں جہاد وقتال کی غرض غایت بیان فرمائی کہ جہاد سے مقصد کفر کے فتنے کو ختم کرنا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی زمین پر کفر سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔''(۲)

اب اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

(ا) تفہیم القرآن ا/۱۵۱

(۲) معارف القرآن (ادریس) ۱ /۳۸۵

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اٰل عمران ۳:۱۹)

بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

اسلام کے علاوہ اب کوئی اور دین قابل قبول نہیں:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (ال عمران ۳:۸۵)

اور جو کوئی چاہے گا اسلام کے سوا کوئی اور دین تو اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اس لئے اسلام اور کفر کے لئے لڑنے والے دونوں گروہوں کی راہیں مختلف ہیں:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ۔(النسآء ۴:۷۶)

ایمان لانے والے اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں اور کافر لڑتے ہیں طاغوت کے راستہ میں سوتم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے

مولانا ادریس کاندھلوی ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جہاد وقتال ہو۔قومیت اور وطنیت کی بنا پر نہ ہو'' (۳)

فی سبیل اللہ کی تشریح کے سلسلہ میں ایک حدیث میں ارشاد ہے:

عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال ،سئل رسول اللہ ﷺ عن الرجل :یقاتل شجاعة ویقاتل حمية ويقاتل رياء اى ذلك فى سبيل اللّٰه ؟قال رسول اللہ ﷺ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْن کَلِمَۃَ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ (۴)

حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، رسولؐ اللہ سے سوال کیا گیا ایک آدمی کے بارے میں جو لڑتا ہے بہادری کے لئے اور لڑتا ہے غیرت کے لئے اور لڑتا ہے دکھاوے کے لئے۔ان میں سے کون اللہ کی راہ میں لڑتا ہے؟ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا جو اس (نیت) لئے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو پس وہ اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔

اللہ کی راہ میں قتال اس وقت تک ہوگا جب تک فریق مخالف اسلام قبول نہ کرلے۔جب اسلام قبول کرلے گا تو اب اس کے

---

(۳) معارف القرآن (۱) ۳۸۶/۱

(۴) احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام ،کتاب الجهاد، حدیث من قاتل لِتَکُوْن کَلِمَۃَ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل..،رقم :۴۲۴

ساتھ لڑائی نہیں ہوگی۔ ایک حدیث میں قتال کو قبول اسلام کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے فرمایا:

عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال :اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاس حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصَّلاۃویؤتواالزکاۃ فاذا فعلوا ذلك عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللّٰہ (۵)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پھر جب وہ یہ کرنے لگ گئے تو انہوں نے اپنے خون اور اپنے مال مجھ سے بچا لیے مگر جو اسلام کا حق ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔

خلیل احمد حامدی اہل ایمان کے قتال سے متعلق لکھتے ہیں:

''اہل ایمان کا جہاد وقتال صرف اللہ کے دین کی خاطر ہوتا ہے۔ان کا جہاد ان تمام اوصاف وکمالات کا آئینہ دار ہوگا جو اخلاص اور للھیت کا تقاضا ہیں وہ راہ جہاد میں قدم قدم پر اس امر کا ثبوت فراہم کرتے جائیں گے کہ ان کو کسی دنیاوی متاع اور ناموری کی ضرورت نہیں ہے۔وہ خارجی شیطان کو مارنے سے پہلے اپنے داخلی شیطان کی سرکوبی کریں گے۔اسلامی احکام کی پابندی، آداب جہاد کی رعایت، رفقائے جہاد کی خدمت اور خالص جہاد کے تقاضے پورے کرنے میں ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔اس کے برعکس جو لوگ طاغوت کے راستہ میں لڑتے ہیں ان کی نیت وارادہ سے لے کر ہر جہد وکوشش پر طاغوت کی محبت اور طاغوت کا رنگ غالب ہو گا۔''(۶)

غرض قتال کا ایک اہم اور اولین مقصد اللہ کے کلمہ کی بلندی اور دین اسلام کا غلبہ ہے۔اسی غلبہ کے لئے اللہ نے اپنے رسول حضرت محمدؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کیا۔اسلام غالب آیا اور مشرک، کفار، یہودی، منافق اور عیسائی وغیرہ مغلوب ہو گئے۔

قتال کے معاملے میں یہ نیت رکھنا ضروری ہے کہ میں کوئی ذاتی جنگ نہیں لڑ رہا بلکہ اللہ کے دین کے لئے لڑ رہا ہوں۔میرا مقصد قتل وغارت گری کرنا نہیں بلکہ قتل وغارت گری کو روکنا ہے۔ملکوں کو فتح کرنا، شہرت اور ناموری، بہادری کے جوہر دکھانا، مال غنیمت کا حاصل کرنا، دشمن سے انتقام لینا، کوئی تمغہ یا انعام لے کر عزت یا ترقی حاصل کرنا میرا مقصد نہیں۔ بلکہ میرا مقصد صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے۔بقول شاعر:

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لئے۔۔۔۔اور مرتے تھے تیرے نام کی عظمت کے لئے

---

(۵)صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ فخلوا سبیلھم، رقم:۲۵

(۶) جہاد اسلامی، ۳۸

(۲) فتنے کا سد باب :

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں قتال کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ (البقرہ۲:۱۹۳)

اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

فتنہ سے مراد اکثر مفسرین نے شرک کا فتنہ لیا ہے۔ بعض نے اس سے مراد کفر لیا ہے۔ پھر ان کفر اور شرک کے پیروکاروں کا مومنوں کو تکلیف دینا مراد ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ''**الفتنة اشد من القتل**'' کی تفسیر میں فتنہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں فتنے کا لفظ ان معنی میں استعمال ہوا ہے جن میں انگریزی لفظ Persecution استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ بلاشبہ انسانی خون بہانا بہت برا فعل ہے۔ لیکن جب کوئی انسانی گروہ زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کرے اور لوگوں کو قبول حق سے بجز روکنے اور اصلاح وتغیر کی جائز ومعقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کی بجائے حیوانی طاقتوں سے کرنے لگے تو وہ قتل کی نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے ۔ ایسے گروہ کو بزور شمشیر ہٹا دینا بالکل جائز ہے۔''(۷)

مولانا ابوالکلام آزاد فتنہ کے خاتمہ کے لئے جنگ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جنگ برائی ہے لیکن فتنے کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت برائی ہے۔ پس ناگزیر ہوا کہ فتنے کے ازالے کے لئے جنگ کی حالت گوارا کر لی جائے۔ قریش مکہ کا فتنہ یہ تھا کہ جبر وقہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسے حق نہ سمجھیں۔ یعنی دین واعتقاد کی آزادی مفقود ہو گئی تھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ فتنے کے انسداد کے لئے جنگ کی برائی گوارا کر لی جائے۔(۸)

امام قرطبیؒ نے ''**وقاتلوهم**'' کی تشریح میں لکھا ہے:

امر بالقتال لكل مشرك فى كل موضع على من رآها ناسخة ومن راها غير ناسخة قال المعنى قاتلوا هولاء الذين قال الله فيهم فان قاتلوكم والاول اظهر وهو امر بقتال مطلق لا بشرط ان يبدا الكفار ۔(۹)

''قتال کا حکم ہر مشرک کے لئے ہر جگہ پر ہے۔ جس نے اسے ناسخ دیکھا اور جس نے اسے غیر ناسخ دیکھا کہا: مراد ان لوگوں سے لڑو جن کے بارے میں اللہ نے کہا'' پھر اگر وہ تم سے لڑیں''۔ اور پہلا زیادہ واضح ہے اور وہ قتال کا مطلق حکم ہے اس شرط کے بغیر کہ

---

(۷) تفہیم القرآن ۱/۱۵۱

(۸) ترجمان القرآن ۱/۲۷۲

(۹) الجامع لاحکام القرآن ۲/۳۵۳

کفار ابتدا کریں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آیت بالا کے تحت لکھتے ہیں:

کافروں سے لڑائی اس لئے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور کسی کو دین سے گمراہ نہ کرسکیں۔(۱۰)

فتنہ وفساد کا ختم کرنے کا یہ حکم کفار اور مشرکین سے جنگ کی صورت میں ہوگا۔مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں نہیں ہوگا ۔صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو گھیر کر کہا کہ لوگ تو مرکٹ رہے ہیں۔آپؓ حضرت عمرؓ کے صاحب زادے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔کیوں اس لڑائی (قصاص عثمانؓ) میں شامل نہیں ہوتے؟ آپؓ نے فرمایا: سنو اللہ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔انہوں نے کہا جناب باری کا یہ فرمان نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔آپؓ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا۔لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔(۱۱)

(۳) جارحیت کا جواب :

جارحیت کا جواب دینے کے سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت رہنمائی کرتی ہے:

وَقَاتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ وَقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ ۲:۱۹۰،۱۹۱)

اور تم اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔اور انہیں مار ڈالو جہاں انہیں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے۔

حضورؐ اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپؐ سے لڑتے تھے۔جو آپ سے لڑائی نہ کرتے آپؐ بھی ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے۔یہاں تک کہ سورہ توبہ نازل ہوئی۔اس آیت سے جارحیت کا جواب دینا ثابت ہے۔ان لوگوں سے ضرور لڑو جو تم سے لڑنے کے لئے آ گئے ہیں۔لیکن اسلامی تعلیمات جنگ کے مطابق تمام احکام و آداب قتال کا خیال رکھتے ہوئے جنگ کرنی ہے۔ان سے زیادتی یعنی اللہ کی نافرمانی نہیں ہونی چاہیے۔صرف ان کی جارحیت کا جواب دینا مقصود ہو۔اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ وہ آئندہ اسلام اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہیں پہنچا سکیں گے۔اس کے علاوہ جنگ میں بھی مساوات کا درس دیا۔جس طرح کا وہ سلوک کریں تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔اگر وہ تمہیں قتل کریں تو تم بھی ان کو قتل کرو۔اگر وہ تمہارے گھر جلائیں یا تمہیں ہجرت پر مجبور کریں تو تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔کفار کی جارحیت اور زیادتی سے بڑھ کر جواب دینا جائز نہیں۔اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتے۔

حد سے نہ بڑھنے سے مراد یہ بھی ہے کہ اللہ کی رضا کے بغیر جنگ میں قتل کیا جائے اور بلا وجہ لوگوں کو مارا جائے۔اور ان لوگوں سے لڑائی نہ کی جائے جو مسلمانوں کے ساتھ لڑائی نہیں کرتے۔امام قرطبیؒ نے اسے تمام کفار سے قتال کے سلسلہ میں منسوخ بتایا ہے۔اس لئے

---

(۱۰) تفسیر عثمانی ۳۷

(۱۱) تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۰

قتال اسلامی کا بڑا مقصد غارت گر اور حملہ آور کفار کوان کی جارحیت کا جواب دینا ہے۔یہی وجہ ہے کہ غزوہ خندق میں جب تمام کفار عرب مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو اللہ کے رسولؐ نے تمام مسلمانوں کولڑائی میں شامل ہونے کا حکم دیا۔اسی طرح غزوہ تبوک میں جب دشمن کے حملہ آور ہونے کی خبر پہنچی تو تمام صاحب استطاعت مسلمانوں کوخروج کرنے کا حکم دیا۔حالانکہ اس وقت حالات انتہائی سخت تھے۔قرآن مجید میں کفار کواتنی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے جتنی وہ زیادتی یا جارحیت کریں۔

فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَااعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ (البقرہ۲:۱۹۴)

پس جس نے تم پر زیادتی کی تو تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی

(۴) مظلوم مسلمانوں کی امداد :

قتال اسلامی کا ایک بڑا مقصد مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا بھی ہے۔اس سلسلے میں ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِی سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡیَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِیًّا وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِن لَّدُنۡكَ نَصِیۡرًا (النسآء۴:۷۵)

اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے راستے میں نہیں لڑتے کمزور (بے بس) مردوں اور عورتوں اور بچوں (کی خاطر) جو دعا کر رہے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور بنا دے ہمارے لئے اپنے پاس سے حمایتی اور بنا دے ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ میں ایسے کمزور مسلمان رہ گئے تھے جو جسمانی ضعف اور کم سامانی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے۔بعد میں کافروں نے بھی ان کو جانے سے روک دیا اور مختلف طریقوں سے تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ان تکالیف پہنچانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جائیں۔ان میں سے کچھ مسلمانوں کے نام تفاسیر میں ذکر کئے گئے ہیں۔جن میں عبداللہ ابن عباسؓ، ان کی والدہ، سلمہ بن ہشام، ولید بن ولید، ابوجندل بن سہل وغیرہ شامل ہیں۔

ان لوگوں نے ایمانی پختگی کی وجہ سے اسلام پر استقامت دکھائی اور کفار کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکالیف کو برداشت کیا۔اللہ تعالیٰ سے کفار کے ان مظالم سے نجات کی دعائیں بھی جاری رکھیں۔اس آیت میں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کی درخواست کی ایک یہ کہ ہم کو اس بستی سے نکال اور دوسرا یہ کہ ہمارے لئے کوئی مددگار بھیج۔اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قتال کر کے ان کو کفار کے ظلم و جبر سے نجات دلائیں۔

خلیل احمد حامدی لکھتے ہیں:

کسی مسلمان کے لئے قانوناً یا اخلاقاً جائز نہیں ہے کہ دنیا کے کسی خطے کے اندر مسلمان ستائے جا رہے ہوں۔مسلمان عورتوں کی جان وآبرو سے کھیلا جا رہا ہو۔معصوم بچوں کو نشانہ عذاب بنایا جا رہا ہو۔کمزور اور بے بس افراد ظلم کی چکی میں پس رہے ہوں۔درندگی اور بہیمیت کا دور دورہ ہو۔نہ کسی خدا پرست کی جان محفوظ ہو اور نہ خانہ خدا کا احترام باقی

رہا ہو ب۔انسانیت کے وہ تمام حقوق پامال کئے جارہے ہوں جو دنیا کا ہر مذہب وملت انسانوں کو دیتا ہے۔عورتوں کی آبرو، معصوموں کی بوٹیاں، بستیوں کا دھواں اور مسجدوں کی بربادی پکار پکار کر مسلمانوں سے امداد طلب کر رہی ہو۔ایسی حالت میں مسلمانوں کو مظلومین کی حمایت وآزادی کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ورنہ وہ خدا تعالی کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔(۱۲)

(۵) مقبوضہ علاقوں کی واپسی :

اگر کفار مسلمانوں کے علاقے پر قبضہ کرلیں تو انہیں وہاں سے نکالنا اور مسلمانوں کا قبضہ دوبارہ بحال کرنا فرض ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد الہی ہے:

وَقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ(البقرہ ۲:۱۹۱،۱۹۰)

اور انہیں مارڈالو جہاں انہیں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے۔

سورہ بقرہ میں ہی طالوت کی قیادت میں بنی اسرائیل سے جس جنگ کا ذکر ہے وہ بھی مسلمانوں کے علاقے واپس لینے کے لئے لڑی گئی۔اللہ تعالی نے ان مجاہدوں کا قول نقل فرمایا ہے:

وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا(البقرہ ۲:۲۴۶)

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں گے اور البتہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی آل اولاد سے نکالے گئے ہیں۔

قتال کرنے والوں نے اللہ کو اپنا رب مانا جس کی وجہ سے ان پر ظلم کیا گیا اور انہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا۔اللہ تعالی نے انہیں قتال کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُO اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج ۲۲:۳۹،۴۰)

ان لوگوں کو اذن (جہاد) دیا گیا کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بے شک اللہ ان کی مدد پر ضرور قدرت رکھتا ہے۔جو لوگ اپنے شہروں سے ناحق نکالے گئے ،صرف (اس بنا پر) کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔

غرض مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرانا قتال فی سبیل اللہ کا بنیادی مقصد ہے۔کشمیر اور فلسطین کے مسلمان قتال کے ذریعے اپنے علاقوں کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔اس لئے کہ یہ علاقے مسلمانوں کے تھے۔اسرائیل نے فلسطین پر اور ہندوستان نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔

---

(۱۲) جہاد اسلامی ص:۱۱

(۶) اہل ایمان کی آزمائش :

اللہ تعالیٰ قتال کے ذریعے مسلمانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کر کے اس کے دین کو غالب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۴۲)

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو گے اور ابھی اللہ نے معلوم نہیں
کیا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں ۔

یہ آیت دراصل غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں اہل ایمان کو آزمانا مقصود ہے۔جب اسی دنیا میں ہی جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے سامنے نہ آجائیں جنت نہیں مل سکتی۔اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ
رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (آل عمران ۳:۱۴۳)

اور البتہ تم اس سے ملنے سے قبل موت کی تمنا کرتے تھے تو
اب تم نے اسے (موت کو) دیکھ لیا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے تم اس وقت کے انتظار میں تھے کہ تم اپنا صبر، اپنی استقامت اور اپنی بہادری اللہ کی راہ میں دکھاؤ اور شہادت پاؤ۔اب ہم نے تمہیں یہ موقع دیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا مظاہرہ پیش کرو۔

قرآن مجید میں اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ وہ راہ حق میں آزمائے جائیں گے۔ارشاد الٰہی ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت۲۹:۲)

کیا لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ وہ (اتنے پر) چھوڑ دیے جائیں گے کہ انہوں
نے کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔اور وہ نہ آزمائے جائیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ
وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ
وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (التوبۃ ۹:۱۶)

کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (جبکہ) اللہ نے ابھی ان کو معلوم
نہیں کیا تم میں سے جنہوں نے جہاد کیا، اور انہوں نے نہیں بنایا کسی کو اللہ اور اس
کے رسول اور مومنوں کے سوا راز دار اور اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مشروعیت جہاد کی یہاں ایک اور حکمت بیان فرمائی ہے۔یعنی ایمان اور بندگی کے

زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں۔لیکن امتحان کی کسوٹی پر جب تک کسا نہ جائے کھرا اور کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا، جہاد کے ذریعہ سے خدا دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال نثار کرنے کو تیار ہیں۔خدا، اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا راز دار یا خصوصی دوست نہیں بنانا چاہتے۔خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ یہ معیار ہے جس پر مومنوں کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔پھر عمل بھی جو کچھ کیا جائے اس کی خبر خدا کو ہے کہ صدق واخلاص سے کیا یا نمود وریا (دکھاوے) سے کیا۔جیسا عمل ہوگا ادھر سے اسی کے مطابق پھل ملے گا۔''(۱۳)

(۷) اہل ایمان کے دل کی ٹھنڈک :

قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ O وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبة ۹:۱۴، ۱۵)

تم ان سے لڑو (تاکہ) اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں رسوا کرے اور تمہیں ان پر غالب کرے اور مومن لوگوں کے دل ٹھنڈے کرے اور ان کے دلوں سے غصہ دور کرے اور اللہ جس کی چاہے توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا راز بیان ہو رہا ہے کہ خدا قادر تھا جو عذاب چاہتا ان پر بھیج دیتا۔لیکن اس کی منشاء یہ ہے کہ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے۔ان کی بربادی تم آپ کرو تاکہ تمہارے دل کی خوب بھڑاس نکل جائے اور تمہیں راحت وآرام، شادمانی اور کامرانی حاصل ہو۔ یہ بات کچھ انہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام مومنوں کے لئے بھی ہے۔خصوصا خزاعہ کا قبیلہ جن پر خلاف عہد قریش اپنے حلیفوں میں مل کر چڑھ دوڑے۔ان کے دل اسی وقت ٹھنڈے ہوں گے، ان کے غبار اسی وقت ڈھلیں گے جب مسلمانوں کے ہاتھوں کفار نیچے ہوں۔''(۱۴)

جب کبھی حضرت عائشہؓ غضب ناک ہوجاتیں تو آپ ﷺ ان کی ناک پکڑ کر فرماتے: عائشہ! یہ دعا کرو

اللهم رب النبی محمد اغفرذنبی واذهب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن

---

(۱۳) تفسیر عثمانی، ۲۵۱

(۱۴) تفسیر ابن کثیر ۳۲/۲

اے اللہ، نبی محمدؐ کے پروردگار، میرے گناہ بخش اور میرے دل
کا غصہ دور کرا اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا۔(۱۵)

(۸) جزیہ کی وصولی :

جب تک پوری دنیا کے کفار (جو اسلام نہ لانا چاہتے ہوں) ذلیل ہوکر اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کو جزیہ ادا نہ کریں ان سے لڑتے رہنا فرض ہے۔اس سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ ۹:۲۹)

تم ان لوگوں سے لڑو جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور نہ یوم آخرت پر اور نہ حرام جانتے ہیں وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہوکر۔

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اللہ تعالی نے تمام کافروں سے لڑنے کا حکم دیا ہے (جزیہ کے سلسلہ میں) اس خوبی پر اتفاق ہے کہ یہ اہل کتاب کے لیے مخصوص ہے، ان کی کتاب کی تکریم کے ذکر کے ساتھ۔ابن عربی کہتے ہیں میں نے علی بن عقیل کو ایک مجلس میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے سنا، آپ نے کہا: اہل کتاب سے جزیہ اس لئے لیا جائے گا کہ ان کے پاس لکھی ہوئی تورات اور انجیل موجود ہیں۔''(۱۶)

سید ابوالاعلی مودودی 'جزیہ'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''جزیہ بدل ہے اس امان اور حفاظت کا جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جائے گی۔نیز وہ علامت ہے اس امر کی کہ یہ لوگ تابع امر بننے پر رازی رہیں ہاتھ سے جزیہ دینے کا مفہوم سیدھی طرح مطیعانہ شان کے ساتھ جزیہ ادا کرنا ہے۔اور چھوٹے بن کے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں بڑے وہ نہ ہوں بلکہ وہ اہل ایمان بڑے ہوں جو خلافت الٰہی کا فرض انجام دے رہے ہوں۔ابتداء یہ حکم یہودونصاری کے متعلق دیا گیا لیکن آگے چل کر خود نبی کریم ﷺ نے مجوس سے جزیہ لے کر انہیں ذمی بنایا اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق بیرون عرب کی تمام قوموں پر اس حکم

---

(۱۵) تفسیر ابن کثیر ۳۲/۲

(۱۶) الجامع لاحکام القرآن ۱۱۰/۸، ۱۰۹

کو عام کر دیا۔(۱۷)

اس لئے اہل کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ کے حصول کے لئے جنگ کی جائے گی۔ اگر وہ جزیہ دے دیں تو انہیں امان دی جائے گی۔ بصورت دیگر قتال کیا جائے گا۔

(۹) عہد شکنی کی سزا :

اگر کوئی قوم مسلمانوں کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ ڈالے تو اس سے لڑنا فرض ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡـكُفۡرِ‌ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ (التوبۃ ۹:۱۲)

اور اگر وہ اپنی قسمیں توڑ دیں اپنے عہد کے بعد اور تمہارے دین میں عیب نکالیں تو کفر کے سرداروں سے جنگ کرو، بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آ جائیں۔

نبی اکرمؐ نے یہود مدینہ کے ساتھ امن وتعاون کا معاہدہ ''میثاق مدینہ'' کیا۔ جب یہود مدینہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو آپؐ نے پہلے بنو قینقاع اور پھر بنو نضیر کو بھی جلا وطن کر دیا۔ جبکہ بنو قریظہ کے محاصرہ کے بعد ان کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ ۶ ھ میں قریش مکہ سے دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ کیا۔ اس صلح میں کفار مکہ کی طرف سے سخت شرائط کو قبول کیا۔ یہ شرائط مسلمانوں کو بہت زیادہ ناپسند تھیں۔ لیکن جب قریش مکہ نے اس معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ پر اقدام کیا۔ اللہ تعالی نے معاہدہ حدیبیہ کو کفار کی طرف سے توڑے جانے پر ارشاد فرمایا:

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ وَيُذۡهِبۡ غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ‌ ؕ وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ (التوبۃ ۹:۱۴،۱۵)

تم ان سے لڑو (تا کہ) اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں رسوا کرے اور تمہیں ان پر غالب کرے اور مومن لوگوں کے دل ٹھنڈے کرے اور ان کے دلوں سے غصہ دور کرے اور اللہ جس کی چاہے توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اسی طرح سورہ انفال میں عہد شکنی سے متعلق فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ اَلَّذِيۡنَ عٰهَدْتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِىۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ ۝ فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِى الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ۝ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ

(الانفال ۸:۵۵-۵۸)

---

(۱۷) تفہیم القرآن ۲/۱۸۸

بے شک اللہ کے نزدیک سب جانوروں میں سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنا معاہدہ توڑ دیتے ہیں ہر بار اور وہ ڈرتے نہیں۔ پس اگر تم انہیں جنگ میں پاؤ تو انہیں (ایسی سزا دو کہ) ان کے ذریعہ بھگا دو ان کو جو ان کے پیچھے ہیں، عجب نہیں کہ وہ عبرت پکڑیں۔ اگر تمہیں کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا معاہدہ) پھینک دو ان کی طرف برابری پر (برابری کا جواب دو) بے شک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی اس آیت کے ضمن میں کفار کی عہد شکنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اگر کسی قوم سے ہمارا معاہدہ ہو اور پھر وہ اپنی معاہدانہ ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر ہمارے خلاف کسی جنگ میں حصہ لے تو ہم بھی معاہدے کی اخلاقی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں گے اور ہمیں حق ہوگا کہ اس سے جنگ کریں۔ نیز اگر کسی قوم سے ہماری لڑائی ہو رہی ہو اور ہم دیکھیں کہ دشمن کے ساتھ ایک ایسی قوم کے افراد بھی شریک جنگ ہیں جس سے ہمارا معاہدہ ہے تو ہم ان کو قتل کرنے اور ان سے دشمن کا سا معاملہ کرنے میں ہرگز تامل نہ کریں گے، کیونکہ انہوں نے بھی انفرادی حیثیت میں اپنی قوم کے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں رہنے دیا ہے کہ ان کی جان و مال کے معاملے میں اس معاہدے کا احترام ملحوظ رکھا جائے جو ہمارے اور ان کی قوم کے درمیان ہے۔''(۱۸)

(۱۰) مقتولوں کا بدلہ (قصاص) :

اگر کافر مسلمانوں کو قتل کر دیں تو اس کا بدلہ لینا فرض ہے۔ ہاں اگر مسلمانوں کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا ہو تو دینی اخوت کی وجہ سے دیت یا معافی بھی ہو سکتی ہے۔ مگر کافر سے بدلہ لینا فرض ہے سوائے اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی (البقرہ۲:۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کر دیا گیا۔

۶ ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے لیے چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ آپؐ نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ کفار مکہ نے انہیں مشورہ کرنے اور جواب دینے کے لئے روک لیا۔ حضرت عثمانؓ کے دیر تک رکے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے، یہاں تک کہ لوگوں سے معرکہ آرائی کر لیں۔ آپؐ نے ایک درخت کے نیچے چودہ سو صحابہؓ سے قصاص عثمان پر بیعت لی۔ اسی بیعت کا نام ''بیعت رضوان'' ہے۔(۱۹)

---

(۱۸) تفہیم القرآن ۲/۱۵۳

(۱۹) الرحیق المختوم ۴۶۵

اسی بیعت کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لقد رضی الله عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرة (الفتح ۴۸:۱۸)

اللہ مومنین سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

اس کے علاوہ غزوہ موتہ کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حارثؓ بن عمیر ازدی کو اپنا خط دے کر حاکم بصری کے پاس روانہ کیا تو انہیں قیصر روم کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے جو بلقاء پر مامور تھا گرفتار کر لیا اور مضبوطی کے ساتھ باندھ کر ان کی گردن مار دی (شہید کر دیا)۔ یاد رہے کہ سفیروں اور قاصدوں کا قتل نہایت بدترین جرم تھا جو اعلان جنگ کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی تو آپؐ پر یہ بات سخت گراں گزری اور آپؐ نے اس علاقہ پر فوج کشی کے لئے تین ہزار کا لشکر تیار کیا۔(۲۰)

(۱۱) اسلامی ممالک کی سرحدوں کی حفاظت / رباط :

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (آل عمران ۳:۲۰۰)

اے ایمان والو! تم صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور
جنگ کی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

امام راغب اصفہانی ''رباط'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**رَبۡطُ الۡفَرَسُ** کے معنی گھوڑے کو کسی جگہ پر حفاظت کے لئے باندھ دینے کے ہیں۔ اسی سے **رِبَاطُ الۡجَیۡش** ہے یعنی فوج کا کسی جگہ پر متعین کرنا اور وہ مقام جہاں حفاظتی دستے متعین رہتے ہوں اسے رباط کہا جاتا ہے اور **رَبَطۡتُ و رابَطۡتُ** کا مصدر بھی رباط آتا ہے اور **مُرَابَطَةٌ** کے معنی حفاظت کے ہیں۔۔۔۔۔ پس معلوم ہوا کہ **مرابطة** کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی سرحد پر دفاع کے لئے پہرہ دینا اور دوسرے نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنا اور اس میں کوتاہی نہ کرنا''۔(۲۱)

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

مرابطہ لفظ ربط سے بنا ہے جس کے اصل معنی باندھنے کے ہیں۔ اسی وجہ سے رباط اور مرابطہ کے معنی گھوڑے باندھنے اور جنگ کی تیاری کے لئے جاتے ہیں۔ قرآن وسنت میں یہ لفظ دو معنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اول اسلامی سرحدوں کی حفاظت جس کے لئے جنگی گھوڑے اور جنگی سامان کے ساتھ مسلح رہنا لازمی ہے۔ تا کہ دشمن

---

(۲۰) زاد المعاد ۲/۱۵۵

(۲۱) مفردات القرآن ۳۷۶

اسلامی سرحد کی طرف رخ نہ کرے۔ دوسرے نماز باجماعت کی ایسی پابندی کہ ایک نماز کے بعد ہی سے دوسری نماز کے انتظار میں رہے۔ یہ دونوں چیزیں اسلام میں بڑی مقبول عبادات ہیں۔ جن کے فضائل بے شمار ہیں''۔(۲۲)

ابن نحاس ''رباط'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رباط حراسہ کی افضل ترین قسم ہے۔ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے لئے ایسی جگہ پر پہرہ دے جہاں سے مسلمانوں کو دشمن کے حملے کا خطرہ ہو''رباط'' کہلاتا ہے۔ لیکن جہاں دشمن کے حملے کا خطرہ نہ ہو وہ چوکیداری تو ہے، رباط نہیں۔(۲۳)

فقہائے کرام کے نزدیک:

''مرابط فی سبیل اللہ وہ شخص ہے جو سرحدات اسلامیہ میں سے کسی سرحد کی طرف چلا جائے اور کچھ وقت کے لئے اپنے آپ کو دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار رکھے۔''(۲۴)

ابن رشد رباط کی فرضیت پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رباط کی فرضیت مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لئے ہے اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت میرے نزدیک کافروں کا خون بہانے سے زیادہ محبوب ہے۔''(۲۵)

قدیم فقہا نے بھی رباط کے معاملہ میں یہ فرمایا ہے:

جس بستی پر ایک مرتبہ دشمن حملہ کردے اس کی حفاظت چالیس سال تک رباط کے حکم میں ہے۔(۲۶)

(i) رباط کی صورتیں:

تفسیر قرطبی میں رباط کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ کسی جنگ کا خطرہ سامنے نہیں، سرحد مامون ومحفوظ ہے۔ محض حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی نگرانی کرنا ہے، ایسی حالت میں تو یہ بھی جائز ہے کہ آدمی وہاں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنے بسنے لگے اور زمین کی کاشت وغیرہ سے اپنا معاش پیدا کرتا رہے۔ اس حالت میں اگر اس کی اصل نیت حفاظت سرحد کی ہے، رہنا، بسنا اور کسب معاش اس کے تابع ہے تو اس شخص کو بھی رباط فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا، خواہ کبھی جنگ نہ کرنا پڑے۔ لیکن جس کی اصل نیت حفاظت سرحد نہ ہو بلکہ اپنا گذارہ ہی مقصد ہو خواہ اتفاقی طور پر سرحد کی حفاظت کی بھی نوبت آجائے یہ شخص مرابط فی سبیل اللہ نہیں ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سرحد پر دشمن کے حملہ کا خطرہ ہے۔ ایسی حالت میں عورتوں اور بچوں کو وہاں رکھنا درست نہیں۔ صرف وہ لوگ رہیں جو دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔(۲۷)

---

(۲۲) معارف القرآن (ش) ۲/۲۷۴

(۲۳) مشارع الاشواق ۲۳۸

(۲۴) الجامع لاحكام القرآن للقرطبی ۴/۳۲۴

(۲۵) مشارع الاشواق ۲۳۸

(۲۶) مشارع الاشواق ۲۳۸

(۲۷) معارف القرآن (ش) ۲/۲۷۴،۲۷۵

(ii) احادیث میں فضائل رباط :

نبی اکرم ﷺ نے احادیث میں رباط کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔اس سلسلہ میں ارشادات نبوی درج ذیل ہیں:

عن سهل بن سعد رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال رِباَطُ یَوْمٍ فِی سبیل الله خیر من الدنیا وما علیها (۲۸)

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا اللہ کے راستے جہاد میں ایک دن کا پہرہ دنیا اور دنیا میں موجود تمام اشیا سے بہتر ہے۔

عن سلمان قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول رباط یوم ولیلة خیر من صیام شهر وقیامه وان مات جری علیه عمله الذی کان یعمله واجری علیه رزقه وامن الفتان(۲۹)

حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا ایک دن اور رات کا پہرہ ایک ماہ کے روزوں اور تہجد سے افضل ہے اور اگر یہ مرابط اس پہرہ کے دوران مر گیا تو وہ جن نیکیوں میں مشغول تھا وہ ساری نیکیاں ہمیشہ کے لئے جاری رہیں گی نیز اس کو رزق ملنا شروع ہو جائے گا۔اور وہ قبر کے ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

عن فضالة بن عبید رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کل المیت یختم علی عمله الا المرابط فانه ینموا له عمله الی یوم القیامة ویومن من فتان القبر (۳۰)

حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مردہ اپنے عمل کو ختم کر دیتا ہے سوائے اسلامی سرحد کے پہرہ دار کے پس بے شک وہ پہرہ داری اس کے عمل میں قیامت کے دن تک اضافہ کرتی رہے گی اسے قبر کے فتنوں سے محفوظ کرے گی۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے:

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من مات مرابطا وقی فتنة القبر وامن من الفزع الاکبر وغدی علیه وریح برزقه من الجنة وکتب له اجرالمرابط الی یوم القیامة(۳۱)

---

(۲۸)صحیح البخاری ،کتاب الجهادوالسیر،باب فضل رباط یوم فی سبیل الله ،رقم :۲۷۳۵

(۲۹)صحیح مسلم ،کتاب الاماره ،باب فضل الرباط فی سبیل الله ،رقم: ۱۹۱۳

(۳۰)سنن ابی داود ،کتاب الجهاد ،باب فی فضل الرباط ،رقم :۲۵۰۰

(۳۱)مسندامام احمدبن حنبلؒ، رقم:۹۲۴۴

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا جو پہرہ داری کرتے ہوئے مرا وہ قبر کے فتنہ سے بچ گیا اور بڑے خوف سے بے خوف ہو گیا اور اس پر اور ہوا اس کے رزق کے ساتھ جنت سے ہے اور اس کے لیے سرحد کے پہرہ دار کا اجر قیامت تک لکھا جائے گا

نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں رباط کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

حديث ابن عباس رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال عينان لا تمسهما النار عين بكت من خشية الله وعين باتت تحرس فى سبيل الله (۳۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا دو آنکھیں ہیں جنہیں آگ نہیں چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف میں روئی اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں محافظ بن گئی۔

امام قرطبیؒ نے ان احادیث کی تشریح میں لکھا ہے:

''اس طرح کی احادیث سے ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد جن اعمال کا ثواب جاری رہتا ہے ان میں سب سے افضل جہاد کی پہرے داری ہے۔ایک اور حدیث میں حضور اکرمؐ نے جن تین اعمال کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد جاری رہتا ہے وہ ہیں صدقہ جاریہ، علم نافع، نیک اولاد۔ان تینوں کا اجر بے شک مرنے کے بعد جاری رہتا ہے مگر جب یہ چیزیں باقی نہیں رہتیں تو ان کا اجر بھی بند ہو جاتا ہے۔لیکن جہاد میں پہرے داری کا اجر قیامت کے دن تک بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔اس کی حکمت یہ ہے کہ جہاد اور اس میں پہرے داری پورے اسلام اور اس کے تمام اعمال کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔اسلام اور اس کے تمام اعمال قیامت تک جاری رہیں گے اسی طرح جہاد میں پہرے داری کرنے والے کا اجر بھی قیامت تک رہے گا۔''(۳۳)

رباط کے سلسلہ میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (التوبة۹:۵)

مشرکوں کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھو

غرض قتال اسلامی کا ایک اہم مقصد اسلامی ممالک یا علاقوں کی سرحدات کو محفوظ بنانا بھی ہے۔اس سے دشمن کے حملے کو روکا جا سکے گا اور مسلم آبادی والے علاقوں کو تباہ ہونے سے بچایا جا سکے گا۔

---

(۳۲) ترمذی، رقم:۱۶۳۹

(۳۳) مشارع الاشواق ۲۴۱

(۱۲) حصول شہادت :

(i) شہید کا مفہوم :

اللہ کے راستے میں قتل ہونے والے کو شہید کہتے ہیں۔شہید کی تعریف میں علماء اسلام کے مختلف اقول درج کئے جاتے ہیں۔

علامہ جوہری کہتے ہیں:

شہید کو شہید اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے حق میں جنت کی گواہی دی گئی ہے۔(۳۴)

نضر بن شمیل اور امام قرطبی کے نزدیک:

''شہید شاہد کے معنی میں ہے۔شاہد کا مطلب ہے حاضر ہونے والا۔چونکہ شہید کی روح نکلتے ہی جنت پہنچ کر حاضر ہو جاتی ہے جبکہ باقی مسلمان قیامت کے دن جنت جائیں گے''۔(۳۵)

علامہ ابن فارس فرماتے ہیں:

شہید بمعنی قتیل ہے۔اس کو شہید اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں۔(۳۶)

بعض علماء اسلام کے نزدیک:

شہید کو اس لئے شہید کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اوپر یہ گواہی دی کہ میں نے **ان اللــــه اشتـری مـن الـمومنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة** کی خرید وفروخت کے معاہدہ کو پورا کر دیا۔(۳۷)

ابن انباریؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالی اور اس کے فرشتے اس کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔اس لئے اسے شہید کہا جاتا ہے۔(۳۸)

اسی طرح شہید کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے:

اس کی روح نکلتے ہی اس کا اجر ومقام اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔اس وجہ سے اس کو شہید کہا جاتا ہے۔(۳۹)

شہید کو شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک شاہد (گواہ) ہے جو اس کی شہادت کی گواہی دیتا ہے اور وہ خون ہے۔کیونکہ قیامت کے دن شہید جب اٹھے گا تو اس کی رگوں میں سے خون بہہ رہا ہوگا۔(۴۰)

---

(۳۴) مشارع الاشواق، ۴۳۵

(۳۵) مشارع الاشواق، ۴۳۵

(۳۶) مشارع الاشواق، ۴۳۶

(۳۷) دعوت جہاد، ۵۱۲

(۳۸) مشارع الاشواق، ۴۳۶

(۳۹) مشارع الاشواق، ۴۳۶

(۴۰) مشارع الاشواق، ۴۳۶

(ii) شہید کی اقسام :

(۱) شہید کامل :

مولانا فضل محمد صاحب لکھتے ہیں:

> ''جو شخص معرکہ حق و باطل میں مارا جائے یا مسلمانوں کے ہاتھوں ظلماً قتل ہو جائے اور دنیوی اشیاء سے فائدہ اٹھائے بغیر مر جائے تو یہ شہید کامل کہلاتا ہے۔اس پر شہید کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔''(۴۱)

(۲) شہید ناقص :

شہید ناقص کا مطلب یہ ہے کہ اس پر شہداء کے دنیاوی احکام نافذ نہ ہوں گے بلکہ وہ صرف شہیدوں کے ثواب میں شریک ہو سکے گا۔ دنیا میں اس کو غسل دیا جائے گا، کفن دیا جائے گا، نماز جنازہ بالاتفاق پڑھایا جائے گا۔اس قسم کے شہدا کی تعداد حدیث میں اس طرح آئی ہے۔

(۱) پانی میں ڈوبنے والا (۲) آگ میں جلنے والا (۳) پہاڑ وغیرہ سے گر کر مرنے والا
(۴) طاعون سے مرنے والا (۵) دستوں سے مرنے والا (۶) ولادت میں یا نفاس میں مرنے والی
(۷) جہاد میں طبعی موت مرنے والا (۸) طالب علم جو علم کی طلب کرتے ہوئے مر جائے۔(۴۲)

☆۔حضرت فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
شہید چار قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) وہ پکا مومن جو دشمن سے برسر پیکار ہو اور اللہ تعالی کے وعدہ کی تصدیق کرے یہاں تک کہ شہید کر دیا جائے۔یہ وہ شخص ہو گا جس کی طرف قیامت کے روز لوگ اپنا سر اس طرح اٹھا کر دیکھیں گے اور آپ نے اپنا سر اتنا اوپر اٹھایا کہ ٹوپی گر گئی۔راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ٹوپی حضرت عمرؓ کی گری یا نبی کریم ﷺ کی۔

(۲) وہ پکا مومن جو دشمن سے ملے اور بزدلی کی وجہ سے اس کے رونگٹے اس طرح کھڑے ہوں جیسے اس کی کھال پر طلح (کانٹے دار درخت ہے) کے کانٹے مارے گئے ہوں۔اس کے پاس نامعلوم طرف سے تیر آئے اور اسے مار ڈالے۔یہ دوسرے درجے کا شہید ہے۔

(۳) ایسا مومن شخص جس نے اچھے اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے ہوں وہ دشمن کے آمنے سامنے لڑے اور اللہ کے وعدے کو سچا جانے۔یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔یہ تیسرے درجے میں ہے۔

(۴) وہ مومن شخص جس نے (گناہوں کی کثرت کی وجہ سے) اپنے نفس پر زیادتی کی ہو۔وہ دشمن سے لڑے اور اللہ تعالی کے وعدہ اجر وثواب کی تصدیق کرے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے تو یہ شخص چوتھے درجے میں ہو گا۔(۴۳)

☆۔ایک اور حدیث میں جو حضرت عتبہ بن عبد السلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۴۱) دعوت جہاد، ۵۱۲

(۴۲) دعوت جہاد، ۵۱۲

(۴۳) ترمذی، ابواب فضائل جہاد

شہداء تین قسم کے ہیں:

(۱) ایسا مومن جو اپنی جان ومال کے ساتھ اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرے پھر جب دشمن سے ملاقات ہو تو خوب بہادری سے لڑے ۔ یہاں تک کہ شہید ہو جائے ۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : یہ وہ شہید ہے جس کا امتحان لیا گیا ۔ یہ اللہ تعالی کے عرش کے نیچے اللہ تعالی کے خیمے میں ہوگا ۔ اس سے انبیاء کرام صرف نبوت کی وجہ سے برتر ہوں گے ۔

(۲) وہ مومن جس نے اچھے اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے ہوں ۔ وہ اپنے نفس اور مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرے ۔ جب دشمن سے ٹکراو ہو تو لڑے ۔ یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے ۔ اس میں ایک پاک کرنے والی خصلت ہے جس نے اس کے گناہوں اور خطایا کو مٹا دیا ۔ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے اور جنت کے جس دروازے سے چاہے اسے وہاں داخل کر دیا جائے ۔

(۳) منافق جو اپنے نفس اور مال کے ساتھ جہاد کرے ۔ جب دشمن سے سامنا ہو تو خوب لڑے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے ۔ یہ دوزخ میں جائے گا ۔ اس لئے کہ تلوار (یعنی شہادت وجہاد) نفاق کو نہیں مٹاتا ۔ (۴۴)

(۳) شہداء کے فضائل :

اللہ تعالی نے شہید کو اپنے انعام یافتہ بندوں میں شمار کیا ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النسآء ۴:۶۹)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ ہیں ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا (یعنی) انبیا اور صدیق اور شہدا اور صالحین اور یہ اچھے ساتھی ہیں ۔

اس آیت میں اس انعام کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ رب العزت ان کے ساتھ کرتے ہیں یعنی اسے ایسے انعامات اور جزا ملتی ہے جو اللہ تعالی اپنے مقربین کو عنایت کرتے ہیں ۔ دوسری جگہ شہید کے لئے ارشاد ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ ۲:۱۵۴)

اور انہیں مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (اس کا) شعور نہیں رکھتے ۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (ال عمران ۲:۱۶۹-۱۷۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے وہ رزق پاتے ہیں ۔ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور وہ

---

(۴۴) مسند دارمی، کتاب الجہاد

ان لوگوں کی طرف سے خوش وقت ہیں جو نہیں ملے ان سے ان کے پیچھے، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے، اور یہ کہ اللہ تعالی ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حضرت مسروقؒ سے مروی ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت (جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے وہ رزق پاتے ہیں) کے مفہوم کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس بارے میں اللہ کے رسولؐ سے دریافت کر چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

''ان شہدا کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں ہوگی۔ ان پرندوں یا ارواح کے لئے عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہوں گی۔ وہ جنت میں جہاں چاہیں گے گھومیں پھریں گے۔ پھر ان قندیلوں میں واپس لوٹ آئیں گے۔ ان کے پروردگار ایک مرتبہ ان کی طرف جھانکیں گے اور فرمائیں گے: کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ کہیں گے ہم اور کیا چاہیں گے؟ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالی ان سے تین مرتبہ اسی طرح دریافت فرمائیں گے۔ پھر جب وہ یہ محسوس کر لیں گے کہ انہیں بغیر مانگے نہ چھوڑا جائے گا تو وہ عرض کریں گے: اے پروردگار ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری ارواح ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دی جائے تا کہ ہم ایک مرتبہ آپ کے راستے میں شہید ہو جائیں۔ جب اللہ تعالی یہ دیکھیں گے کہ انہیں کوئی ضرورت وحاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔''(۴۵)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''شہدا کی حیات یقینی چیز ہے اور بلا شبہ وہ جنت میں زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے خبر دی ہے اور ان کی موت بھی ہو چکی ہے۔ ان کے جسم مٹی میں ہیں اور ان کی روحیں دوسرے ایمان والوں کی ارواح کی طرح زندہ ہیں۔ البتہ شہدا کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کے لئے شہادت کے وقت سے جنت کی روزی جاری کر دی جاتی ہے تو گویا کہ ان کے لئے ان کی دنیاوی زندگی جاری ہے اور وہ ختم نہیں ہوئی''۔(۴۶)

ان کی اسی حیات کو دیکھتے ہوئے کئی ائمہ نے فرماتے ہیں کہ چونکہ شہید زندہ ہیں، اس لئے ان کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔ بعض ائمہ کے نزدیک برکت کے لئے نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کے خون کے ساتھ ان کو دفن کر دیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احد کے شہدا کو بغیر غسل کے، ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا تھا۔

---

(۴۵) صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة ...رقم:۱۸۸۷

(۴۶) مشارع الاشواق: ۴۴۰

قرآن مجید کی طرح حدیث نبوی میں بھی شہید کے فضائل بیان ہوئے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

شہید قتل ہونے کا صرف اتنا درد محسوس کرتا ہے جتنا درد تم میں سے اس شخص کو ہوتا ہے جسے چیونٹی کاٹ لے۔(۴۷)

حضرت مقدام بن معدیکربؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالی کے ہاں شہید کے چھ اعزاز ہوتے ہیں:

(۱) پہلے لمحہ ہی میں اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔ (۲) عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔(۳) فزع اکبر (قیامت کے دن کی مصیبت) سے مامون رہتا ہے۔(۴) اس کے سر پر عزت ووقار کا تاج رکھا جاتا ہے۔ جس کا ایک یاقوت **دنیا ومافیھا** سے بہتر ہے (۵) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔ (۶) اس کے ستر رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔(۴۸)

حدیث میں ذکر کئے گئے چھ اعزاز ایک ہی وقت میں کسی اور کے لئے نہیں ہوں گے یہ شہید کی ہی خصوصیت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جنت میں پہلے داخل ہونے والے تین شخص میرے سامنے پیش کئے گئے شہید، پاک دامن اور سوال سے باز رہنے والا اور وہ غلام جس نے اللہ کی عبادت صحیح طریقے سے کی اور اپنے آقا کی خیر خواہی کی۔''(۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا:

شہید کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔(۵۰)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے:

''میرے شہید والد کو حضور اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا اور ان کے ناک کان مشرکوں نے کاٹ دیئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاؤں تو لوگوں نے مجھے منع کر دیا۔ اسی دوران ایک چیخنے والی عورت کی آواز سنائی دی۔ لوگوں نے کہا یہ عمرو کی بیٹی یا بہن ہے۔ اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

تم کیوں روتی ہو، ابھی تک فرشتوں نے ان پر اپنے پروں کا سایہ کیا ہوا ہے۔''(۵۱)

راشد بن سعد کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں:

ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کو قبر کے فتنہ کا سامنا ہوتا ہے سوائے

---

(۴۷) جامع ترمذی، ابواب فضائل جہاد

(۴۸) سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد

(۴۹) جامع ترمذی، کتاب الجہاد

(۵۰) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

(۵۱) سنن نسائی، کتاب الجہاد

شہید کے حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اس کے سر پر تلواروں کی چمک اسے ہر فتنے سے بچانے والی ہے۔(۵۲)

حضرت سہل سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

شہید کے خون کا پہلا قطرہ بہتے ہی اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔(۵۳)

(۴) شہید کی تمنا :

حضرت سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالی سے سچے دل سے شہادت مانگے گا اللہ تعالی اسے شہادت
کے درجے تک پہنچا دے گا ،خواہ وہ بستر پر کیوں نہ مرے ۔(۵۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اس پروردگار کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے نہ ہوتے جو مجھ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ناخوش ہو کر کوفت اٹھاتے ہیں اور میرے پاس ان کی سواری کی گنجائش نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کبھی ایسے چھاپہ مار دستے سے پیچھے نہ رہتا جو اللہ تعالی کے راستے میں لڑنے جا رہا ہو۔ اس پروردگار عالم کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں دل سے چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔''(۵۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کوئی شخص جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ تمنا نہیں کرے گا کہ اسے دنیا میں لوٹایا جائے
یا دنیا کی کوئی چیز دی جائے سوائے شہید کے کہ وہ تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں لوٹایا جائے
اور دس بار شہید کیا جائے ۔یہ تمنا وہ اپنی تعظیم دیکھنے کی وجہ سے کرے گا۔(۵۶)

(۵) راہ خدا میں طبعی موت کی حیثیت :

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا (الحج ۵۸:۲۲)

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر مارے گئے یا مر گئے اللہ البتہ انہیں ضرور اچھا رزق دے گا۔

حضرت ابو مالک اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

جو شخص اللہ تعالی کے راستے میں نکلا پس وہ طبعی موت مرا یا قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے یا
گھوڑے یا اونٹ نے مار کر گرایا یا کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا یا اپنے بستر پر مر گیا یا

---

(۵۲) سنن نسائی، کتاب الجہاد — (۵۳) سنن ابن ماجہ، ۹۳۵/۲، رقم: ۲۷۹۹
(۵۴) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر — (۵۵) صحیح بخاری، کتاب المغازی
(۵۶) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد

جس موت سے اللہ نے چاہا مر گیا پس وہ شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے۔(۵۷)

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم کس کو شہید شمار کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو جہاد فی سبیل اللہ میں مارا جائے وہ شہید ہے۔آپؐ نے فرمایا: پھر تو میری امت کے شہدا بہت کم ہو جائیں گے۔ اللہ کے راستے میں مقتول شہید ہے۔راہ جہاد میں سواری سے گر کر مرنے والا شہید ہے۔راہ جہاد میں پانی میں ڈوبنے والا شہید ہے۔راہ جہاد میں طاعون سے مرنے والا شہید ہے۔راہ جہاد میں ہیضہ پیچش سے مرنے والا شہید ہے۔راہ جہاد میں ذات الجنب سے مرنے والا شہید ہے۔(۵۸)

موت الشهيد حيلة لا نفاد لها ...قد مات قوم وهم فى الناس احيآء

شہید کی موت ایسی زندگی ہے جو ختم نہ ہو۔لوگ فوت ہو گئے اور وہ انسانوں میں زندہ ہے۔

(۱۳) بغاوت کا خاتمہ :

قرآن مجید میں بغاوت کے خاتمے کے سلسلے میں ارشاد ہے:

وان طائفتان من المومنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احدٰهما على الاخرى فقاتلوا التى تبغى حتى تفىء الى امر الله فان فآءت فاصلحوا بينهما بالعدل واقسطوا ان الله يحب المقسطين (الحجرات :۹)

اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔پھر اگر وہ آجائے تو ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ابوحیان اندلسی اور علامہ آلوسی کا کہنا ہے کہ اس آیت کے اصل مخاطب وہ حکمران اور بادشاہ ہیں جن کو قتال و جہاد کے وسائل حاصل ہیں۔اور بالواسطہ وہ تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں کہ وہ اس معاملے میں حکمرانوں کی مدد کریں اور جہاں کوئی امام و امیر یا بادشاہ و رئیس نہیں وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کی فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے اور دونوں نہ مانیں تو دونوں لڑنے والے فرقوں سے الگ رہے نہ کسی کے خلاف کرے نہ کسی کا ساتھ دے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک باغی یعنی حکومت کے خلاف خروج کرنے والے گروہ متعدد اقسام کے ہو سکتے ہیں:

۱۔وہ جو محض فساد برپا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے اس خروج کے لئے ان کے پاس کوئی شرعی تاویل نہ ہو۔ان کے خلاف حکومت کی جنگ بالاتفاق جائز ہے۔اور اس کا ساتھ دینا اہل ایمان پر واجب ہے۔قطع نظر اس کے کہ حکومت عادل ہو یا نہ ہو۔

---

(۵۷) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

(۵۸) صحیح مسلم ،کتاب الامارۃ، باب بیان الشہداء، رقم:۳۶۵۱

۲۔ وہ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے خروج کریں اوران کے پاس شرعی تاویل نہ ہو بلکہ ان کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ وہ ظالم وفاسق ہیں اس صورت میں اگر حکومت عادل ہو تب تو اس کا ساتھ دینا بلا کام واجب ہے۔ لیکن اگر وہ عادل نہ بھی ہو تو اس حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے لڑنا واجب ہے۔ جس کے ذریعے فی الحال مملکت کا نظم قائم ہو۔

۳۔ وہ جو کسی شرعی تاویل کی بنا پر حکومت کے خلاف خروج کریں مگران کی تاویل باطل اوران کا عقیدہ فاسد ہو مثلاً خوارج۔ اس صورت میں مسلم حکومت خواہ وہ عادل ہو یا نہ ہو ان سے جنگ کرنے کا جائز حق رکھتی ہے۔ اس کا ساتھ دینا واجب ہے۔

۴۔ وہ جو ایک عادل حکومت کے خلاف خروج کریں جبکہ اس کے سربراہ کی امارت جائز طور پر قائم ہو چکی ہو۔ اس صورت میں خواہ ان کے پاس شرعی تاویل ہو یا نہ ہو بہر حال ان سے حکومت وقت جنگ کرنے میں حق بجانب ہے۔ اس کا ساتھ دینا واجب ہے۔

۵۔ وہ جو ایک ظالم حکومت کے خلاف خروج کریں جس کی امارت جبراً قائم ہوئی ہو۔ جس کے امرا فاسق ہوں۔ خروج کرنے والے عدل اور حدود اللہ کی اقامت کے لئے اٹھے ہوں اوران کا ظاہر یہ بتا رہا ہو کہ وہ خود صالح لوگ ہیں۔ اس صورت میں ان کو باغی قرار دینے اوران کے خلاف جنگ کو واجب قرار دینے میں فقہا کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ (۵۹)

جمہور فقہاء اور اہل حدیث علماء کے نزدیک:

> ''جس امیر کی امارت ایک مرتبہ قائم ہو چکی ہو اور مملکت کا امن وامان اور نظم ونسق اس کے انتظام میں چل رہا ہو خواہ عادل ہو یا ظالم اس کی امارت خواہ کسی طریقے سے بھی قائم ہوئی ہو۔ اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہے۔ الا یہ کہ وہ کفر صریح کا ارتکاب کرے۔''(۶۰)

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

> ''جب مسلمان ایک فرمانروا پر مجتمع ہوں اور اس کی بدولت ان کو امن حاصل ہو۔ ایسی حالت میں اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ اس کے خلاف خروج کرے تو جو شخص بھی جنگ کی طاقت رکھتا ہو۔ اس پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے اس فرمانروا کے ساتھ مل کر خروج کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے۔''(۶۱)

ابن ہمام باغی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فقہا کے عرف میں باغی وہ ہے جو امام حق کی اطاعت سے نکل جائے۔ (۶۲)

ابوبکر جصاص کہتے ہیں

> ظاہر آیت باغی گروہ کے خلاف جنگ کرنے کے امر کی مقتضی ہے حتی کہ یہ اللہ کے حکم کی طرف آئے۔ (۶۳)

آیت میں قتال کی تمام صورتوں میں عموم ہے۔ اگر باغی گروہ جوتوں اور ڈنڈوں کے ساتھ قتال کے ذریعے حق کی طرف لوٹ آئے

---

(۵۹) تفہیم القرآن، ۷۹/۵

(۶۰) تفہیم القرآن، ۷۹/۵

(۶۱) المبسوط، باب الخوارج

(۶۲) تفہیم القرآن، ۷۹/۵

(۶۳) احکام القرآن ۴۳۷/۲

۔تو اس صورت میں جوتوں اور ڈنڈوں کے ساتھ قتال سے بات آگے نہیں بڑھائی جائے گی۔ اگر وہ جوتوں اور ڈنڈوں سے سیدھے نہ ہوں تو ان کے خلاف تلوار سے جنگ کی جائے گی۔

حضورؐ کا ارشاد ہے

مَنْ رَای مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہ فَاِن لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہ فَاِن لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَان (۶۴)

تم میں سے جوکوئی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روکے پھر اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

''حضورؐ نے ہاتھ سے برائی کے ازالے کا حکم دیا اور اس میں ہتھیار اور غیر ہتھیار کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ اس لئے ظاہر حدیث منکر کے ازالے کا مقتضی ہے خواہ وہ جس طریقے سے بھی ہو۔ کچھ بے کار قسم کے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ باغیوں کی سرکوبی صرف ڈنڈوں اور جوتوں نیز ہتھیاروں سے کم چیزوں کے ذریعے کی جائے۔ باغی گروہ کو راہ راست پر لانے کے لئے تلوار سے کم کوئی چیز اگر کارگر نہ ہو تو ان کے خلاف جنگ کے واجب ہونے پر صحابہؓ کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ تمام صحابہ کرامؓ خوارج کے خلاف جنگ کے قائل تھے۔ اگر یہ حضرات ان کے خلاف جنگ نہ کرتے بلکہ مقابلہ نہ کرتے تو خوارج ان سب کو قتل کر دیتے۔ ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیتے اور انہیں برباد کر کے رکھ دیتے۔'' (۶۵)

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''زمانہ نبوت کے آخر پر کچھ لوگ ابھریں گے جن کی عمریں کم ہوں گی۔ جو سمجھ بوجھ کے لحاظ سے بیوقوف ہوں گے باتیں تو وہ بہترین کریں گے لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کے پار نکل جاتا ہے۔ اگر تمہارا ان کے ساتھ آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ انہیں قتل کرنے والوں کو قیامت کے دن اجر ملے گا۔'' (۶۶)

اگر ہمارے مخالفین اس روایت (صحیح مسلم، کتاب الفتن) سے استدلال کریں جس میں حضورؐ نے فرمایا:

عنقریب فتنہ وفساد ہو گا۔ اس میں کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور بیٹھا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا۔

---

(۶۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان

(۶۵) احکام القرآن، ۴۳۱/۶

(۶۶) احکام القرآن، ۴۳۳/۶

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ آپ نے اس سے مراد وہ فتنہ لیا ہے جس میں لوگ طلب دنیا اور عصبیت کی بنا پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹیں گے۔(٦٧)

اگر یہ کہا جائے کہ ایک فوجی مہم میں حضرت اسامہؓ نے ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا۔حضرت اسامہؓ کو شک تھا کہ اس کا کلمہ طیبہ پڑھنا اپنی جان بچانے کے لئے تھا۔لیکن حضورؐ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ پہنچا اور آپؐ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا: تم نے اسے مار ڈالا جبکہ اس نے **لا اله الا الله** کہہ دیا تھا۔(٦٨)

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص کلمہ گو ہو اس کے خلاف نہ تو جنگ کی جائے اور نہ ہی اسے قتل کیا جائے۔(٦٩)

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ان کے خلاف جنگ اس لئے کی جاتی تھی کہ وہ مشرک تھے۔ان کے خلاف جنگ کے خاتمے کی شرط کلمہ توحید کا اقرار تھا۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها عصموامنی دمائهم واموالهم الا بحقها۔(٧٠)

مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر جب انہوں نے اسے کہا تو مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال بچا لیے ہاں مگر جو اس کا (اسلام کا قتل) حق ہے۔

اسی طرح باغیوں کے متعلق یہ ہے کہ جب باغی بغاوت سے کنارہ کش ہو کر حق کی طرف لوٹ آئیں تو ان کے خلاف قتال کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ان کے خلاف جنگی کاروائی صرف اس بنا پر کی جاتی ہے کہ وہ اہل عدل یعنی امام المسلمین کے وفادار لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے ہوتے ہیں۔عہد اسلام میں رہزنوں اور امام المسلمین کے خلاف برسر پیکار لوگوں سے جنگ کی جاتی تھی حالانکہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہوتے تھے۔(٧١)

باغیوں کے خلاف اقدام :

اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ امام کے خلاف جمع ہو جائے اور اس کے پاس اجتماعی قوت اور لڑنے والی طاقت بھی ہو، تو خلیفہ کو چاہیے کہ پہلے اس گروہ کو اطاعت کی دعوت دے۔اس گروہ کے اعتراضات دور کرے۔اگر امام نے ان پر ظلم کیا ہو تو ان سے جنگ کرنا جائز نہیں۔ایسی صورت میں دوسرے مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ باغیوں کی مدد کریں۔لیکن اگر وہ بغاوت کو جائز قرار دینے کی کوئی معقول وجہ بیان نہ کر سکیں اور لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سے لڑنا اور ان کو قتل کرنا جائز ہے۔(٧٢)

امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ اور اکثر علما کے نزدیک جب تک وہ باغی خود جنگ شروع نہ کریں ان کو قتل کرنا جائز نہیں۔مسلمان کو صرف دفاعی صورت میں قتل کرنا جائز ہے۔باغی بھی مسلمان ہیں۔جیسے ارشاد الٰہی ہے

---

(٦٧) احکام القرآن، ٤٣٥/٦
(٦٨) متفق علیہ
(٦٩) احکام القرآن، ٤٣٥/٦
(٧٠) صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم ٢٥
(٧١) احکام القرآن، ٤٣٦/٦
(٧٢) تفسیر مظہری ٣٣/١١

فان بغت احدٰھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ (الحجرات، ۹:۴۹)

پھر اگر ان دونوں (گروہوں) میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

اس سلسلہ میں احناف کا مسلک یہ ہے ''بغت'' میں ''بغی'' کا معنی ہے طلب کرنا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

قال ذلك ما کنا نبغ (الکھف، ۶۴:۱۸)

اس نے کہا یہی ہے (وہ مقام) جو ہم چاہتے تھے۔

اس جگہ ''بغی'' سے مراد ''ان چیزوں کی طلب ہے جو انتظام میں مخل ہو جیسے ظلم، احکام شریعت کو قبول کرنے سے انکار۔

اسی طرح دوسری آیات میں آیا ہے

فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا (النسآء ۳۴:۴)

پھر اگر وہ تمہارا کہا مانیں تو ان پر (الزام کی) کوئی راہ تلاش نہ کرو

اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جنگ کی ابتدا باغیوں کی طرف سے ہو۔ لیکن باغیوں کے پاس فوج اور جنگی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر باغیوں کے پاس عسکری طاقت نہیں ہے تو باغیوں سے جنگ کرنا غیر ضروری ہے۔ ہم ان کو مار اور قید کر سکتے ہیں۔ اگر ہم قتال کے لیے یہ شرط لازمی قرار دیں کہ جنگ کی ابتدا باغیوں کی طرف سے ہو تو ممکن ہے کہ مستقبل میں ان کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ہم ان کا مقابلہ اور اپنا دفاع نہ کر سکیں۔

اسی طرح اگر باغی کم تعداد میں ہوں اور ان کی مدد کوئی بڑا گروہ نہ کر رہا ہو تو ان پر بغاوت کے قانون کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ان کو قانون تعزیرات کے مطابق سزا دی جائے گی۔ مثلاً وہ قتل کریں گے تو انہیں قتل کیا جائے گا۔ مال کا نقصان کریں گے تو اس کا تاوان ان پر عائد ہوگا۔ قانون بغاوت کا اطلاق صرف ان باغیوں پر ہوگا جو بڑی طاقت رکھتے ہوں اور اکثر ایک بڑی جماعت اور جنگی ساز وسامان کے ساتھ نکلیں۔ (۷۳)

زخمی باغی کا حکم :

زخمی باغی کے بارے میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ زخمی باغی پر حملہ نہ کیا جائے۔ نہ ہی بھاگتے ہوئے باغی کا تعاقب کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان دو قسم کے باغیوں نے مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ دیا تو اب ان کا قتل دفاعی نہیں رہا۔ جبکہ ان کے قتل کا جواز دفاع شر کے لئے تھا۔ (۷۴)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

باغیوں میں سے جو لوگ زخمی ہوں گے انہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ ان کے گرفتار

---

(۷۳) تفسیر مظہری ۱۱/۳۳

(۷۴) تفسیر مظہری ۱۱/۳۳

شدہ قیدیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا اور بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔(۷۵)

ابن ابی شیبہ اور عامر سے مروی ہے، جنگ جمل کے دن حضرت علیؓ کو جب فتح حاصل ہوئی تو آپ نے حکم جاری کیا:

''بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرو اور زخمی کو ہلاک نہ کرو۔ جو شخص ہتھیار
پھینک دے وہ امان پائے گا۔ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔''(۷۶)

اس کے برعکس احناف کا قول ہے کہ باغیوں کی گروہ بندی ختم ہو جائے اور ان کا گروہ باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں نہ تو زخمی باغی کو ہلاک کیا جائے گا، نہ ہی قیدی کو قتل کیا جائے گا اور نہ ہی بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کی گروہ بندی قائم ہے تو امام المسلمین کی صوابدید کے مطابق ان باغیوں کے قیدی کو قتل، زخمی باغی کو ہلاک اور بھاگنے والے باغی کا تعاقب کیا جا سکے گا۔ بھاگنے والا اور زخمی باغی جب اپنے گروہ سے مل جائیں گے تو شر کا اندیشہ بہر حال رہے گا۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے درج بالا قول کا تعلق ہے تو یہ اس صورت پر محمول ہے جب باغیوں کی گروہ بندی ختم ہو جائے۔ آپؓ نے یہ بات جنگ جمل کی فتح پر فرمائی تھی۔ ظاہر ہے شکست کھانے کے بعد باغیوں کا کوئی گروہ باقی نہیں رہا تھا۔(۷۷)

باغیوں سے چھینے ہوئے مال کا حکم:

باغیوں سے چھینے گئے مال کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا یا نہیں۔ اس اختلاف کی وجہ وہ روایات ہیں جو اس مال سے متعلق حضرت علیؓ سے منقول ہیں۔ یہ روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) محمد بن حنفیہؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن ہاتھ آنے والے ہتھیاروں، گھوڑوں اور خچروں وغیرہ کو اپنے ساتھیوں کے درمیان مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیا تھا۔

اس روایت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو باغیوں کے مال کو مال غنیمت قرار دینے کے قائل ہیں۔ لیکن اس روایت میں یہ رہنمائی موجود نہیں ہے کہ یہ مال غنیمت تھا۔ ممکن ہے حضرت علیؓ نے باغیوں سے لوٹے گئے مال کو اس لئے تقسیم کر دیا ہو کہ جنگ کے خاتمے سے پہلے انہیں جنگی کارروائیوں میں استعمال کیا جائے۔

(۲) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ خوارج کی حضرت علیؓ سے ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ نے جنگ جمل میں باغیوں کے بچوں اور عورتوں کو قید نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کے مال کو مال غنیمت قرار دیا تھا۔ اس پر حضرت علیؓ نے ان سے یہ کہا تھا ''کیا پھر تم اپنی امی حضرت عائشہؓ کو گرفتار کرتے اور ان سے اسی طرح پیش آتے جس طرح قیدی لونڈیوں سے پیش آتے ہو۔ اگر تم ایسا کرتے تو تم یقیناً کافر ہو جاتے۔(۷۸)

(۳) ابن بہرام کہتے ہیں، میں نے ابووائل سے پوچھا کہ آیا حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں چھینے ہوئے اموال کا خمس نکالا تھا؟ انہوں نے نفی میں اس کا جواب دیا۔(۷۹)

---

(۷۵) تفسیر مظہری ۳۴/۱۱

(۷۶) احکام القرآن ۴۴۲/۶

(۷۷) احکام القرآن ۴۴۲/۶

(۷۸) احکام القرآن ۴۳۹/۶

(۷۹) احکام القرآن ۴۳۹/۶

امام محمدؒ کے نزدیک باغیوں سے لوٹا گیا مال مال غنیمت نہیں ہوگا۔البتہ ان سے چھینا ہوا مال (گھوڑے، ہتھیار وغیرہ) ان کے خلاف جنگ میں استعمال کئے جائیں گے۔ جنگ کے خاتمہ پر ان کا مال انہیں واپس کر دیا جائے گا۔ جب ایک بھی باغی باقی نہیں رہے گا تو ان کا سامان انہیں واپس کر دیا جائے گا۔ جو چیزیں استعمال ہو کر ختم ہو چکی ہیں ان کے بدلے میں کوئی چیز نہیں دی جائے گی۔(۸۰)

امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک باغیوں کے ہتھیاروں اور ان کی سواریوں کا استعمال ناجائز ہے۔احناف کی دلیل مصنف ابن شیبہ کی وہ روایت ہے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علیؓ نے باغیوں کے اونٹ گھوڑے اور ہتھیار اپنے لشکر میں تقسیم کر دیئے تھے۔فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ یہ تقسیم استعمال کرنے کے لئے تھی مالک بنانے کے لئے نہیں تھی۔اس لئے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ باغیوں کے مال کا فاتح لشکر یا خلیفہ مالک نہیں ہوسکتا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باغیوں کے قبضے میں جتنا مال ہوگا وہ مال فے شمار ہوگا۔اسے مال غنیمت کی طرح تقسیم کیا جائے گا اور اس میں سے خمس بھی نکالا جائے گا۔ پھر جب یہ لوگ توبہ کر لیں تو ان سے کسی خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی اس مال کا معاوضہ لیا جائے گا جو یہ اپنے استعمال میں لا کر ختم کر چکے ہوں گے۔(۸۱)

امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خوارج نے جو جانیں لی ہوں گی یا جو مال انہوں نے ختم کیا ہوگا، توبہ کر لینے کی وجہ سے ان چیزوں کا حساب نہیں لیا جائے گا۔البتہ اگر کوئی مال بعینہ موجود ہوگا وہ واپس کرایا جائے گا۔(۸۲)

حسین بن صالح کا قول ہے کہ مسلح چوروں سے لڑائی کی صورت میں آ کر انہیں قتل کرنے کے بعد ان کے مال پر قبضہ کر لیا جائے گا تو یہ مال لڑائی میں حصہ لینے والوں کے لئے مال غنیمت شمار ہوگا۔البتہ اس سے خمس پہلے نکال لیا جائے گا۔ہاں اگر کوئی چیز ایسی ہوگی جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ انہوں نے اسے لوگوں کے گھروں سے چرایا تھا تو اس صورت میں وہ چیز مال غنیمت میں شمار نہیں ہوگی۔(۸۳)

امام زہریؒ کہتے ہیں کہ جب خانہ جنگی کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اس وقت صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ فتنہ کے دوران تاویل کی بنا پر بہنے والے خون اور استعمال شدہ مال کا کوئی تاوان نہیں۔ باغیوں کے مال کو مال غنیمت شمار نہیں کیا جائے گا۔اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں جو کچھ مال چھوڑ کر آئے ہیں اسے مال غنیمت شمار نہیں کیا جاتا، خواہ وہ سب قتل کیوں نہ ہو جائیں۔اسی طرح جو مال وہ اپنے ساتھ لے کر میدان جنگ میں آتے ہیں مال غنیمت شمار نہیں کیا جائے گا۔(۸۴)

امام مالک، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک: باغیوں نے جنگ کے دوران کسی شرعی وجہ سے امام کے وفاداروں کا جانی، مالی نقصان کر دیا ہو اور ان کے پاس طاقت بھی ہو تو اس نقصان کا کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔

امام ابن شہاب زہریؒ نے لکھا ہے کہ اس فتنہ میں بڑی خونریزی ہوئی جس میں بعض موقعوں پر قاتل ومقتول کی شناخت بھی ہوگئی اور بکثرت مال بھی ضائع ہوا۔لیکن جب لڑائی اور فتنہ ختم ہوگیا اور باغیوں پر خلیفہ کا اقتدار ہوگیا تو میں نہیں جانتا کہ کسی سے قصاص لیا گیا ہو یا کسی سے تلف شدہ مال کا تاوان وصول کیا گیا ہو۔(۸۵)

---

(۸۰) احکام القرآن ۴۴۲/۲

(۸۱) احکام القرآن ۴۳۹/۲، ۴۴۰

(۸۲) احکام القرآن ۴۳۹/۲، ۴۴۰

(۸۳) احکام القرآن ۴۳۹/۲، ۴۴۰

(۸۴) احکام القرآن ۴۳۹/۲، ۴۴۰

(۸۵) تفسیر مظہری، ۳۵/۱۱

فصل سوم :

قتال سے متعلق احکام ومسائل

(ا) فرضیت قتال کی نوعیت

(i) قتال کا فرض کفایہ ہونا :

فرض کفایہ اصطلاح شرح میں اس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی ذات سے نہیں ہوتا، بلکہ پوری مسلم قوم سے ہے ۔ایسے فرض کا یہ حکم ہے کہ مسلمانوں میں سے چند آدمی اس فرض کو پورا کر دیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہو جاتے ہیں۔اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو جن جن لوگوں کو اطلاع پہنچے اور قدرت کے باوجود ادا نہ کریں تو سب گناہ گار ہوں گے۔(۱)

جہاد فرض کفایہ ہے یعنی اگر بعض مسلمانوں نے جہاد قائم کیا تو باقی مسلمانوں سے فرضیت ساقط ہوگئی۔قتال کے فرض ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے:

وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كآفة (التوبه ، ۹:۳٦)

اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں ۔

اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان عالیشان بھی ہے:

الجهاد ماض الى يوم القيٰمة (۲)

جہاد قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔

اس سے آنحضورؐ کی یہ مراد نہیں کہ لوگ جہاد کرتے رہیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ جہاد قیامت تک ایک فریضہ باقیہ ہے یعنی کبھی منسوخ نہیں ہوا۔نیز یہ فرض کفایہ ہے، کیونکہ جہاد بالذات فرض نہیں ہوا۔اس لئے کہ وہ بذات خود افساد ہے۔فرض اس لئے ہوا کہ دین الٰہی کو عزت حاصل ہو اور بندوں سے شرک اور فساد کا فتنہ دور ہو۔جب یہ مقصود چند لوگوں سے حاصل ہو گیا تو باقیوں سے یہ فرضیت ساقط ہو گئی۔اس لئے اگر کوئی گروہ بھی جہاد قائم نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں گے۔(۳)

قتال کے فرض کفایہ ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيمًا (النسآء ۴:۹۵)

اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی درجہ میں، اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر۔اور ہر ایک کو اللہ نے اچھا وعدہ دیا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو اجر عظیم (کے اعتبار سے) بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، ۷/ ۲٦۲ (۳) ہدایہ ۲/ ٦۲٦

(۲) سنن ابی داؤد، الجهاد، باب فی الغزو مع ائمة الجور

اس آیت میں اللہ عزوجل نے مجاہدین اور پیچھے بیٹھ رہنے والوں سب کے لئے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے۔ اگر جہاد ہر حال میں فرض عین ہوتا (ہر مسلمان پر انفرادی طور پر) تو اللہ تعالیٰ بیٹھے رہنے والوں سے اچھی جزا کا وعدہ ہرگز نہ کرتا کیونکہ فرض عین ہونے کی صورت میں بیٹھے رہنا حرام ہے۔(۴)

قتال کے فرض کفایہ ہونے کی دوسری دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

وما کان المومنون لینفروا کآفة فلولا نفر من کل فرقة منهم طآئفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون (التوبة ۹:۱۲۲)

اور ایسے تو نہیں کہ تمام مومن کوچ کریں۔ پس کیوں نہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت کوچ کرے تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں دین میں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈر سنائیں جب ان کی طرف لوٹیں عجب نہیں کہ وہ بچتے رہیں۔

اس آیت میں یہ بات واضح ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک گروہ جہاد کے لئے کافی ہو تو تمام مسلمانوں پر جہاد فرض نہیں ہوتا۔ اسلام کے علم کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت علم دین حاصل کرتی رہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا سرایا بھیجنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ قتال فرض کفایہ ہے۔ اگر قتال ہر حال میں فرض ہوتا تو اللہ کے نبیؐ ہر جنگی مہم میں شریک ہوتے اور خود کو یا کسی کو بھی قتال سے رخصت نہ دیتے۔

ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں:

فاما حکم هذه الوظیفة (کتاب الجهاد) فاجمع العلماء علی انها فرض علی الکفایة لا فرض عین (۵)

جہاں تک اس پیشہ یعنی جہاد کی فرضیت کے حکم کا تعلق ہے تو علماء کا اتفاق ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں۔

ابن نحاس دمشقی لکھتے ہیں:

تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جب تک کافر اپنے ملکوں میں ہوں تو ان سے قتال کرنا اور ان کے ملکوں پر چڑھائی کرنا فرض کفایہ ہے ۔(۶)

اس سے یہ مراد نہیں کہ شام والوں نے جہاد قائم کیا تو ہندوستان والوں سے ساقط ہو گیا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک علاقے کے مسلمان اگر کفار سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور انہیں خطرہ ہو کہ دشمن ان پر غلبہ پالے گا تو اس علاقہ کے باقی مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جائے گا۔ پھر ان سے قریب رہنے والے مسلمانوں پر فرض ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان سے قریب رہنے والے مسلمانوں پر فرض ہوتا جائے گا کہ وہ نکلیں اور سامان جنگ اور اسلحہ وغیرہ سے ان کی مدد کریں۔ بعض مسلمانوں کے کافی ہونے کی وجہ سے یہ جہاد باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اگر مسلمان کافی نہیں ہو رہے تو پھر یہ فرض تمام مسلمانوں سے ساقط نہیں ہوگا۔

---

(۴) بدائع الصنائع، ۷/۲۶۲ (۵) بدایۃ المجتهد ۱/۲۷۸

(۶) مشارع الاشواق، ۳۰

(۱) قتال میں فرض کفایہ کا کم سے کم درجہ :

امام شافعیؒ کے نزدیک قتال میں فرض کفایہ کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ضرور کفار کے کسی ملک یا علاقے پر حملہ کیا جائے اور کئی بار حملہ کرنا بغیر کسی اختلاف کے افضل ہے۔مسلمانوں کے لئے بھی یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ کوئی سال ایسا گزاریں جس میں کفار پر حملہ نہ کیا ہو۔البتہ مسلمانوں کی کمزوری، دشمن کا زیادہ تعداد میں ہونا، مسلمانوں کی مکمل شکست اور مکمل خاتمے کا خطرہ، سامان کی کمی ، جانوروں کے چارہ وغیرہ کی کمی جیسی مجبوریوں کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے۔(۷)

امام الحرمین کے نزدیک بہتر قول حضرات اصولیین کا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ

> جہاد ایک قہری دعوت ہے (ایسی دعوت جس کے پیچھے طاقت کارفرما ہے) اس لئے جس قدر ممکن ہو اسے ادا کرنا چاہیے تاکہ دنیا میں یا تو مسلمان باقی رہیں یا ذمی۔چنانچہ (فرض کفایہ کی ادائیگی کے لئے) سال میں ایک مرتبہ جہاد کی تخصیص نہیں کرنی چاہئے بلکہ اگر ایک سے زیادہ مرتبہ حملہ کرنے کا امکان ہو تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔حضرات فقہائے کرام نے سال میں ایک مرتبہ جہاد کی جو بات فرمائی ہے تو اس کا تعلق اس سے ہے کہ عام طور پر ہر سال میں ایک ہی بار یہ ممکن ہوتا ہے کہ اسلامی لشکر کی تیاری کے لئے افراد واموال کو جمع کیا جاسکے۔(۸)

حنابلہ میں سے ابن قدامہ (صاحب المغنی) فرماتے ہیں:

> اگر کوئی عذر نہ ہو تو سال میں کم از کم ایک بار جہاد کرنا (یعنی کافروں کے ملک پر حملہ کرنا) فرض ہے۔اگر ایک سے زائد مرتبہ ضرورت پڑے تو وہ بھی فرض ہوگا کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے (جب تک کفایت نہ ہو اس کی فرضیت باقی رہے گی) اس لئے جتنی مرتبہ کی ضرورت ہوگی اتنی مرتبہ فرض ہوگا۔(۹)

مالکیہ میں سے امام قرطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''مسلمانوں کے امام پر سال میں ایک مرتبہ دشمنان اسلام کی طرف لشکر بھیجنا فرض ہے امام یا تو خود اس لشکر کے ساتھ نکلے گا یا پھر اپنے کسی معتمد کو بھیجے گا۔پھر یہ امام یا اس کا نائب دشمنان اسلام کے پاس پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت دیں گے اور (دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں) ان کی طاقت کو توڑیں گے اور اللہ کے دین کو غالب کریں گے۔یہاں تک ان سے لڑیں گے کہ یا تو وہ مسلمان ہوجائیں یا جزیہ دینا منظور کرلیں۔(۱۰)

---

(۷) کتاب الام،۱۲۸/۴

(۸) روضۃ الطالبین ۲۰۹/۱

(۹) المغنی ۳۴۸/۸

(۱۰) الجامع لاحکام القرآن ۱۵۲/۸

(۲) قتال فرض کفایہ کے چند اہم مسائل :

﴿۱﴾ جہاد قتال فرض نہیں بچے، پاگل، عورت اور اس شخص پر جو کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے وہ جہاد نہ کر سکے۔لیکن آنکھ درد، سر درد، داڑھ کے درد اور ہلکے بخار کی وجہ سے جہاد کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی۔اسی طرح اس شخص پر بھی قتال فرض ہے جو معمولی لنگڑا ہو۔یہ امام احمدؒ کا مسلک ہے اور میرے خیال میں کسی فقیہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(۱)

﴿۲﴾ قتال جب فرض کفایہ ہو تو غلام کے لئے اپنے مالک جبکہ بیوی کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نکلنا مباح (جائز) نہیں ہے۔اس لئے کہ مالک کی خدمت کرنا اور حقوق زوجیت ادا کرنا فرض عین ہے۔(۲)

﴿۳﴾ علماء کرام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قتال جب فرض کفایہ ہو تو اس میں والدین کی اجازت کے بغیر شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔ماں باپ کی غیر موجودگی میں دادا، دادی کا بھی یہی حکم ہے۔صحیح قول کے مطابق والدین کے ہوتے ہوئے بھی دادا، دادی سے اجازت ضروری ہے۔(۳)

﴿۴﴾ بیٹا اپنے والدین (یا ان میں سے ایک جبکہ دوسرا فوت ہو چکا ہو) کی اجازت کے بغیر قتال کے لئے نہ نکلے کیونکہ والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا فرض عین ہے۔لہذا یہ فرض کفایہ پر مقدم ہے۔اس مسئلے کا اصل یہ ہے کہ ہر ایسے سفر کے لئے نکلنا جس میں وہ ہلاکت سے مامون نہ ہو اور جس میں خطرہ شدید ہو اولاد کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔اس لئے کہ والدین بیٹے پر بہت شفیق ہوتے ہیں لہذا انہیں ایسے سفر سے نقصان پہنچے گا۔ہر ایسا سفر جس میں شدید خطرہ نہ ہو اولاد کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر اختیار کر سکتا ہے۔ہمارے بعض مشائخ نے والدین کی اجازت کے بغیر حصول علم کا سفر اختیار کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ ایسے سفر سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔لہذا ایسا سفر کرنا نافرمانی کے ذیل میں نہیں آتا۔(۴)

﴿۵﴾ اگر کسی کو والدین نے اجازت دی (قتال کے لئے) مگر پھر انہوں نے اجازت واپس لے لی۔اب اگر اجازت کی واپسی ان کے لڑکے کے محاذ جنگ پر پہنچنے سے پہلے ہوئی ہے تو لڑکے پر لازم ہے کہ واپس آ جائے۔مگر اس واپسی سے اسے جان و مال کا یا دوسرے مجاہدین کا دل ٹوٹنے کا خطرہ نہ ہو۔اگر اسے راستے میں ماں باپ کی طرف سے اجازت واپس لینے کی اطلاع ملی مگر وہ اکیلا واپس آنے میں خطرہ محسوس کرتا ہے تو اگر اسے راستے میں کہیں قیام کی جگہ مل جائے تو وہاں رکا رہے اور جب لشکر واپس آئے تو ان کے ساتھ یہ بھی لوٹ آئے۔لیکن اگر والدین نے جنگ شروع ہونے کے بعد اپنی اجازت واپس لے لی تو ایسے وقت میں اس کے لئے واپس آنا حرام ہے۔کیونکہ جب دونوں لشکر آمنے سامنے آ جائیں تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور اس میں والدین کی اجازت ضروری نہیں۔(۵)

﴿۶﴾ قتال کا فرض کفایہ ہونے کی صورت میں مقروض آدمی کا جہاد پر جانے کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں:

امام مالکؒ نے ایسے مقروض شخص کو جنگ میں جانے کی اجازت دی ہے جس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ نہ ہو۔(۶)

امام اوزاعیؒ نے بھی مقروض شخص کو قرض خواہ کی اجازت کے بغیر جنگ میں جانے کی اجازت دی ہے۔(۷)

---

(۱) المغنی ۳۴۸/۸ — (۲) بدائع الصنائع ۲۶۲/۷
(۳) المغنی ۳۵۸/۸ — (۴) بدائع الصنائع ۲۶۳/۷
(۵) المغنی ۳۵۹/۸ — (۶) مشارع الاشواق، ۳۰
(۷) مشارع الاشواق، ۳۰

امام شافعیؒ فرماتے ہیں

''مقروض آدمی کے لیے جہاد میں نکلنے کی اجازت تب ہے جب وہ اپنے قرض خواہوں سے پوچھ لے۔ قرض خواہ چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔'' (۸)

ابن المنذر (بحوالہ صحیح بخاری) فرماتے ہیں

احد کی لڑائی میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے والد جہاد میں نکلے تھے حالانکہ ان پر قرض تھا۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ کو ان کے مقروض ہونے کا علم تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مقروض آدمی کے لئے جہاد منع نہیں بشرطیکہ اس نے ایسا ترکہ چھوڑا ہو جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہو۔ (۹)

امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور انہوں نے بھی اسی واقعہ سے دلیل پکڑی ہے۔ (۱۰)

امام ابوزکریا نوویؒ فرماتے ہیں:

''اگر مقروض تنگ دست ہو تو اسے جہاد سے نہیں روکا جائے گا کیونکہ اس سے فوری ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر مقروض تنگ دست نہ ہو تو اگر وہ قرضے کی ادائیگی کے لئے اپنا کوئی ایسا نائب بنا جائے جو اس کے موجودہ مال میں سے قرض ادا کر سکے تو وہ جہاد میں جا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے نائب کو کسی غیر موجود مال میں سے قرض ادا کرنے کا کہے تو پھر اس کے لئے نکلنا جائز نہیں ہوگا اور اگر قرضے کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت مقرر ہے تو پھر (اس وقت سے پہلے) مقروض کو جہاد میں نکلنے سے نہیں روکا جائے گا یہی قول زیادہ صحیح ہے۔'' (۱۱)

اکثر فقہاء نے اس کی دلیل اس حدیث سے پکڑی ہے:

عن ابی قتاده انه سمع يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قام فيهم فذكر لهم ان الجهاد فى سبيل الله والايمان بالله افضل الاعمال فقام رجل فقال يا رسول الله ارايت ان قتلت فى سبيل الله تكفر عنى خطاياى فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم ان قتلت فى سبيل الله وانت صابر محتسب مقبل غير مدبر الا الدين فان جبريل عليه السلام قال لى ذلك (١٢)

ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا جو رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ان

---

(۸) کتاب الام ۴/۱۲۳ (۹) مشارع الاشواق ۳۰

(۱۰) المغنی ۸/۲۶۰ (۱۱) روضة الطالبين ۱۰/۲۱۰

(۱۲) صحيح مسلم ،كتاب الاماره، باب من قتل فى سبيل الله كفرت خطاياه الا الدين ،رقم :۱۸۸۵

میں کھڑے تھے اور ان (صحابہؓ) سے بیان کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان
تمام اعمال سے افضل ہے۔ پھر ایک شخص کھڑا ہوا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! آپؐ
خبر دیں اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو مجھ سے میری برائیاں معاف کر دی
جائیں گی؟ اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اگر تو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا
جائے اس حال میں کہ تو صبر کرنے والا، ثواب کی نیت کرنے والا، آگے بڑھنے والا، نہ
پیچھے پھرنے والا ہو سوائے قرض کے، پس بے شک جبرائیلؑ نے مجھ سے یہ کہا۔

(ii) قتال۔ فرض عین کی نوعیت :

جب کفار ہمارے کسی شہر میں داخل ہو جائیں یا اس پر چڑھائی کر دیں یا شہر کے دروازے کے باہر آکر حملے کی نیت سے پڑاو ڈال دیں اور ان کی تعداد اس علاقے کے مسلمانوں سے دوگنی یا اس سے کم ہو تو جہاد (قتال) اس وقت فرض عین ہو جاتا ہے۔ (۱)

جب کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر دیں اور اس کی مدافعت کے لیے ملک کا مسلمان حاکم اور امیر حکم عام جاری کر دے کہ سب مسلمان جو قابل جہاد (قتال) ہیں شریک ہوں تو سب پر جہاد کے لئے نکلنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ مدافعت کی ضرورت میں عورتوں پر بھی مقدور (جتنا ہو سکے) بھر مدافعت فرض ہو جاتی ہے۔ (۲)

غزوہ تبوک میں رسول کریم ﷺ نے ایسا ہی حکم عام جاری فرمایا تھا، اسی لئے جو لوگ اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے ان پر سزائیں جاری کی گئیں۔ (۳)

اعلان جہاد کرنے والے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ متقی عالم دین ہو بلکہ شہر کا مسلمان حاکم ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ حکم دے سکتا ہے۔ سب مسلمانوں پر اس حکم کا ماننا فرض ہوگا۔ غرض علم، عمل اور تقوی جہاد کے لئے شرط نہیں۔ (۴)

مشائخ کے نزدیک جہاد ہر حال میں فرض ہے۔ لیکن نفیر سے پہلے نفل جبکہ نفیر عام کے بعد فرض عین یعنی ہر فرد پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ نفیر سے مراد ہے کہ کسی شہر کے لوگوں کو یہ خبر دینا کہ دشمن آ گیا ہے، تمہاری جان، مال، اولاد اور عزت کی تباہی اور قبضے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس شہر میں جو لڑنے کی طاقت رکھتا ہے اس پر قتال کرنا واجب ہے۔ (۵)

اس سلسلے میں مفسر قرطبیؒ رقمطراز ہیں:

> ''اگر کافر دارالسلام میں داخل نہ ہوئے ہوں مگر اس کے قریب آ چکے ہوں تب بھی مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کافروں کے مقابلہ کے لئے باہر نکلیں (اور لڑتے رہیں) یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آ جائے، مرکز اسلام محفوظ، سرحدیں بے خطر اور دشمن ذلیل وخوار ہو جائے۔'' (۶)

اس دعوی کی دلیل یہ فرمان الہی ہے:

---

(۱) مشارع الاشواق، ۳۱
(۲) مفتی شفیع، جہاد، ۳۱
(۳) مفتی شفیع، جہاد، ۳۱
(۴) فتح القدیر ۴/۲۸۰
(۵) فتاوی عالمگیری ۳/۳۳۴
(۶) الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۵۱

انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل
اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (التوبة ۹:۴۱)
تم نکلو ہلکے ہویابھاری اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی
راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

قتال کے فرض ہونے کے بارے میں جمہور علما کے نزدیک یہ فرمان الٰہی ہے:

کُتب علیکم القتال وھو کرہ لّکم (البقرہ۲:۲۱۶)
تم پر قتال فرض کیا گیا اور تم اسے ناپسند کرتے ہو۔

اسی طرح یہ ارشاد الٰہی بھی قتال کے فرض عین ہونے کی دلیل ہے:

ما کان لاھل المدینة ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا
عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ (التوبة۹:۱۲۰)
(لائق) نہ تھا مدینہ والوں کو (اور انہیں) جو ان کے ارد گرد دیہاتی ہیں کہ وہ اللہ کے
رسول سے پیچھے رہ جائیں اور یہ کہ وہ زیادہ چاہیں اپنی جانوں کو ان ؐ کی جان سے ۔

غرض عام پکار سے پہلے قتال کا واجب ہونا ثابت ہے۔اس فرض کو ادا کرنا سب پر لازم ہے۔یہ نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے۔اب ایسی صورت میں غلام اپنے آقا، اولاد اپنے والدین اور بیوی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نکل پڑے گی۔کیونکہ نماز روزے کی طرح اب یہ شرعی طور پر مالک کی ملکیت سے مستثنیٰ ہیں۔

عام پکار نہ ہونے کی صورت میں فرض عین ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہر کے تمام لوگ ایک ہی مرتبہ نکل جائیں۔بلکہ ایک گروہ آئے اور دوسرا معاشی معاملے کو چلائے۔اگر یہ لوگ دشمن کے مقابلہ کے لئے ناکافی ہوں تو ان سے قریب والوں پر بھی فرض ہو جائے گا۔اگر وہ ناکافی ہوں تو اگلے علاقے کے مسلمانوں پر فرض ہو جائے گا۔اسی طرح تمام مشرق ومغرب کے مسلمانوں الاقرب فالاقرب کی ترتیب پر قتال فرض عین ہوتا چلا جائے گا۔یہاں تک کہ کافر مسلمانوں کا علاقہ چھوڑ کر شکست کھا کر بھاگ جائیں۔ایک قول یہ بھی ہے کہ جو مسلمان ایسی جگہ پر ہے جہاں سے حملہ آور دشمن مسافت سفر (۴۸ میل) کے فاصلے پر ہو تو اس پر بھی جہاد فرض عین ہو جائے گا۔

قتال ہر آزاد، عاقل، بالغ اور تندرست پر فرض ہے۔کسی معذور، اندھے یا بچے پر واجب نہیں ہوتا۔اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ کاسائیؒ لکھتے ہیں:

''جہاد سے مراد ہے قتال میں جہد خرچ کرنا۔جہد کہتے ہیں استطاعت اور طاقت کو یا پھر قتال کے عمل میں مبالغہ کرنے کو۔جسکی کوئی استطاعت نہ ہو وہ کیسے استطاعت کو خرچ کرے گا اور عمل قتال میں مبالغہ کرے گا۔لہذا یہ اندھے، لنگڑے، دائمی مریض، اپاہج بوڑھا، ضعیف، بیمار اور اسی طرح اس شخص پر فرض نہیں جس کے پاس خرچہ نہ ہو۔'' (۷)

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

---

(۷) بدائع الصنائع ۷/۲۶۳

واما على من يجب فهم الرجال الاحرار البالغون الذين يجدون بما يغزون الاصحاء، الاالمرضى ولا الزمنى وذلك لا خلاف فيه لقوله تعالى : ليس على الاعمىٰ حرج ولا على الاعرج حرج ولا على المريض حرج (النور ٢٤:٦١) وقوله :ليس على الضعفآء ولا على المرضىٰ ولا على الذين لا يجدون ما ينفقون حرج اذا نصحوا الله ورسوله (التوبة ٩:٩١)

اور جہاں تک تعلق ہے ان کا جن پر قتال فرض ہوتا ہے پس وہ مرد ہیں آزاد، بالغ، جو صحت مند ہیں لڑنے کے لئے اور مجھے الزام نہ دو اور اس میں کچھ خلاف نہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے لنگڑے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے۔ اور اس کا قول ہے نہیں ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں کوئی حرج جبکہ وہ خیر خواہ ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے۔(۸)

بچے اور عورت پر جہاد فرض نہیں کیونکہ ان کی جسمانی ساخت عموماً لڑائی کے لئے موزوں نہیں ہوتی۔(۹)

قتال جب فرض عین ہو جائے تو بوڑھے اور بیمار بھی جائیں تاکہ مسلمانوں کی اکثریت سے دشمن پر خوف طاری ہو۔(۱۰)

(۳) قتال میں مسلمانوں پر خرچ کرنے کا حکم :

جب تک مسلمانوں کے بیت المال میں مال ہو، قتال کرنے کے بدلے میں کچھ مال لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مزدوری کی مانند ہے اور کوئی ضرورت بھی پیش نہیں آئی ہے۔ بیت المال اسی لئے ہے کہ مسلمانوں کے حوادث میں کام آئے۔ اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو مسلمان ایک دوسرے کو قوت دے سکتے ہیں۔ ایسا کرنے میں تھوڑا ضرر اٹھا کر بڑا ضرر (کافروں کا) دور کرنا ہوتا ہے۔

اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے ہوتی ہے۔ آپؐ نے جنگ حنین میں چند زرہیں حضرت صفوانؓ سے لیں۔(۱۱)

حضرت عمرؓ زوجہ والے مرد کی طرف سے بغیر زوجہ والے (کنوارے) کو بھیجتے۔ جو شخص جہاد میں جانے کے قابل نہ ہوتا اس کا گھوڑا دیتے۔(۱۲)

آنحضورؐ نے فرمایا: غازی کے لئے اپنا ثواب ہے اور مال سے اس کی مدد کرنے والے کو اپنے مال اور غازی دونوں کا ثواب ہے۔ (۱۳)

شیخ ابن الہمام کہتے ہیں:

اس کے علاوہ مسلمانوں کا حکمران لوگوں کو حکم کرے کہ تم ایک دوسرے کی زادراہ، گھوڑے اور ہتھیار سے مدد کرو۔(۱۴)

---

(۸) بدایۃ المجتہد ۱/۲۷۸
(۹) بدائع الصنائع ۷/۲۶۳
(۱۰) ہدایہ ۲/۶۲۸
(۱۱) ابوداؤد، نسائی، مسند احمد
(۱۲) ہدایہ ۲/۶۲۸
(۱۳) ابوداؤد
(۱۴) ہدایہ ۲/۶۲۸

(۲) کیفیت قتال

۱۔قتال کے لئے بہترین دن:

قتال کے لئے بہترین دن جمعرات کا ہے۔غزوہ تبوک کے موقع پر آپ ؐ نے جمعرات کے دن خروج فرمایا۔آپ ؐ جمعرات کے دن جنگ کے لئے جانا پسند فرماتے تھے۔اس کی مختلف وجوہ ہوسکتی ہیں:

(۱) اس مبارک دن کو بندوں کے اعمال اللہ رب العزت کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں۔آپ ؐ کا ہر عمل خالص اللہ تعالی کی رضا کے لئے تھا۔اس لئے آپ عمل قتال کے بارے پسند فرماتے کہ وہ جمعرات کے روز اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں پہنچے۔

(۲) عدد کے لحاظ سے ہفتہ کے تمام دنوں میں سے کامل ترین دن ہے۔

(۳) لشکر کو ''خمیس''اور جمعرات کو عربی زبان میں ''یوم الخمیس'' کہتے ہیں۔لشکر کو خمیس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پانچ حصوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔مقدمہ،قلب،میمنہ،میسرہ،ساقہ۔

(۴) اس غرض سے کہ مسلمانوں کے لشکر کو کافروں کے لشکر پر فتح ،نصرت اور غلبہ حاصل ہو۔

۲۔قتال کے خروج کے لئے بہترین وقت :

قتال کے خروج کے لئے بہترین وقت صبح سویرے (نماز فجر کے بعد) دن کا آغاز ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث نبوی ؐ ہے:

عن صخر الغامدی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :"اللهم بارك لامتی فی بكورها"قال وكان اذا بعث سرية او جيشا بعثهم فی اول النهار ،قال وكان صخر رجلا تاجرا ،فكان يبعث تجارته فی اول النهار فاثری وكثر ماله (۱)

حضرت صخر بن وداعہ غامدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اللہ !میری امت کے لئے ان کے دن کی ابتدا میں برکت دے دیجیے اور آپ ؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ؐ جب کسی جماعت مجاہدین یا لشکر کو بھیجتے تو دن کی ابتدا میں بھیجتے۔خود حضرت صخر تاجر تھے مال تجارت دن کی ابتدا میں بھیجتے تھے جس سے ان کا مال خوب زیادہ ہو گیا تھا۔

۳۔لشکر کو الوداع کہنا :

رسول اللہ ﷺ جب لشکر کو رخصت کرتے وقت درج ذیل کلمات فرماتے:

عن قزعه قال قال لی ابن عمر هلم اودعك كما ودعنی رسول الله صلی الله علیه وسلم استودع الله دينك وامانتك وخواتيم عملك

---

(۱)سنن ابن ماجه ،كتاب التجارات ،باب مايرجی من البركة فی البكور ،رقم :۲۲۳۶

قزعہ کہتے ہیں مجھ سے ابن عمرؓ نے کہا: آؤ میں تمہیں اسی طرح رخصت کروں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رخصت کیا تھا: میں تمہارے دین، تمہاری امانت اور تمہارے انجام کار کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔(۲)

۴۔تعداد کے لحاظ سے بہترین لشکر:

تعداد کے لحاظ سے بہترین لشکر کے بارے میں رہنمائی اس حدیث میں موجود ہے۔

عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال خیر الصحابة اربعة وخیر السرایا اربع مائةو خیر الجیوش اربعة آلاف ولن یغلب اثنا عشر الفامن قلة ۔(۳)

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین جماعت مجاہدین چار سو افراد کی ہے اور بہترین لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کی تعداد کا لشکر قلت (عدد) کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہو گا۔

۵۔امیر کا لشکر کے پیچھے چلنا :

حضورؐ اپنے ساتھیوں سے پیچھے چلتے تھے اور کمزوروں کی سواری کو ہانکتے تھے اور ناتوانوں کو اپنے ساتھ بٹھا لیتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔

ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے دنیاوی حاکموں، بادشاہوں اور سربراہوں کی طرح اپنے لئے کوئی امتیازی شان پسند نہیں فرمائی۔اسی لئے آپ قافلہ کے ساتھ چلنے میں آگے رہنے کی بجائے پیچھے چلنے کو پسند فرماتے تھے۔اس لیے کہ اس میں تواضع کا اظہار بھی ہے تکبر سے بچاؤ بھی اور ساتھ ہی ساتھ چلنے والوں کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ تعاون بھی۔چنانچہ اگر کسی کی سواری سست ہوتی تو آپ اسے ہانک دیا کرتے تھے اور اگر کوئی پیدل چلنے والا کمزور سا ہوتا تو اسے اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے اور سب کے لئے دعا بھی کرتے جاتے۔"(۴)

۶۔قرآن پاک کا میدان جنگ میں لے جانا:

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کے علاقے یا دار الحرب میں قرآن مجید کو لے جانے سے منع فرمایا ہے:

---

(۲)سنن ابی داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی الدعاء عند الوداع،رقم:۲۶۰۰

(۳)سنن ابی داؤد ،کتاب الجهاد،باب فیما یستحب من الجیوش والرفقاء والسرایا،رقم:۲۶۱۱

(۴)ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد:۷۰

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن شریف کو دشمن ملک میں لے کر جانے سے منع فرمایا ہے۔(۵)
امام مالکؒ کے نزدیک منع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کہیں دشمن قرآن مجید کو لے کر اس کی توہین نہ کرے۔(۶)
ابن عبدالبر نے تمام فقہا کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جس چھوٹی فوج کو شکست کھانے کا خوف نہ ہو وہ قرآن پاک لے جائیں۔ جبکہ بڑی فوج کا قرآن پاک لے جانا مختلف فیہ ہے۔(۷)

۷۔کفار کے کسی علاقہ پر حملہ کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دینا لازمی ہے :

مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کافروں کے کسی علاقہ پر حملہ کرنے سے پہلے اس بات کی تحقیق کریں کہ انہیں اسلام کی دعوت پہنچی ہے یا نہیں اگر نہیں پہنچی تو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ کسی ایسی قوم پر حملہ نہ کریں جسے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو انہیں جزیہ دینے کی طرف بلائیں لیکن اگر وہ جزیہ بھی نہ دیں تو پھر انہیں کہیں کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تلوار کرے گی۔ غزوات میں بھی رسول اللہ ﷺ کا یہی طریق رہا ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

> حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر یا جماعت کا امیر بناتے تو اسے خصوصی طور پر اپنے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرنے اور ساتھ والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا حکم کرتے۔ پھر فرماتے اللہ تعالی کا نام لے کر اس کے راستہ میں لڑو۔ اس سے جس نے اللہ کو نہ مانا جہاد کرو اور چوری نہ کرو مال غنیمت میں دھوکہ مت دو، وعدہ نہ توڑو، مثلہ نہ کرو، چھوٹے بچے کو قتل نہ کرو اور جب اپنے مشرک دشمنوں سے ملو تو انہیں تین باتوں میں سے ایک کی طرف بلاؤ۔ ان میں سے جس کو بھی قبول کر لیں تو اسے ان کی جانب سے قبول کر کے ان سے جنگ کرنے سے باز رہنا۔ پھر انہیں اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اسے تسلیم کر لینا اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہنا۔ پھر انہیں کافروں کے ملک سے مہاجرین کے گھر (مدینہ منورہ) ہجرت کا حکم دینا اور انہیں بتلا دینا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں وہی اجر وثواب اور مال غنیمت ملے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے۔ ان پر بھی مہاجرین کی طرح حقوق و فرائض عائد ہوں گے۔ اگر وہ اپنے ملک سے منتقل ہونے سے انکار کریں تو انہیں بتا دینا کہ پھر وہ عام دیہاتی مسلمانوں کے حکم میں ہوں گے۔ ان پر اللہ تعالی کے وہی احکامات لاگو ہوں گے جو عام مسلمانوں پر لازم ہوتے ہیں۔ انہیں مال غنیمت اور مال فئے سے کچھ نہیں ملے گا، مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ لیکن اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرنا اگر وہ اسے مان لیں تو ان سے جزیہ قبول کر کے ان سے جنگ سے باز

---

(۵) بخاری، کتاب المغازی

(۶) مؤطا امام مالک مترجم، ۳۳۶

(۷) مؤطا امام مالک مترجم، ۳۳۶

رہو۔لیکن اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو اللہ تعالی سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کرنا اور تم جب کافروں کے کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے یہ مطالبہ کریں کہ انہیں اللہ تعالی اور اس کے نبی کا عہد و پیمان دیا جائے تو تم انہیں اللہ اور اس کے نبیؐ کا عہد و پیمان نہ دینا بلکہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے عہد و پیمان کو توڑو۔اگر تم کسی قلعے والوں کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے یہ مطالبہ کریں کہ تم انہیں اللہ تعالی کے حکم وفیصلہ کا پابند بناؤ تو انہیں اللہ کے حکم وعہد کا پابند نہ بنانا۔اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم ہے کہ تم ان کے بارے میں اللہ جل شانہ کے حکم کو پہچان سکو گے یا نہیں۔(۸)

مرتدین وغیرہ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا کیونکہ ان سے صرف اسلام ہی قابل قبول ہے۔اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

قل للمخلّفين من الاعراب ستدعون الى قوم اولى باس شديد تقٰتلونهم او يسلمون فان تطيعوا يوتكم الله اجرا حسنا وان تتولوا كما توليتم من قبل يعذبكم عذابا اليما (الفتح ۴۸:۱۶)

آپؐ دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے فرمادیں عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑتے رہو یا وہ اسلام قبول کرلیں،سو اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا اور اگر تم پھر گئے جیسے تم اس سے پہلے پھر گئے تھے تو وہ تمہیں عذاب دے گا دردناک عذاب۔

ابن عون سے روایت ہے کہ میں نے نافع کو لکھا کہ لڑائی سے پہلے کافروں کو دین کی دعوت دینا ضروری ہے؟انہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب کافروں کو دین کی دعوت نہیں پہنچی تھی اور جناب رسول کریمؐ نے بنی مصطلق پر حملہ کیا اور وہ غافل تھے۔جو ان میں سے لڑے آپؐ نے انہیں قتل کیا اور باقی کو قید کیا۔اسی دن جویریہ بنت حارث کو گرفتار کیا۔نافع نے کہا یہ حدیث مجھ سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے بیان کی وہ اس لشکر میں شریک تھے۔(۹)

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

اس حدیث سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جن کافروں کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو ان پر غفلت کی حالت میں یکا یک حملہ کرنا درست ہے۔نیز اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں:

(۱)مطلقا اطلاع دینا ضروری ہے۔یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے۔یہ ضعیف قول ہے۔

(۲)مطلقا اطلاع دینا ضروری نہیں۔یہ اس سے بھی زیادہ ضعیف اور باطل ہے۔

(۳)اگر کفار تک دعوت اسلام نہ پہنچی ہو تو اطلاع دینا واجب ہے ورنہ مستحب اور یہی صحیح ہے۔یہ مذہب امام شافعیؒ،لیث،ابوثور اور ابن منذر کا ہے۔(۱۰)

---

(۸)صحیح مسلم ،کتاب الجهاد والسير،باب فی الامراء علی الجیوش والسرایا والوصية لهم بما ينبغی

(۹)صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر (۱۰)شرح صحیح مسلم ۱/۵

اس حدیث سے یہ مفہوم بھی حاصل ہوتا ہے کہ عربوں کو غلام اور لونڈی بنانا درست ہے۔ اس لئے کہ بنی مصطلق عرب ہیں اور خزاعہ کی اولاد ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ جبکہ ایک جماعت کے نزدیک عرب غلام اور لونڈی نہیں ہوسکتے۔ یہ امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی ہے۔ (۱۱)

۸۔موت کے ڈر سے کلمہ کہہ دینے والے کا حکم :

جو شخص میدان جنگ میں کلمہ اسلام پڑھ دے اسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

''اسامہ بن زیدؓ سے (اور یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے بیان کی) کہا کہ ہمیں رسول اللہ نے ایک چھوٹے لشکر میں حرقات کی طرف بھیجا۔ میں نے ان میں سے ایک آدمی کو پکڑ لیا تو وہ کہنے لگا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر میں نے اسے مار ڈالا۔ پھر میرے دل میں اس کے بارے میں خوف پیدا ہوگیا۔ پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور تو نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے ہتھیار (ایک روایت میں قتل ہونے) کے ڈر سے کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا یہاں تک کہ تجھے معلوم ہوگیا کہ اس نے ہتھیار کے ڈر سے کلمہ اسلام کہا یا نہیں۔ پھر آپؐ یہی فرماتے جاتے یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔'' (۱۲)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد ہے

''مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں کسی کافر سے ملوں وہ مجھ سے لڑے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ ڈالے۔ اس کے بعد وہ درخت کی آڑ میں چھپ جائے اور کہے کہ میں خدا کے لئے اسلام لایا، کیا میں اس کو قتل کروں؟ یہ کہنے کے بعد آپؐ نے فرمایا نہیں اس کو قتل نہ کرو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے جو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو قتل نہ کر اگر تو قتل کرے گا تو وہ قتل سے پہلے تیری مثل ہو جائے گا اور تو اس کی مثل ہو جائے گا، جب تک اس نے یہ کلمہ نہ کہا تھا۔'' (۱۳)

۹۔آسانی پیدا کرنے کا حکم :

رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا

يسرا ولا تعسّراوبشّرا ولا تنفّراوتطاوعاولا تختلفا

---

(۱۱) شرح صحیح مسلم ۱/۵

(۱۲) صحيح مسلم ،كتاب الايمان، باب تحريم قتل الكافر بعد ان قال لا اله الا الله، رقم:۹۶

(۱۳) صحيح بخارى، كتاب المغازى، باب شهود الملائكة بدرا، رقم :۳۷۴۰

آسانی پیدا کرو اور سختی پیدا نہ کرو اور خوش کرو اور نفرت نہ دلاؤ اور اتفاق سے کام کرو اور پھوٹ نہ ڈالو۔(۱۴)

امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''تاکہ لوگ جلدی جلدی دین اسلام کو قبول کریں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط وعید کو بیان کرنا اور صرف لوگوں کو ڈرانا خوف نہیں بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت، کرم اور بخشش کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح نابالغ لڑکوں، نومسلموں اور گناہ گاروں پر آسانی کرنا چاہئے اور یہ بیان کرنا چاہئے کہ توبہ سب گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور اسلام سب گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔''(۱۵)

۱۰۔ دشمن سے سامنا کرنے کی خواہش کرنا :

رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے سامنا کرنے کی خواہش کرنے سے منع فرمایا۔ ارشاد نبویؐ ہے

یا ایھا الناس لا تتمنّوا لقاء العدوّ و اسالوا اللہ العافیة ،فاذا لقیتموھم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف ،ثم قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللھم منز ل الکتاب ومجری السحاب ،وھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم (۱۶)

اے لوگو دشمن سے ملاقات کی آرزو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہو۔ پھر جب تمہارا دشمن سے سامنا ہو تو صبر کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے، پھر نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کتاب کے اتارنے والے، بادلوں کے چلانے والے، لشکروں کو بھگا دینے والے، بھگا دے ان کو اور ان کے خلاف ہماری مدد کر۔

۱۱۔ حملہ کرنے سے پہلے اہل علاقہ کا مسلمان ہونے کا اطمینان کرنا:

حملہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اہل علاقہ کے بارے میں اطمینان کیا جائے کہ وہ مسلمان بھی ہیں یا نہیں۔

حضرت انسؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول بیان فرمایا ہے کہ آپ صبح کے وقت حملہ کرتے، اگر اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ نہ کرتے اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو حملہ کرتے۔(۱۷)

حضرت عصامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک چھوٹے لشکر میں بھیجا تو آپؐ نے فرمایا جب تم مسجد دیکھو یا موذن کو اذان کہتے سنو تو کسی کو قتل نہ کرو۔(۱۸)

---

(۱۴)صحیح مسلم ،کتاب الجهاد والسیر،باب فی الامر بالتیسیروترك التنفیر،رقم:۳۲۶۹

(۱۵)شرح صحیح مسلم للنووی ،کتاب الجهاد والسیر،باب فی الامر بالتیسیروترك التنفیر،رقم:۳۲۶۹

(۱۶)صحیح مسلم ،کتاب الجهاد والسیر،باب کراهة تمنی لقاء العدو والامر،رقم :۳۲۸۲

(۱۷)بخاری کتاب المغازی

(۱۸)ابوداود، کتاب الجہاد

۱۲۔اللہ تعالیٰ سے مدد چاہنا :

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبیؐ جب حملہ کرتے تو فرماتے:

اللھم انت عضدی وانت نصیری وبك اقاتل (۱۹)

اے اللہ تو ہی میرا بازو اور تو ہی میرا مددگار ہے اور تیری مدد کے ساتھ میں لڑتا ہوں

۱۳۔قتال میں خواتین کی شرکت :

عہد نبویؐ میں خواتین بھی مسلمان مجاہدین کی مدد کے لئے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کرتی تھیں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

عن انس بن مالك قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزوا بام سليم ونسوة من الانصار معه اذا غزا فيسقين الماء ويداوين الجرحى۔(۲۰)

حضرت انس بن مالکؓ نے کہا رسول اللہﷺ ام سلیم کو جہاد میں لے جاتے اور انصار کی کئی عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔جب حضورؐ اور صحابہؓ جہاد کرتے تو یہ عورتیں ان کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی دوا کرتیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں اس مسئلہ کے بارے میں لکھا ہے:

بوڑھی عورتیں بڑے لشکر کے ساتھ جائیں تا کہ کھانا پکانا اور پانی پلانا اور مریضوں وزخمیوں کا علاج کرنا اور اسی طرح کے دوسرے کام کریں، جو جوان عورتیں ہیں ان کا اپنے گھروں میں ٹھہرنا لازم ہے کہ اس میں فتنہ زیادہ تر دور ہوگا۔اگر ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں۔اگر مجاہدین اپنی بیویوں کو بغرض جماع وخدمت ساتھ لے جائیں تو یہ بھی درست نہیں ہے۔اگر خواہ مخواہ لے جانا ہی ضروری ہو تو باندیوں کو لے جائیں۔آزاد عورتوں کو نہ لے جائیں۔زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بوڑھی عورتوں کا بھی لے جانا جائز نہیں ہے۔عورتیں قتال نہ کریں کیونکہ اس سے مسلمانوں کا ضعف ہوگا۔(۲۱)

۱۴۔عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت:

حضورؐ نے میدان جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

ایک عورت ایک جنگ میں مقتول پائی گئی۔آپؐ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔(۲۲)

امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے بشرطیکہ وہ لڑے

---

(۱۹)صحیح ترمذی رقم:۳۵۸۴

(۲۰)صحیح مسلم،کتاب الجهاد والسير،باب غزوة النسآء مع الرجال ،رقم :۱۸۱۰

(۲۱)ہدایہ۲/۶۳۳

(۲۲)صحیح مسلم،کتاب الجهاد والسير

نہ ہوں اور جو لڑتے ہوں قتل کر دیے جائیں۔اسی طرح ضعیف اور بوڑھوں کو اس وقت قتل نہیں
کیا جا سکتا جب وہ جنگ کے معاملات میں مشورہ نہ دیتے ہوں، اگر مشورہ دیتے ہوں تو انہیں
قتل کر دیا جائے۔البتہ نصرانی درویشوں کے بارے میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ اور امام
مالکؒ کے نزدیک قتل نہ کیے جائیں۔جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک قتل کر دیے جائیں۔" (۲۳)

اگر مجاہدین رات کو حملہ کریں اور اس حملہ میں عورتیں اور بچے قتل ہو جائیں تو یہ قتل درست ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ یہ قتل ارادے کے ساتھ نہ کیا جائے بلکہ اتفاقی ہو۔

صعب بن جثامہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد اور ان کی عورتوں کے بارے میں سوال کیا گیا جب وہ رات کے چھاپے میں مارے جائیں۔آپؐ نے فرمایا وہ ان مشرکوں کے حکم میں شامل ہیں۔(۲۴)

ایک غزوہ میں آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کیا جائے۔(۲۵)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بنی قریظہ میں ایک عورت کے علاوہ کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا۔وہ عورت میرے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی اور ہنستی جاتی تھی۔اسطرح کہ اس کی پیٹھ اور پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔رسول اللہ ﷺ اس کے مردوں کو بازار میں قتل کر رہے تھے۔یہاں تک کہ ایک پکارنے والے نے اس کا نام لے کر پکارا کہ فلانی عورت کہاں ہے؟ وہ بولی میں ہوں۔میں نے پوچھا یہ تجھ کو کیا ہوا؟ وہ بولی میں نے ایک نیا کام کیا۔آپؐ کو (معاذ اللہ) گالیاں دی ہیں۔حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ پھر وہ پکارنے والا اس کو لے گیا اور اس کی گردن ماردی گئی۔میں اب تک نہیں بھولی جیسا کہ مجھے اس وقت تعجب ہوا تھا کہ وہ ہنستی جاتی ہے، اتنا کہ اس کے پیٹ اور پیٹھ میں بل پڑ رہے تھے۔حالانکہ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں قتل کر دی جاؤں گی۔(۲۶)

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جنگ میں شریک نہ ہونے والی خواتین کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔اگر اتفاقی طور پر ہو جائیں تو جائز ہے۔نیز رسولؐ کی گستاخی کرنے والی عورت کو بھی قتل کیا جائے گا۔

۱۵۔باغات کی تباہی ایک خصوصی اجازت:

رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کی کھجوروں کے درخت جلوا دیے اور کاٹ ڈالے جنہیں "بویرہ" کہتے تھے۔(۲۷)

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ما قطعتم مّن لّينةٍ او تركتموها قآئمةً علىٰٓ اصولها فباذن الله وليُخزىَ الفٰسقين (الحشر ۵۹:۵)

جو تم نے درختوں کے تنے کاٹ ڈالے، یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا،
تو (یہ) اللہ کے حکم سے تھا اور تا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کر دے۔

---

(۲۴) شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الجہاد والسیر :۵/۷

(۲۵) ابوداود، کتاب الجہاد

(۲۶) ابوداود، کتاب الجہاد

(۲۷) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

حضرت حسانؓ کا یہ شعر بھی اسی واقعہ سے متعلق ہے:

وهان على سراة بنى لوى حريق بالبويرة مستطير۔(۲۸)

امام نوویؒ نے درج بالا حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''اس حدیث سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ کافروں کے درخت کاٹنا یا جلانا، اسی طرح ان کے باغ یا کھیت تلف کرنا درست ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔ جبکہ ابوبکر، لیث اور اوزاعیؒ کے نزدیک درست نہیں۔''(۲۹)

۱۶۔ لڑائی میں حیلہ اور تدبیر:

لڑائی میں جنگی چال چلنا، حیلہ اور تدبیر کرنا درست ہے۔ اس کے جواز کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحرب خدعة (۳۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنگ حیلہ اور تدبیر کا نام ہے۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جنگ میں عقلمندی اور تدبیر ضروری ہے اور یہ دھوکہ بازی نہیں ہے کیونکہ دھوکہ اس کو کہتے ہیں جو قول دے کر توڑ دے۔ فریب اور مکر اس سے مختلف چیز ہے۔ وہ کافروں کے ساتھ درست ہے۔ حدیث میں تین مقامات پر جھوٹ بولنا درست ہے۔ ایک لڑائی میں۔ اس جھوٹ سے مراد کنایہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حقیقتاً جھوٹ بھی درست ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ لڑائی میں جھوٹی باتیں بنا کر دشمن کو قتل کیا جا سکتا ہے۔(۳۱)

کسی گستاخ نبی اور دشمن اسلام کو جھوٹی باتیں بنا کر قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں محمد بن مسلمہؓ نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے کے لئے کچھ باتیں بنانے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اسے اجازت دے دی اور بعد میں اسے اسی تدبیر سے قتل کیا۔(۳۲)

۱۷۔ قتال میں کفار سے استعانت:

رسول اللہ ﷺ نے قتال میں کفار سے مدد مانگنے سے منع کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف نکلے جب حرۃ الوبرہ

---

(۲۸) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير

(۲۹) شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الجهاد والسير: ۸/۵

(۳۰) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب جواز الخداع فى الحرب، رقم: ۱۷۳۹

(۳۱) شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الجهاد والسير: ۵/۵

(۳۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب المغازی

میں پہنچے تو ایک شخص آپ ؐ سے ملا جس کی بہادری اور اصالت کا شہرہ تھا۔ اصحاب رسول ؐ اسے دیکھ کر خوش ہوئے ۔ جب آپ ؐ سے ملا تو اس نے کہا میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ ؐ کے ساتھ چلوں اور جو ملے اس میں حصہ پاؤں ۔ آپ ؐ نے فرمایا تجھے یقین ہے اللہ اور اس کے رسول کا ،اس نے کہا نہیں ۔ آپ ؐ نے فرمایا تو لوٹ جا میں مشرکین سے مدد نہیں چاہتا ، پھر آپ ؐ چلے جب شجرہ پہنچے تو وہ شخص پھر آپ ؐ سے ملا اور آپ ؐ نے فرمایا تجھے یقین ہے اللہ اور اس کے رسول کا ،اس نے کہا نہیں ۔ آپ ؐ نے فرمایا تو لوٹ جا میں مشرکین سے مدد نہیں چاہتا۔ اس کے بعد پھر آپ ؐ سے بیدا میں ملا آپ ؐ نے فرمایا تجھے یقین ہے اللہ اور اس کے رسول کا ،اس پر وہ شخص بولا ہاں میں یقین رکھتا ہوں ۔آپ ؐ نے فرمایا تو خیر چل ۔(۳۳)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے صفوان ؓ بن امیہ سے جنگ میں مدد لی اور وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ امام نووی ؒ اس اختلاف کی تطبیق یوں فرماتے ہیں:

''بعض علماء نے مطلقا مشرک سے مدد لینے کو منع کیا ہے اور امام شافعی ؒ کا یہ قول ہے کہ اگر ضرورت ہو اور کافر مسلمانوں کا خیر خواہ ہو تو اس سے مدد لینا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔ امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ، امام ابوحنیفہ ؒ اور جمہور علماء کے نزدیک: اس صورت میں جب کافر لڑائی میں شریک ہو تو اس کو انعام ملے گا، حصہ نہیں ملے گا۔ جبکہ امام زہری اور امام اوزاعی ؒ کے نزدیک اس کو حصہ ملے گا۔''(۳۴)

۱۸۔ مثلہ کی ممانعت :

عربوں میں رواج تھا کہ کسی دشمن کے اعضاء کا مثلہ کرتے ، یعنی اعضاء کو کاٹتے اور ضائع کرتے تھے۔ اسلام میں دشمن کی لاشوں کو بے حرمت کرنے اور ان کے اعضاء کاٹنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن النهبى والمثلة ۔(۳۵)

نبی کریم ﷺ نے لوٹ کے مال اور مثلہ سے منع فرمایا

آپ ؐ جب کسی کو لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے اور مسلمانوں میں سے جو اس کے ساتھ ہوتا انہیں اچھائی کی وصیت فرماتے پھر فرماتے اللہ کی راہ میں اللہ کا نام لے کر لڑو، جو اللہ کا انکار کرے اس سے لڑو اور زیادتی نہ کرو اور دھوکہ نہ کرو اور مثلہ نہ کرو۔(۳۶)

---

(۳۳)صحیح مسلم ،کتاب الجهاد والسیر، باب کراهة الاستعانة فی الغزو بکافر، رقم :۳۳۹۴

(۳۴)شرح صحیح مسلم للنووی ،کتاب الجهاد والسیر:۱۰۸/۵

(۳۵)صحیح البخاری، کتاب المظالم ،باب النهبی بغیر اذن صاحبه، رقم:۲۳۴۲

(۳۶)صحیح مسلم ،کتاب الجهاد والسیر، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیته ایاهم بآداب الغزو وغیرها، رقم : ۱۷۳۱

درج بالا احادیث کی رو سے دشمن کی لاش کا مثلہ کرنا حرام ہے۔مثلہ کے سلسلہ میں عرینہ والوں کی مثال منسوخ ہے۔ایک حدیث میں عرینہ والوں کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

عرینہ کے چند لوگوں نے مدینہ میں آ کر اسلام قبول کیا اور بیمار ہو گئے۔آپؐ نے ان کو زکوٰۃ کے اونٹوں میں بھیجا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پئیں۔پھر جب اچھے ہو گئے تو چرواہوں کو قتل کر کے گلہ ہانک لے گئے۔مگر گرفتار کر لئے گئے۔پس آپؐ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم فرمایا اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیرنے کا حکم دیا۔(۳۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ

آنحضورؐ نے اس کے بعد کوئی خطبہ نہیں پڑھا مگر ضرور اس میں مثلہ سے منع فرمایا۔(۳۸)

صاحب ہدایہ رقمطراز ہیں:

''صحیح بخاری کی بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرینہ والوں نے چرواہوں کی آنکھیں ببول کے کانٹوں سے پھوڑی تھیں تو ان کے قصاص میں آنحضورؐ نے عرینہ والوں کی آنکھیں پھوڑیں۔ابن سعد نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ابن ابی شیبہ نے عمران بن حصینؓ کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ہر ایک خطبہ میں ہم کو صدقہ پر آمادگی دلاتے اور مثلہ سے منع فرماتے۔بیہقیؒ نے معرفت میں کہا ہے کہ عرینہ والوں کا قصہ یا تو منسوخ ہے (جیسا کہ قتادہ اور ابن سیرین سے مروی اور امام شافعیؒ کا قول ہے) یا عرینہ والوں کا مثلہ کرنا چرواہوں کے عوض میں تھا۔میں کہتا ہوں کہ عرینہ والوں سے قصاص میں لیا گیا ورنہ مثلہ ہمیشہ سے ممنوع ہے۔''(۳۹)

۱۹۔محاذ جنگ سے پسپائی:

جنگ کے دوران پیٹھ پھیرنے سے منع کیا گیا ہے،لیکن دو وجوہات پر پیٹھ پھیرنا جائز بھی ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

یـایھـا الـذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ○ ومـن یـولھم یومئذ دبره الا متحـرفا لقتال او متحیزا الی فئة فقد بآء بـغـضـب مـن الـلـه ومـاوٰه جهـنم وبئـس المصیر (الانفال ۸:۱۵،۱۶)

اے ایمان والو!جب تمہارا میدان جنگ میں کفار سے سامنا ہو تو ان سے پیٹھیں نہ پھیرو اور جو ان میں سے آج کے دن اپنی پیٹھ پھیرے گا سوائے جنگی چال چلنے کے لئے یا فوج سے جا ملنے کے لئے ،پس تحقیق وہ اللہ کے غصے کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔

---

(۳۷)مشکاة المصابیح ،کتاب الدیات،باب قتل اهل الردة والسعایة بالفساد،رقم۳۵۳۹

(۳۸)بیہقی (۳۹)ہدایہ۲/۶۳۵

ان آیات میں اللہ تعالی نے مومنین کو میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حکم اور ممانعت عام ہے۔ لیکن دو وجوہات اس حکم سے مستثنی ہیں یعنی جنگی چال کے طور پر یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لئے پیٹھ پھیری جا سکتی ہے۔
علامہ علاؤالدین کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''اگر مجاہدین کے پاس مشرکین کا لشکر آئے، جس کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہو۔ نیز انہیں خوف ہو کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ پسپا ہو کر مسلمانوں کے کسی شہر یا کسی لشکر میں چلے جائیں۔ اس بارے میں فیصلہ غالب رائے اور اکبر ظن سے ہوگا، نہ کہ تعداد سے۔ چنانچہ اگر مجاہدین کا گمان غالب ہو کہ وہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو ثابت قدم رہنا ان پر لازم ہے۔ خواہ وہ تعداد میں ان سے بہت کم ہوں۔ اگر ان کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ مغلوب ہو جائیں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ پسپا ہو کر مسلمانوں کے پاس چلے جائیں تا کہ ان سے مدد حاصل کر لیں۔''(۴۰)

۲۰ : اطاعت امیر کا حکم :

اللہ تعالی نے اہل ایمان پر تین اطاعتیں فرض کی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بعد اپنے امیر کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد الہی ہے:

یا یھا الّذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم (النسآء۴:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحب حکومت ہیں

قرآن مجید کی طرح نبی مکرم ﷺ نے مسلمانوں کو امیر کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن یعصنی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی ۔(۴۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو میری نافرمانی کرتا ہے اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جو امیر کی اطاعت کرے گا پس تحقیق اس نے میری اطاعت کی اور جو امیر کی نافرمانی کرے گا پس تحقیق اس نے میری نافرمانی کی۔

علامہ وحید الزمان اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''حدیث سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ امیر کی اطاعت فرض ہے اور اس کی نافرمانی رسول

---

(۴۰) بدائع الصنائع، ۷/۲۶۴

(۴۱) صحیح مسلم ،کتاب الامارہ ،باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ،رقم :۱۸۳۵

کی نافرمانی ہے۔ یہ اجازت اس وقت تک ہے جب تک امام کا حکم خلاف شریعت نہ ہو۔ اگر مسئلہ اختلافی ہو اور امام ایک قول پر چلنے کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ دوسری حدیث میں ہے خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔(۴۲)

ابن جریج نے کہا کہ

''آیت **اولی الامر منکم** عبداللہ بن قیس بن عدی کی شان میں اتری جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کا سردار بنا کر بھیجا۔''(۴۳)

عقبہ بن مالک سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا، میں نے ان میں سے ایک شخص کو تلوار دی جب وہ لوٹا تو اس نے مجھ سے بیان کیا کہ کاش تو دیکھتا جیسے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ملامت کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم سے نہیں ہوسکتا جب میں نے ایک شخص کو بھیجا وہ میرا حکم نہیں بجالایا تو تم اس شخص کو مقرر کرو جو میرا حکم بجالائے اور اس کو نکال دو جو میرے حکم کی تعمیل نہ کرے۔''(۴۴)

ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

(امیر کی) اطاعت اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے بلکہ تابع داری اس کام میں چاہیے جو دستور کے مطابق ہو۔(۴۵)

حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

سننا اور ماننا مسلمان پر تب تک واجب ہے جب تک گناہ کا حکم نہ ہو۔ اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا چاہیے اور نہ ماننا چاہیے۔(۴۶)

مرقاۃ الصعود میں ہے کہ

اگر بادشاہ اسلام کے فرض کا حکم کرے تو ماننا فرض ہے۔ اگر واجب کا حکم کرے تو ماننا واجب ہے۔ اگر سنت کا کرے تو سنت ہے اور اگر مستحب کا کرے تو مستحب ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے

آنحضورؐ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تمہارے اوپر ایک حبشی کو سردار بنایا جائے جس کا سر انگور کی طرح ہو۔(۴۷)

علامہ وحیدالزمان اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

---

(۴۲) فوائد سنن ابن ماجہ، ۲/۵۵۰

(۴۳) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد

(۴۴) ابوداؤد، کتاب الجہاد

(۴۵) ابوداؤد، کتاب الجہاد

(۴۶) ابوداؤد کتاب الجہاد

(۴۷) ابن ماجہ کتاب الجہاد

''اس حدیث میں) چھوٹے سر والا اکثر احمق ہوتا ہے۔اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے سر والا امامت کبری کے لائق ہے کیونکہ امامت کبری کے لئے قرشی ہونا شرط ہے۔ بلکہ حدیث کا یہ مطلب ہے کہ امام کے حکم سے اگر کسی لشکر کا سردار اس قسم کا بیوقوف شخص بھی بنایا جائے تو بھی امام کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے۔اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔اس کے حکم سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔بعض علماء نے کہا یہ مبالغہ کے طور پر فرمایا یعنی اگر بالفرض حبشی بھی تمہارا امام ہو تو اس کی اطاعت بھی لازم ہے۔ اس حدیث میں کمال ترغیب ہے امام اور حاکم کی اطاعت کی۔''(۴۸)

حضورؐ نے فرمایا:

''اگر تمہارے اوپر حبشی غلام امیر بنایا جائے ناک کٹا یا کن کٹا تو بھی اس کی بات سنو اور مانو جب تک وہ اللہ کی کتاب کے موافق تم کو لے چلے۔''(۴۹)

حضرت ابوذر غفاریؓ سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے:

''ایک جگہ حضرت ابوذر غفاریؓ تشریف لے گئے تو نماز کی تکبیر ہوئی وہاں ایک غلام لوگوں کی امامت کرتا تھا۔لوگوں نے اس سے کہا یہ حضرت ابوذرؓ ہیں اس نے پیچھے ہٹنا چاہا۔حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا مجھے تیرے جانی محبوب نے وصیت کی کہ بات سن اور کہا مان اگرچہ حبشی غلام ہو اعضا کٹا ہوا۔''(۵۰)

۲۱۔قتال کے وقت دعا:

عن ابی اوفی قال سمعته یقول یعنی النبی صلی الله علیه وسلم یدعواعلی الاحزاب فقال اللهم منزل الکتاب سریع الحساب اهزم الاحزاب اللهم اهزمهم وزلزلهم(۵۱)

حضرت ابی اوفی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا لشکروں کے خلاف دعا کرتے پس فرمایا اے اللہ کتاب کو آہستہ اتارنے والے اور جلدی حساب کرنے والے لشکروں کو شکست دینے والے،اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا دے۔

---

(۴۸) فوائد سنن ابن ماجہ،۲/۵۵۱

(۴۹) سنن ترمذی،کتاب الجهاد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ،باب ما جاء فی طاعة الامام،رقم:۱۷۰۶

(۵۰) سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد

(۵۱) سنن ترمذی،کتاب الجهاد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ،باب ما جاء فی الدعاء عند القتال،رقم:۱۶۷۸

(۳) امان کا حکم

امان سے مراد ہے پناہ دینا۔ امان سے کفار کے لئے امن کا ثابت ہونا ہے۔ اس لئے کہ جس لفظ سے امان دی جاتی ہے وہ قیام امن پر رہنمائی کرتا ہے۔ وہ لفظ ''اَمَّنْتُ'' ہے۔ چنانچہ اس لفظ سے کافروں کو قتل کئے جانے، قیدی بنائے جانے سے یا مال غنیمت بنائے جانے سے امن حاصل ہوگیا ہے۔ اب مسلمانوں پر ان کے مردوں کو قتل کرنا، ان کی عورتوں اور اولادوں کو قیدی بنانا اور ان کے اموال کو غنیمت بنانا حرام ہوگیا۔ (۱)

مستامن وہ شخص ہوگا جو امان لے کر آیا ہے۔ مستامن کے متعلق فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

> ''اگر حربیوں (جنگجوؤں) میں سے کوئی شخص امان لے کر مسلمانوں کے پاس آیا یا ہمارے ہاں سے کوئی مسلمان امان لے کر حربیوں کے پاس گیا تو وہ مستامن ہے۔ اس کو غدر اور خیانت کرنا جائز نہیں ۔ یہ بالا جماع حرام ہے۔ ہاں اگر اس مسلمان کے ساتھ کفار کے بادشاہ نے غدر کیا یا بادشاہ کی لاعلمی میں دوسرے کافروں نے اس کے ساتھ غدر کیا اور بادشاہ نے منع کیا تو مسلمان پر عہد نہیں رہا۔'' (۲)

۱۔ امان کی اقسام :

امان کی دو قسمیں ہیں۔

(i) امان مؤقت :

ایسی امان جو کسی خاص مدت یا خاص وقت کے لئے ہو۔

(ii) امان مؤبد :

ایسی امان جو ہمیشہ کے لئے ہو۔ (۳)

۲۔ امان کا رکن :

امان کا رکن ایسا لفظ ہے جو امان پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً مقاتل (لڑنے والا) کہے: میں نے تمہیں امان دی، تم امان میں ہو یا میں نے تمہیں امان عطا کی یا اس مفہوم کا کوئی اور لفظ کہے۔ مثلاً **لا تخف، لا باس عليك، لك امان الله، لك عهد الله، لك ذمة الله** یا اس سے کہا بڑھ آ اور اللہ تعالیٰ کا کلام سن یا اس سے کہا کہ '' **اجرناك** ''، ہم نے بچاؤ دیا تو بھی اس کو امان حاصل ہوگئی۔ اگر سردار اسلام نے کسی گروہ سے جو قلعہ میں محصور ہیں کہا کہ تم امان یافتہ ہو، یا ہماری طرف نکلو یا ہمارے پاس اتر و یا ہم سے خرید وفروخت کرو۔ یہ سب الفاظ امان دیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ (۴)

اگر آزاد مسلمان مرد یا عورت نے کسی کافر یا ایک جماعت کفار کو یا اہل قلعہ کو یا ایک شہر والوں کو امان دی تو اس کا ان لوگوں کو امان دینا درست ہے۔ مسلمانوں میں سے کسی کے لئے ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس کا امان دینا خلاف مصلحت یا باعث فساد ہو یا

---

(۱) بدائع الصنائع ۷/ ۲۸۳
(۲) فتاوی عالمگیری ۳/ ۳۵۱
(۳) بدائع الصنائع ۷/ ۲۸۰
(۴) فتاوی عالمگیری ۳/ ۳۵۳

اس میں فساد نظر آئے تو امام المسلمین ان کی امان توڑنے کی ان کو اطلاع دے گا۔اس شخص کو جس نے امان دی تھی تادیب کرے گا۔(۵)

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص کو امان دی اور رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کی امان کو جائز قرار دیا۔(۶)

ذمی کا امان دینا باطل ہے۔لیکن اگر امام نے ذمی کو حکم دیا کہ ان حربیوں کو امان دے تو اس کا امان دینا جائز ہے۔مکاتب کا امان دینا جائز ہے۔جو مسلمان اہل حرب کے ملک میں تاجر ہیں یا جو مسلمان ان کے ہاتھ میں مقید ہے اس کا امان دینا روا نہیں ہے۔جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا اور وہاں موجود ہے اور اس نے اہل حرب کو امان دے دی تو اس کی امان جائز نہیں ہے۔(۷)

ایسے غلام کی طرف سے امان کا دیا جانا بالا جماع جائز ہے، جسے مالک کی طرف سے قتال کرنے کی اجازت دی گئی ہو۔جس غلام کو قتال کرنے سے روکا گیا ہو، کیا اس کی طرف سے امان کا دیا جانا جائز ہے؟ اس بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں۔جبکہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔امام محمدؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے خون مساوی ہیں اور ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ان کا ادنی شخص بھی کوشش کرے گا۔ اور ذمہ عہد ہوتا ہے اور امان بھی عہد کی ایک قسم ہے۔مسلمان غلام مسلمانوں میں ادنی ہوتا ہے۔اس لئے حدیث اس کو بھی شامل ہے۔

پھر اس کی یہ بھی دلیل ہے کہ مالک کی ممانعت نقصان دہ تصرفات کے حق میں بلکہ نفع بخش تصرفات کے ضمن میں اسے کوئی ممانعت نہیں ہوتی۔جیسے ہبہ وصدقہ کو قبول کرنا ہے۔غلام کی طرف سے امان دیے جانے میں مالک کی کسی منفعت پر زد نہیں پڑتی۔چنانچہ اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں۔کیونکہ یہ معاملہ تھوڑے وقت میں طے پایا جاتا ہے۔بلکہ اس میں تو اس کا اور تمام مسلمانوں کا فائدہ ہے۔لہذا امان دینے سے مالک کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔چنانچہ وہ اس غلام کے مشابہ ہے جسے قتال کی اجازت دی گئی ہو۔یہی حکم باندی کا بھی ہے۔(۸)

پاگل اور بچے کی امان جائز نہیں کیونکہ تصرف کی اہلیت کے لئے عقل شرط ہے۔اگر وہ اسلام کو سمجھتا ہو اور وصف اسلام بیان کرتا ہو یعنی اسلام کس کو کہتے ہیں؟ پس وہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتا ہو۔حالانکہ وہ قتال سے ممنوع ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کی امان درست نہیں اور امام محمد کے نزدیک درست ہے، اگر وہ قتال کے لئے اجازت یافتہ ہو۔زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ ہمارے اصحاب حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہے۔(۹)

وہ نابالغ جس کے دماغ میں خلل ہو اگر امان دے تو جمہور علماء کے نزدیک درست نہیں ہوگی۔جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے۔ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ امان کی اہلیت ایمان کی اہلیت پر مبنی ہے۔امام محمدؒ کے نزدیک جو نابالغ اسلام کو سمجھتا ہے وہ اہل ایمان میں سے ہے۔لہذا وہ اہل امان میں سے ہے، جیسے بالغ ہوتا ہے۔(۱۰)

امان کے جواز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مسلمان کمزور ہوں اور کفار طاقتور ہوں۔یہ حالت مخفی ہوتی ہے۔اس سے آگاہی غور وفکر کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے اور نابالغ غور وفکر نہیں کر سکتا کیونکہ اسے تو لہو ولعب کی لگن ہوتی ہے۔(۱۱)

---

(۵) فتاوی عالمگیری ۳۵۱/۳
(۶) فتاوی عالمگیری ۳۵۱/۳
(۷) فتاوی عالمگیری ۳۵۱/۳
(۸) بدائع الصنائع ۲۸۱/۷
(۹) فتاوی عالمگیری ۳۵۲/۳
(۱۰) فتاوی عالمگیری ۳۵۲/۳
(۱۱) بدائع الصنائع ۲۸۲/۷

قتال فرض ہے اور امان قتال کو حرام کر دیتی ہے۔ الا یہ کہ جب ایسی حالت میں امان دی جائے کہ اس وقت مسلمان کمزوری میں ہوں اور کفار طاقت میں ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں امان قتال کی تیاری کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ امان معنوی طور پر قتال ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے لئے جو ذریعہ ہوتا ہے اس کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس چیز کا ہوتا ہے۔(۱۲)

جہاں تک امان کے حکم کی صفت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو لازم (Binding) نہیں۔ یہاں تک کہ اگر امام اسے توڑنے میں مصلحت دیکھے تو اسے توڑ سکتا ہے۔ کیونکہ امان کا جواز ہی مصلحت کے لئے ہے، باوجودیکہ یہ فرض قتال کے ترک کو شامل ہے۔ لہذا اگر مصلحت اسے توڑنے میں ہو تو اسے توڑ دیا جائے۔(۱۳)

---

(۱۲) بدائع الصنائع ۷/۲۸۲

(۱۳) بدائع الصنائع ۷/۲۸۲

(۴) قیدیوں سے متعلق احکام ومسائل

قیدیوں سے متعلق ایک آیت میں جامع حکم دیتے ہوئے ارشاد الٰہی ہے

فاذا لقیتم الَّذین کفروا فضرب الرِّقاب حتّٰی اذآ اثخنتموھم فشدُّوا الوثاق فاِمَّا مَنّاً بعدُ وامَّا فدآءً حتّٰی تضع الحرب اوزارھا (محمد ۴:۴۷)

جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو (تو ان قیدیوں کو) مضبوط باندھو، پھر یا تو بلا معاوضہ ان کو چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈالے۔

مفتی محمد شفیعؒ تفسیر مظہری کے حوالے سے قیدیوں کے احکامات کی جامع وضاحت فرماتے ہوئی لکھتے ہیں:

''اس آیت میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو قیدیوں کے بارے میں چار اختیار دیے گئے ہیں۔ چاہیں تو سب کو قتل کر دیں، چاہیں تو غلام بنالیں، چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں یا چاہیں تو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیں۔ پہلے دو اختیارات پر پوری امت کا اتفاق ہے لیکن معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ چھوڑ دینے میں فقہاء امت کا اختلاف ہے۔امام مالکؒ ،شافعیؒ،احمد بن حنبلؒ، ثوریؒ، اسحاقؒ، حضرت حسن بصریؒ اور عطاء کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں صورتیں بھی امیر المسلمین کے لئے جائز ہیں کہ قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دے یا بلا معاوضہ آزاد کر دے یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر دے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمد اوزاعی ،قتادہ ،ضحاک ،سدی اور ابن جریج فرماتے ہیں کہ بلا معاوضہ چھوڑنا تو بالکل جائز نہیں۔ فدیہ لے کر چھوڑنا بھی امام ابوحنیفہؒ کے مشہور مذہب میں جائز نہیں۔البتہ سیر کبیر کی روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو فدیہ لے کر چھوڑ سکتے ہیں۔البتہ مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں ان کو چھوڑ دینا امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔فدیہ لے کر یا بلا فدیہ قیدی کو رہا کرنے کی اجازت دینے والے فقہا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے قول کے مطابق سورہ محمد کی اس آیت کو ناسخ جبکہ سورہ انفال کی آیت نمبر ۶۸ کو منسوخ مانتے ہیں ۔فقہائے حنفیہ (اور امام اوزاعی) سورہ محمد کی اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ وہ سورہ انفال کی آیت **فشرد بھم من خلفھم (الانفال ۸:۵۷)** اور **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتّموھم (التوبہ ۹:۵)** کو اس کا ناسخ قرار دیا ہے۔اس لئے ان کے نزدیک قیدیوں کو فدیہ یا بلا فدیہ آزاد کر دینا جائز نہیں۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ناسخ و منسوخ نہیں بلکہ دو مختلف حالتوں کے دو حکم ہیں ۔۔۔سیر کبیر کی روایت کا منشاء بھی یہی ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے حالات اور ضرورت پر نظر کر کے دونوں قسم کے احکام دیئے جا سکتے ہیں۔''(۱)

مولانا فضل محمد اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

(۱) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۴/۷ ۲۸، ۲۸۸

''جب معرکہ حق وباطل پیش آجائے تو مسلمانوں کو جرأت وبہادری سے کام لینا چاہیے۔باطل کا زور تب ٹوٹے گا جب بڑے بڑے کافر قتل کر دیے جائیں گے کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اوران کا زورٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے۔ممکن ہے یہ قیدوبندان کے لئے تازیانہ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کران کواپنی اور تمہاری حالت جانچنے اوراسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع بہم پہنچائے۔آہستہ آہستہ وہ لوگ حق وصداقت کا راستہ اختیار کرلیں گے یا مصلحت سمجھوتو کسی معاوضہ کے بغیران پراحسان کر کے قید سے رہا کر دو۔اس صورت میں ممکن ہے بہت سے افراد تمہارے احسان اورخوبی اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں ۔یہ بھی کر سکتے ہو کہ زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو۔اس میں کئی طرح کے فائدے ہیں ۔''(۲)

قیدیوں کے ساتھ سلوک سے متعلق اسوہ رسولؐ اوراحادیث نبویہ بھی ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بدر کے کافروں کو گرفتار کیا تو آپؐ نے قید کی حالت میں عقبہ بن ابی معیط اورنضر بن حارث کوقتل کر دیا اورابوعزہ جمعی پر احسان کر کے مفت چھوڑ دیا ہے۔''(۳)

بعض علماء نے قیدی سے فدیہ لینے کی بجائے اسے قتل کرنے کوترجیح دی ہے۔امام اسحاق فرماتے ہیں:

(قیدی کو)قتل کرنا مجھے زیادہ پسند ہے ،بشرطیکہ اس میں عام دستور کی مخالفت نہ ہو کیونکہ مجھے اس طرح ثواب کثیر کی امید ہے۔

بالغ قیدی کوقتل کیا جائے گا جبکہ نابالغ یا سمجھ بوجھ نہ رکھنے والے قیدی کوقتل نہیں کیا جائے گا۔دارالحرب یا دارالاسلام میں اگر کوئی مسلمان مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے کسی قیدی کوقتل کر دے تو اس پر دیت، کفارہ اور قیمت میں سے کوئی چیز عائد نہ ہوگی۔کیونکہ تقسیم سے پہلے اس کا خون معصوم نہیں ہے۔امام کواس کے قتل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔یہ اختیاراس صورت میں ہے کہ جب وہ اسلام نہ لائے ہوں ۔اگر وہ تقسیم سے پہلے اسلام قبول کر لیں تو ان کوقتل کرنا جائز نہیں ۔کیونکہ اسلام ان کے خون کو معصوم بنا دیتا ہے۔

اگر تقسیم یا فروخت کے بعد قتل کیا تو اس کا حکم لاگو ہوگا۔اس لئے کہ امام جب انہیں تقسیم یا فروخت کر دے تو ان کا خون معصوم ہو جاتا ہے۔لہذا اس قتل کرنے پر وہ ضامن ہوگا۔البتہ اس پر قصاص واجب نہ ہوگا۔کیونکہ قتل کے جائز ہونے کا شبہ موجود ہے جیسے مستامن حربی کی صورت میں ہوتا ہے۔اس بارے میں امام کو دواختیار حاصل ہیں۔چاہے توانہیں ذمی بنا کرآزاد چھوڑ دے۔بشرطیکہ وہ ذمی اورغلام بننے کے اہل ہوں (یعنی مشرکین عرب اورمرتد نہ ہوں) کیونکہ اسلام ان کے غلام بنائے جانے کو مانع نہیں ہے۔اس لئے کہ ایسا ہونے سے غازیوں کا حق زائل ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں ۔(۴)

---

(۲)دعوت جہاد،ص:۶۴۰

(۳)شرح السنہ،مشکوٰۃ،۳۴۶

(۴)بدائع الصنائع ۳۱۱/۷

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا وہ ایک شخص کو پکڑ لائے جو بنی حنفیہ میں سے تھا۔اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔وہ یمامہ والوں کا سردار تھا۔لوگوں نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس گئے اور فرمایا:اے ثمامہ تیرے پاس کیا ہے؟وہ بولا میرے پاس بہت کچھ ہے۔اگر آپ مجھے مار ڈالیں گے تو ایسے شخص کو مار ڈالیں گے جو خون والا ہے۔اگر آپ احسان کریں گے تو ایسے شخص پر احسان کریں گے جو شکر گزاری کرے گا۔جو آپ روپیہ چاہتے ہیں تو مانگئے آپ جو چاہیں گے ملے گا۔رسول اللہ ﷺ نے اس کو رہنے دیا۔پھر دوسرے دن آپ تشریف لائے اور پوچھا: تیرے پاس کیا ہے؟وہ بولا میرے پاس بہت کچھ ہے۔اگر آپ مجھے مار ڈالیں گے تو ایسے شخص کو مار ڈالیں گے جو خون والا ہے۔اگر آپ احسان کریں گے تو ایسے شخص پر احسان کریں گے جو شکر گزاری کرے گا۔جو آپ روپیہ چاہتے ہیں تو مانگئے آپ جو چاہیں گے ملے گا۔پھر آپؐ نے رہنے دیا۔تیسرے دن پھر سوال کیا تیرے پاس کیا ہے؟وہ بولا وہی جو آپؐ سے کہہ چکا ہوں۔مارتے ہو تو مارو لیکن میرا خون جانے والا نہیں۔اگر آپ احسان کریں گے تو ایسے شخص پر احسان کریں گے جو شکر گزاری کرے گا۔مال چاہتے ہو تو جتنا مانگو دوں گا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا ثمامہ کو چھوڑ دو۔وہ مسجد کے قریب کھجور کے ایک درخت کی طرف گیا اور غسل کیا اور پھر مسجد آیا اور کہنے لگا: **اشھد ان لا الہ الااللہ محمدا عبدہ ورسولہ** ۔اے محمدؐ!خدا کی قسم تم سے زیادہ کسی کا منہ میرے لئے برا نہ تھا اور اب تمہارے منہ سے زیادہ کسی کا منہ مجھے محبوب نہیں۔اللہ تعالیٰ کی قسم آپؐ کے دین سے زیادہ کوئی دین میرے نزدیک برا نہ تھا اور اب آپؐ کا دین ان سب ادیان سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔خدا کی قسم آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مجھے برا معلوم نہیں ہوتا تھا۔اب آپؐ کا شہر سب شہروں سے زیادہ مجھے پسند ہے۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ گرفتاری کے وقت عمرہ کرنے جا رہا تھا۔(۵)

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

> ’’اس سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ قیدی کو باندھنا اور اس کو بند کرنا درست ہے۔مسجد میں کافر کا آنا درست ہے۔امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کی اجازت سے کافر کا مسجد میں جانا درست ہے۔خواہ وہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی۔جبکہ عمر بن عبدالعزیزؒ،قتادہؒ،امام مالکؒ کے نزدیک درست نہیں ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کتابی کافر کو درست ہے جبکہ غیر کتابی کو درست نہیں۔ہماری دلیل سب کے مقابلہ میں یہ حدیث ہے۔یہ جو فرمان الٰہی ہے کہ مشرک ناپاک ہیں وہ مسجد حرام میں نہ جائیں **(التوبہ ۹:۲۸)** یہ حکم حرم کے بارے میں خاص ہے اور حرم میں کافر کا جانا درست نہیں۔‘‘(۶)

اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ امام نوویؒ نے اخذ کیا ہے

---

(۵)صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

(۶)شرح صحیح مسلم للنووی ۳۵/۵

”کافر مسلمان ہو جائے تو فوراً غسل کرے۔ حالت کفر میں اگر ناپاک تھا تو اس پہ غسل کرنا واجب ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اگر حالت کفر میں غسل کیا تو اب غسل کرنا واجب نہیں۔ فقہاء مالکیہ کے نزدیک کسی حال میں بھی غسل واجب نہیں۔ اسلام سے حکم جنابت ساقط ہو جائے گا جیسے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ وضو واجب ہے بالا جماع اور حدث کا اثر اسلام سے ساقط نہیں ہوتا۔ اگر وہ حالت کفر میں جنبی نہ ہوا ہو تو غسل مستحب ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک غسل واجب ہے۔ حضورؐ نے تین روز تک ثمامہ کو ٹالا تا کہ اس کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو جائے اور وہ خوب غور کر لے۔ عمرہ کا حکم اس کے لئے مستحب ہے نہ کہ واجب۔“(۷)

(ا) قیدیوں کا تبادلہ :

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیدی کے بدلے میں قیدی چھڑانا جائز نہیں جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ (صاحبین) کے نزدیک مسلمان قیدیوں کو بطور فدیہ لے کر جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے۔ صاحبین کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ قیدی کے بدلے قیدی کو چھڑوانے سے مسلمانوں کو ہلاکت سے بچایا جاتا ہے اور یہ کافر کو ہلاک کرنے سے بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ مشرکوں کو قتل کرنا اس فرمان الٰہی کی رو سے فرض ہے۔

فاقتلوا المشركين حيث وجدتّموهم (التوبه ۹:۵)

پس مشرکوں کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ

نیز یہ آیت

فاذا لقيتم الَّذين كفروا فضرب الرِّقاب (محمد ۴۷:۴)

پھر جب تمہارا کافروں سے سامنا ہو تو انہیں گردنوں پر مارو

لہٰذا قتل کو ترک کرنا جائز نہیں ہے ماسوا اس کے کہ یہ غرض اس لئے ہو جس کے لئے اس فرض کو ادا کرنا مشروع ہوا ہے اور وہ ہے اسے قبول اسلام کا وسیلہ بنانا۔ کیونکہ اس صورت میں درحقیقت یہ ترک نہ ہوگا۔ لیکن یہ غرض قیدیوں کے تبادلے سے پوری نہیں ہوتی۔ البتہ ان لوگوں کے ضمن میں ذمی یا غلام بنانے سے پوری ہو جاتی ہے، جن کو ذمی یا غلام بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح اہل حرب کے لڑائی میں مدد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی جائے قوت ومدافعت کی طرف واپس چلے جاتے ہیں اور پھر مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں۔(۸)

پھر مذکورہ مسئلہ میں (جس پر صاحبین باہم متفق ہیں) کچھ پہلوؤں پر صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ قیدیوں کا تبادلہ تقسیم کرنے سے پہلے جائز ہے لیکن تقسیم کے بعد جائز نہیں جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ امام محمدؒ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ جب تقسیم سے پہلے تبادلہ جائز ہے تو پھر اس کے بعد بھی جائز ہے۔ کیونکہ اگرچہ تقسیم سے پہلے ملکیت ثابت نہیں، لیکن حق

---

(۷) شرح صحیح مسلم للنووی ۳۵/۵

(۸) بدائع الصنائع ۳۱۰/۷

ملکیت ثابت ہے۔ جب حق کے قائم ہونے سے قیدیوں کے تبادلے میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑی تو ملکیت کے قائم ہو جانے سے بھی نہیں پڑے گی۔(۹)

امام ابو یوسفؒ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ تقسیم کے بعد تبادلے سے تو اس شخص کی ملکیت کو بغیر اس کی رضا مندی کے باطل کرنا ہے، جس کے حصے میں وہ تقسیم کردہ قیدی آیا ہے اور یہ اصولی طور پر جائز نہیں ہے تقسیم سے قبل کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ تقسیم سے قبل ملکیت ثابت ہی نہیں بلکہ ایک غیر معینہ حق ملکیت ثابت ہے۔ لہذا جائز ہے کہ یہ حق قیدیوں کے تبادلہ کے ذریعہ سے باطل کئے جانے کا احتمال رکھتا ہو۔(۱۰)

یہ جائز نہیں کہ قیدیوں میں سے ایک قیدی کو دے کر اس کے بدلے میں دو قیدی لے لئے جائیں کیونکہ کئی آدمی ایسے ہوتے ہیں جو تنہا دو آدمیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ پر غالب ہوتے ہیں۔ لہذا ایسا کرنا دشمن کی مدد کرنے کے مترادف ہے اور قتال میں ایسا کرنا جائز نہیں۔(۱۱)

اگر مسلمانوں کا ارادہ قیدیوں کو قتل کرنے کا ہو تو ان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ ان کو بھوک پیاس اور دیگر قسم کی تکالیف پہنچائی جائیں کیونکہ یہ ایذا رسانی ہے جس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ والوں کے لئے فرمایا تھا کہ میں ان کے اوپر اس دن کی اور ہتھیاروں کی گرمی جمع نہیں کروں گا۔ ان کا مثلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ نبی کریمؐ کی سالاروں کو یہ وصیت تھی کہ مثلہ نہ کریں۔(۱۲)

کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کے قیدی کو قتل کرے۔ اس لئے کہ اسی نے پکڑا اور قیدی بنایا۔ لہذا اسے مارنے کا حق بھی صرف اسی کو ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں کہ وہ اس میں تصرف کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے گری ہوئی چیز اٹھائی ہو۔ بہتر یہ ہے کہ وہ اسے امام کے پاس لے آئے (بشرطیکہ وہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتا ہو) تا کہ امام اس کے بارے میں فیصلہ کرے۔ کیونکہ اس کے ساتھ غازیوں کا حق وابستہ ہے۔ لہذا اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق امام کو ہے۔(۱۳)

(۲) احادیث نبویہؐ میں قیدیوں کا ذکر :

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ہمارے پروردگار بزرگ وبرتر نے تعجب کیا اس قوم سے جو
زنجیروں میں (جکڑ کر) جنت میں داخل کئے جاتے ہیں۔(۱۴)

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اکثر کافر حالت کفر میں گرفتار ہوتے ہیں، پھر اسلام کی ہدایت پا کر بہشت میں داخل ہوں گے۔ بعض علماء نے کہا کہ ان زنجیروں سے مراد کشش الٰہی کی زنجیریں ہیں۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ لیا وہ بہشت میں داخل ہوا۔

حضرت جندب بن مکیث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن غالب لیثی کو ایک ٹکڑے کا سردار کر کے بھیجا، میں

---

(۹) بدائع الصنائع ۷/۳۱۰
(۱۰) بدائع الصنائع ۷/۳۱۱
(۱۱) بدائع الصنائع ۷/۳۱۱
(۱۲) بدائع الصنائع ۷/۳۱۱
(۱۳) بدائع الصنائع ۷/۳۱۱
(۱۴) سنن ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الاسیر یوثق، رقم: ۲۶۷۷

بھی انہی میں تھا اوران کو کئیطرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بنی الملوح (قبیلے کا نام) پر کدید (مقام کا نام) میں ہم پہنچے تو ہم کو حارث بن برصاء لیثی ملا ہم نے اس کو پکڑ لیا وہ بولا میں مسلمان ہونے آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کے لئے نکلا تھا۔ہم نے کہا اگر تو مسلمان ہے تو ایک دن رات بندھے رہنے میں تیرا نقصان نہیں اور جو مسلمان نہیں ہے تو ہم تجھے مضبوط باندھیں گے۔ پھر ہم نے اسے مضبوط باندھا۔(۱۵)

یعنی صرف اسلام کو ظاہر کرنے سے ایسے موقع پر چھوڑ دینا خلاف مصلحت تھا۔شاید وہ اپنی قوم کا مخبر ہو۔خبر پہنچانے اور کمک لانے کے لئے جاتا ہو۔ جب غنیم سے ملا تو اسلام کا بہانہ کرلیا ہو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو بلایا وہ سب بدر کی طرف چلے۔اچانک قریش کے پانی والے اونٹ ملے۔ان میں بنی الحجاج کا ایک کالا غلام ملا۔صحابہؓ نے اس کو پکڑا اور پوچھنے لگا بتا، ابوسفیان کہاں ہے؟ وہ کہنے لگا خدا کی قسم! میں ابوسفیان کا حال نہیں جانتا۔لیکن قریش کے لوگ البتہ آئے ہیں۔ان میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شعبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو صحابہؓ اسے مارنے لگے۔ وہ بولا مجھے چھوڑو میں بتاتا ہوں۔ جب اس کو چھوڑا تو وہ یہی کہنے لگا خدا کی قسم مجھے ابوسفیان کا حال معلوم نہیں۔البتہ قریش آئے ہیں ان میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شعبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں۔اس وقت آنحضورؐ نماز پڑھ رہے تھے۔مگر یہ سنتے جاتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: خدا کی قسم جب وہ سچ بولتا ہے تم اس کو مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو تم اس کو چھوڑ دیتے ہو۔(۱۶)

یعنی یہ غلام سچ کہتا ہے کہ ابوسفیان تو شام کے قافلے کے ساتھ مال لیا ہوا آ رہا تھا اور قریش کے لوگ اس کو بچانے کے لئے آئے۔کہیں ایسا نہ ہو مسلمان قافلے کے مال پر قابض ہو جائیں۔مسلمان چاہتے تھے قافلے سے مقابلہ ہو۔اللہ چاہتا تھا کافروں سے ہو۔یہی ہوا اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کفر کے زمانے میں جب کوئی عورت ایسی ہوتی جس کا بچہ نہ جیتا تو یہ نذر کرتی اگر اس کا بچہ جیے گا تو یہودی بنا دے گی۔ جب بنی نضیر کو یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا حکم دیا تو ان میں چند لڑکے انصار کے بھی تھے۔انصار نے کہا کہ ہم اپنے لڑکوں کو نہ چھوڑیں گے۔اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (البقرہ ۲:۲۵۶)

دین میں زبر دستی نہیں بے شک ہدایت سے گمراہی جدا ہو گئی ہے۔

یعنی وہ لڑکے اگر خوشی سے تمہارے پاس رہیں تو لے لو ورنہ جانے دو۔ابوداؤدفرماتے ہیں کہ "المقلات" وہ عورت ہے جس کا بچہ زندہ نہ رہتا ہو۔(۱۷)

حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے سب لوگوں کو امن دیا سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے۔ان کا نام لیا تو ابن ابی سرح حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس چھپ گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو

---

(۱۵)سنن ابو داؤد ،کتاب الجھاد ،باب فی الاسیر یوثق ،رقم:۲۶۷۸

(۱۶)سنن ابو داؤد ،کتاب الجھاد ،باب فی الاسیر ینال منہ ویضرب ویقدر ،رقم:۲۶۸۱

(۱۷)سنن ابو داؤد ،کتاب الجھاد ،باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام ،رقم:۲۶۸۲

حضرت عثمانؓ نے ابن ابی سرح کو آپ کے سامنے لا کھڑا کیا اور بولے: اے نبیؐ اللہ کی بیعت کرو عبداللہ سے۔ آپؐ نے اپنا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور بیعت نہ کی۔ تین بار ایسا ہی کیا۔ تین بار کے بعد پھر بیعت کر لی۔ اس کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا تم میں کوئی بھی عقلمند نہیں ہے جو اٹھتا اور جب میں نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا اور بیعت نہ کی تو اس کو مار ڈالتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کو آپ کے دل کا حال معلوم نہیں تھا، البتہ اگر آپ آنکھ سے اشارہ کر دیتے تو ہم اسی وقت حکم کی تعمیل کرتے اور اس کو مار ڈالتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبیؐ کو یہ لائق نہیں کہ کنکھیوں سے چور نگاہ کرے۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابن ابی سرح، حضرت عثمانؓ کا رضاعی بھائی تھا۔(۱۸)

سعید بن یربوع مخزومی اپنے دادا سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس دن مکہ فتح ہوا چار مرد ہیں میں ان کو امان نہیں دیتا۔ نہ حل میں نہ حرم میں۔ پھر ان کا نام لیا اور دو لونڈیوں کا جو مقیس بن ضباعی کی تھیں۔ ایک لونڈی ان میں سے قتل کی گئی اور دوسری بھاگ گئی۔ پھر مسلمان ہوگئی۔(۱۹)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے جس سال مکہ فتح ہوا آپؐ کے سر پر خود تھا جب آپؐ نے خود اتارا تو ایک شخص آیا اور بولا: ابن خطل (اس کافر کا خون آپؐ نے مباح کر دیا تھا) کعبے کے پردے پکڑے ہوئے لٹک رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کو مار ڈالو۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ابن خطل کا نام عبداللہ تھا اور اسے ابو برزہ اسلمیؓ نے قتل کیا۔(۲۰)

ابراہیم سے رویت ہے کہ ضحاک بن قیس نے مسروق کو عامل بنانا چاہا۔ پھر اسے عمارہ بن عقبہ نے کہا: کیا تو ایسے شخص کو عامل بناتا ہے جو (حضرت) عثمانؓ کے قاتلوں میں سے باقی رہ گیا ہے۔ اس سے مسروق نے کہا ہم سے عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا اور وہ ہم میں سے بڑے معتبر تھے کہ جب آپؐ نے تیرے والد عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا ارادہ کیا وہ بولا میرے لڑکوں کی کون خبر لے گا؟ آپؐ نے فرمایا: آگ۔ پس میں تیرے لئے اسی چیز کو پسند کرتا ہوں جو تیرے لئے رسول اللہ ﷺ نے پسند کی ہے۔(۲۱)

ابن تعلیٰ سے روایت ہے کہ ہم نے عبدالرحمان بن خالد بن ولید کے ساتھ جہاد کیا۔ ان کے سامنے چار زبردست عجمی کافر لائے گئے انہوں نے حکم کیا وہ پکڑ کر مار ڈالے گئے۔ ابو داؤد نے کہا سعید کے علاوہ باقی لوگوں نے یوں روایت کیا کہ تیروں سے مار ڈالے گئے۔ جب یہ خبر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو پہنچی، انہوں نے کہا میں نے سنا آپؐ سے، آپؐ نے اس طرح مارے جانے سے منع کیا۔ خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مرغی بھی ہو تو میں اس کو اس طرح نہ ماروں یعنی صبر کے طور پر جب یہ خبر عبدالرحمان بن خالد بن ولید کو پہنچی تو انہوں نے چار غلام آزاد کئے۔(۲۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مکہ کے اسی آدمی رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب پر تنعیم پہاڑ سے اتر آئے (یعنی سال حدیبیہ میں) فجر کی نماز کے وقت، آپؐ کے قتل کے لئے۔ آپؐ نے انہیں زندہ پکڑ لیا درحالیکہ وہ مطیع ہوگئے۔ پھر آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا تو اللہ نے یہ آیت اتاری:

---

(۱۸)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب قتل الاسير ولا يعرض عليه الاسلام ،رقم:۲۶۸۳

(۱۹)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب قتل الاسير ولا يعرض عليه الاسلام ،رقم:۲۶۸۴

(۲۰)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب قتل الاسير ولا يعرض عليه الاسلام ،رقم:۲۶۸۵

(۲۱)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی قتل الاسير صبرا ،رقم:۲۶۸۶

(۲۲)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب قتل الاسير با لنبل ،رقم:۲۶۸۷

وهو الذی کف ایدیهم عنکم وایدیکم عنهم ببطن مکة (الفتح،۴۸:۲۴) الی آخر۔(۲۳)

اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے وادی مکہ میں روکے۔ یہ آیت آخر تک۔

مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے حق میں فرمایا اگر مطعم بن عدی جیتا ہوتا اور ان ناپاک قیدیوں کے باب میں مجھ سے سفارش کرتا تو میں ان کی خاطر سے ان کو چھوڑ دیتا۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ جب بدر کے قیدیوں سے رسول اللہ ﷺ نے روپیہ لیا اور ان کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں

ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الاٰخرة والله عزیز حکیم O لو لا کتٰب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم (الانفال۸:۶۷،۶۸)

کسی نبی کے لئے (لائق) نہیں کہ اس کے (قبضہ میں) قیدی ہوں جب تک وہ زمین میں خونریزی نہ کرلے، تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر (اللہ کی طرف) سے پہلے ہی لکھا ہوا نہ ہوتا تو اس کے لینے (بدلہ) میں تمہیں پہنچتا بڑا عذاب۔

لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم سے مراد فدیہ ہے پھر بعد میں ان کے لئے غنیمتوں کو حلال کردیا گیا۔(۲۵)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے لوگوں کا فدیہ فی آدمی چار سو درہم مقرر کیا تھا۔(۲۶)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کے بدلے فدیہ بھیجے تو اس وقت حضرت زینبؓ نے ابوالعاص کے بدلے میں کچھ مال بھیجا۔ اس مال میں ایک ہار تھا، جو حضرت خدیجہؓ کا تھا۔ انہوں نے یہ جہیز میں دیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا جب آپؐ نے اس ہار کو دیکھا تو زینب کی حالت غربت کی وجہ سے آپؐ پر سخت رقت طاری ہوگئی۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے لئے اس کے قیدی کو چھوڑ دو اور جو مال (فدیہ) اس کا ہے وہ بھی اس کو پھیر دو۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ ہاں یعنی مال بھی زینب کا پھیر دیتے ہیں اور ابوالعاص کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ آپؐ نے ابوالعاص کو چھوڑتے وقت یہ عہد لیا کہ زینبؓ کو میرے پاس آنے سے نہ روکو گے۔(۲۷)

مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ جس وقت ہوازن کی قوم کے لوگ مسلمان ہو کر حضورؐ کے پاس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ بیان فرمایا۔ انہوں نے حضورؐ سے یہ سوال کیا کہ ان کے مال ان کو لوٹا دیں تو آپؐ نے ان سے فرمایا جو تم سمجھتے ہو میرے پاس موجود ہیں۔

---

(۲۳)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی المن علی الاسیر بغیر فداء ،رقم:۲۶۸۸

(۲۴)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی المن علی الاسیر بغیر فداء ،رقم:۲۶۸۹

(۲۵)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی فداء الاسیر بالمال ،رقم:۲۶۹۰

(۲۶)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی فداء الاسیر بالمال ،رقم:۲۶۹۱

(۲۷)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی فداء الاسیر بالمال ،رقم:۲۶۹۲

یعنی تمہارے قیدی اور مال دونوں میرے پاس موجود ہیں اور اللہ کے نزدیک سچی بات بہت پسند ہے۔اب دو چیزوں میں سے تم ایک کو اختیار کرو۔یا بندے یا مال۔ہوازن والوں نے کہا: ہم نے اپنے بندے اختیار کئے۔آپؐ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا:

''حمد وثنا کے بعد فرمایا مقرر تمہارے بھائی توبہ کر کے آئے ہیں اور میں نے مناسب سمجھا کہ ان کو ان کے قیدی لوٹا دوں۔تم میں سے جو شخص چاہے اپنی رضا مندی سے بندے لوٹا دیا اور جو تم میں سے یہ چاہے کہ اپنا حصہ لینے پر ہی اڑا رہے، یہاں تک کہ ہم اس کو ،اس کا عوض دے دیں۔پہلے مال میں سے جو اللہ ہم پر انعام کرے غنیمت میں سے تو چاہیے کہ بیان کرے تو لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ ہم تو اس پر (بندوں کو پھیر دینے پر) خوش ہوئے۔آپؐ نے فرمایا ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کون راضی ہوا اور کون ناراض؟ ہم اس کو جدا نہیں کر سکتے۔اس لئے پھر جاؤ یہاں تک کہ تمہارے سردار ہمارے پاس اس امر کو لائیں۔سب لوگ لوٹ گئے۔ان کے سرداروں نے ان سے اس مقدمہ میں کلام کیا۔پھر دوبارہ لوٹ کر حضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ کو خبر دی کہ وہ قیدیوں کو پھیر دینے پر راضی ہیں اور انہوں نے خوشی سے اجازت دی ہے۔''(۲۸)

حضرت عرباضؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے قیدی حاملہ عورتوں سے اس وقت تک جماع کرنے کی ممانعت فرمائی جب تک کہ ان کا بچہ پیدا نہ ہو جائے۔اس باب میں حضرت رویفع بن ثابت سے بھی روایت ہے۔حضرت عرباضؓ کی حدیث غریب ہے اور علماء کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔(۲۹)

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص قیدی عورتوں میں سے کوئی حاملہ لونڈی خریدے تو اس کے متعلق حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کو جب تک وضع حمل ہو اس سے جماع نہ کیا جائے۔(امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ) اب رہیں آزاد عورتیں تو ان کے متعلق یہ طریقہ جاری ہے کہ انہیں عدت گزارنے کا حکم دیا جائے''۔(۳۰)

---

(۲۸)سنن ابو داؤد ،کتاب الجهاد ،باب فی فداء الاسیر با لما ل ،رقم:۲۶۹۳

(۲۹)سنن ترمذی،کتاب الجهاد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

(۳۰)شرح سنن ترمذی،کتاب الجهاد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

(۵) مسائل اموال

(۱) جزیہ :

جزیہ سے مراد وہ روپیہ پیسہ ہے جو ان کفار سے لیا جاتا ہے جن سے معاہدہ ہو۔ جزیہ کو جزیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جان و مال کی طرف سے کافی بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتی ہے۔ (۱)

جزیہ سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبة۹:۲۹)

تم ان لوگوں سے لڑو جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں وہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

امام راغبؒ لکھتے ہیں

''الجزیہ وہ ٹیکس ہے جو ذمیوں سے وصول کیا جاتا ہے اور اسے جزیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ان کے جان و مال کے بدلہ میں ہوتا ہے۔'' (۲)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے:

''لغت میں جزیہ کے معنی جزا کے ہیں۔ جزیہ کے وزن پر اس لئے لائے تاکہ اسے ادا کرتے وقت ان لوگوں کی ذلت و رسوائی کی ہیئت پر دلالت کر سکے۔'' (۳)

(۲) جزیہ کی اقسام:

جزیہ کی دو اقسام ہیں۔

(۱) وہ جزیہ جو رضامندی اور صلح صفائی کے ساتھ مقرر کیا جائے۔ یہ جزیہ معاہدہ و اتفاق کے مطابق مقرر کیا جاتا ہے۔ لہذا جتنا طے ہو جائے اس میں اضافہ نہ ہوگا، تاکہ غدر و دھوکہ نہ بنے۔ اس کی دلیل وہ صلح ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے کی تھی۔ وہ ہر سال دو ہزار پوشاکیں دیا کرتے تھے۔ (۴)

اس صلح اور اس پر جزیہ کا بیان اس حدیث میں ہے:

---

(۱) ہدایہ ۲/۲۸۳

(۲) مفردات القرآن ۱/۱۸۲

(۳) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد ۱۰۷

(۴) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد ۱۰۷

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے نجران کے عیسائیوں سے دو ہزار حلہ پر صلح کی کہ آدھی ماہ صفر میں اور باقی ماہ رجب میں ادا کیا کریں۔ نیز مسلمانوں کو تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے ہتھیاروں میں سے تیس ہتھیار بطور قرض دیں۔ مسلمان ان اموال قرض کے ضامن ہوں گے، یہاں تک کہ واپس کر دیں۔ اس شرط پر صلح ہوگی کہ ان کا کوئی گرجا گھر منہدم نہ کیا جائے گا۔ ان کا قس نہیں نکالا جائے گا۔ اپنے دین میں کسی فتنہ میں نہیں ڈالے جائیں گے، جب تک کہ کوئی نئی بات نہ کریں یا سود نہ کھائیں۔(۵)

الحاصل یہ مال جو اہل نجران پر بطور صلح لازم ہوا وہ جزیہ ہے۔ جو باہمی رضامندی سے مقرر ہوا۔ اب اس سے تجاوز نہ ہوگا۔

(۲) جزیہ کی دوسری قسم وہ جزیہ ہے جسے حاکم وامام کافروں کی جائیداد وغیرہ برقرار رکھنے کے بعد مقرر کرے۔ اس صورت میں حاکم ایک متعین مقدار مقرر کرے گا۔ چاہے وہ اسے خوشی سے قبول کریں یا نہ کریں۔

(۳) مقدار جزیہ :

مالدار پر ہر سال اڑتالیس درہم لازم ہوں گے۔ ہر مہینے چار درہم دینا ہوں گے۔ درمیانہ درجے والے پر سالانہ چوبیس درہم، ماہانہ دو درہم، غریبوں، ملازموں، مزدوروں پر سالانہ بارہ درہم، ماہانہ ایک درہم مقرر کیا جائے گا۔ حاکم کے لئے مستحب یہ ہے کہ ان سے درہم کی بجائے دینار لے۔(۶)

امام شافعیؒ کے نزدیک سال بھر میں کم از کم ایک دینار ہے۔ خواہ مالدار ہو یا مفلس اور زیادہ جو ٹھہر جائے۔ امام مالکؒ کے نزدیک مالدار سے چالیس درہم یا چار دینار اور غریب سے دس درہم یا ایک دینار لیا جائے گا۔(۷)

امام احمدؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک جزیہ کی مقدار معین نہیں ہے۔ امام کی رائے پر موقوف ہے۔ جو چاہے طے کر لے۔ اس لئے کہ نبی مکرمؐ نے حضرت معاذؓ کو ایک دینار لینے کا حکم دیا اور جب آپؐ نے اہل نجران سے صلح کی تو سالانہ دو ہزار پوشاکوں پر کی۔ لہذا معلوم ہوا کہ جن بستی والوں سے مناسب ہو لیا جا سکتا ہے۔ یمن میں معافر نام کا قبیلہ ہے جن کی طرف کپڑوں کی نسبت ہے۔ ابن الہمام کہتے ہیں یہ کپڑا معافر بن مرۃ کی طرف منسوب ہے۔ جمہرۃ الانساب میں لکھا ہے کہ معافر یمن میں ایک جگہ کا نام ہے۔

قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں جزیہ کی کم سے کم مقدار ایک دینار ہے اور یہ سب کے لئے ہے خواہ غریب ہو یا مالدار۔ اس لئے کہ نبی کریمؐ نے بلا کسی تفصیل کے یہ حکم دیا ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مالدار سے چار دینار، درمیانہ درجہ والے سے دو دینار، اور غریب سے ایک دینار لیا جائے گا۔ یہی حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ یہ حضرات ایک دینار والی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایسا وہاں ہوا تھا جہاں ان سے صلح ہو کر یہ طے ہوا تھا۔ نیز یمن طاقت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ صلحاً فتح ہوا تھا۔ اس لئے اس میں جزیہ کی اس مقدار پر صلح ہوئی تھی۔(۸)

---

(۵) سنن ابوداود، کتاب الجہاد

(۶) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۰۸

(۷) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۰۸

(۸) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۰۸

(۴) کن سے جزیہ وصول نہیں کیا جاسکتا :

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ عورت، بچے اور دیوانے پر متفقہ طور پر جزیہ نہیں آتا۔امام شافعیؒ کے نزدیک جزیہ ان کے قتل کا بدلہ ہے۔احناف کے قول کے مطابق مسلمان کی نصرت کے لئے جنگ کرنے کا بدل ہے۔نیز یہ تینوں جنگ نہیں کر سکتے۔اسی طرح نابینا، عمر رسیدہ، فالج زدہ، بہت بوڑھے شخص سے جو جنگ اور کمائی پر قادر نہ ہو اور ایسے فقیر سے جو کمائی نہ کرسکتا ہو جزیہ نہیں لیا جائے گا۔حضرت عمرؓ نے جب حضرت عثمان بن حنیفؓ کو جزیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے فقیر اور کمائی پر قدرت نہ رکھنے والوں سے جزیہ نہیں لیا تھا۔(۹)

حضرت عمرؓ نے جب ایک بوڑھے ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو جزیہ وصول کرنے والوں کو لکھ بھیجا کہ بہت بوڑھوں سے جزیہ نہ لیا جائے۔اسی طرح غلام، مکاتب، مدبر، ام ولد اور لوگوں سے میل جول رکھنے والے راہب سے متفقہ طور پر جزیہ نہیں لیا جائے گا۔مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کا آقا اسے یہ کہہ دے کہ اتنے پیسے کما کر لا دو تم آزاد ہو۔مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس کا آقا یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ام ولد وہ باندی ہے جس کے بطن سے آقا کی اولاد پیدا ہو۔وہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔اسے بیچنا درست نہیں۔(۱۰)

(۵) جزیہ میں رقم کے بدلے میں اشیاء لینا:

جزیہ کی ادائیگی میں اگر یہ لوگ کوئی سامان یا جانور وغیرہ لے آئیں تو ان چیزوں کو بھی ان کی قیمت کے حساب سے لیا جائے گا۔جزیہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان لوگوں سے مردار، سور یا شراب نہیں لی جائے گی کیونکہ حضرت عمرؓ نے ان اشیاء کے لینے سے منع کرتے اور فرماتے کہ ان اشیاء کو ان کے مالکوں کے ہی سپرد کردو کہ وہ انہیں بیچ دیں۔تم ان سے ان کی قیمتیں لے لیا کرو۔ایسا اسی وقت کیا جائے گا جب جزیہ ادا کرنے والوں کو اس میں سہولت ہو۔تاہم حلال چیز لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔جیسے حضرت علیؓ ان لوگوں سے جزیہ میں سوئی سوجا وغیرہ قبول کرتے تھے۔اور ان چیزوں (کی قیمت) کو ان کے جزیہ میں شمار کرلیا کرتے۔(۱۱)

(۶) مسلمان سے جزیہ :

کسی مسلمان سے جزیہ صرف اس شکل میں وصول کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ سال گزر جانے کے بعد اسلام لایا ہو۔کیونکہ اگر وہ سال گزر جانے کے بعد مسلمان ہوا ہے تو اس سال کا جزیہ اس پر واجب ہو کر سارے مسلمانوں کے لئے خراج قرار پاچکا ہے۔لیکن اگر وہ سال پورا ہونے سے مہینہ، دو مہینہ، ایک دن، دو دن یا اس سے کچھ کم یا زیادہ عرصہ پہلے بھی مسلمان ہو چکا ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ وہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔اگر اس پر جزیہ واجب ہو گیا مگر وہ اسے ادا کرنے سے پہلے وفات پا گیا۔یا جزیہ کی کچھ رقم وصول ہو چکی اور کچھ باقی رہ گئی اور وہ وفات پا گیا تو اس کے وارثوں سے اس رقم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔(۱۲)

(۷) اہل ذمہ پر زکوٰۃ :

اہل ذمہ کے اموال میں سے اتنا ہی لیا جاسکتا ہے جو ان کی ضروریات سے زائد ہو۔اہل ذمہ کے مویشیوں، اونٹ، گائے، بیل،

---

(۹) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۱۰
(۱۰) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۱۱
(۱۱) امام ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ۳۸۲، ۳۸۳
(۱۲) امام ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ۳۸۳، ۳۸۴

بھیڑ، بکری پر زکوۃ نہیں خواہ یہ مویشی کسی مرد کے ہوں یا عورت کے۔اسی طرح ذمی مردوں اورعورتوں کے کسی مال پر زکوۃ نہیں سوائے اس مال تجارت کے جسے لے کر یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جائیں۔اس میں سے ان سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔یہ زکوۃ اسی مال میں سے لی جائے گی جو کم ازکم دوسو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے یا اس کے مساوی قیمت کی اشیا تجارت پر مبنی ہو۔(۱۳)

(۸) جزیہ کی وصولی پر عدم تشدد :

جزیہ وصول کرنے کے لئے کسی ذمی کو مارا نہیں کیا جائے گا۔نہ ہی اسے دھوپ میں یا کسی اور جگہ میں کھڑا کیا جائے گا۔ان کو کسی طرح کی جسمانی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔ بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔البتہ جب تک وہ جزیہ ادا نہ کریں ان کو قید میں رکھا جائے گا۔اوراس وقت رہا کیا جائے گا جب ان سے جزیہ کی پوری رقم وصول ہو جائے۔(۱۴)

اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب ''کتاب الخراج''میں چند روایات نقل کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا اس سے میں (اس معاہد کی جانب سے قیامت کے دن) بحث کروں گا۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے وفات کے وقت جو کچھ فرمایا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا ذمہ حاصل ہے ان سے کئے ہوئے عہد کی پابندی کرے۔ان کا دفاع کرے اوران پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اورانہوں نے سعید بن زید سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ ان کا گزر شام کے کسی علاقہ میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کو دھوپ میں کھڑا رکھا گیا تھا۔انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ لوگ جزیہ ادا نہ کرنے کی بنا پر دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں۔راوی کہتا ہے کہ یہ بات ان کو بری معلوم ہوئی اورانہوں نے ان کے امیر کے پاس جا کر اس سے یہ کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو انسانوں کو عذاب دے گا اللہ اسے عذاب دے گا۔

ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ عیاض بن غنم نے کچھ ذمیوں کو جزیہ نہ دینے کی بنا پر دھوپ میں کھڑا رکھا تھا۔انہوں نے دریافت کیا عیاض! کیا کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو اللہ آخرت میں عذاب دے گا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں ان کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو دھوپ میں کھڑے کر دیے گئے تھے۔ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔آپؓ نے ان سے پوچھا ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ان کے ذمہ جزیہ ہے جسے انہوں نے ادا نہیں کیا،لہذا انہیں سزا دی جا رہی ہے تا کہ اسے ادا کریں۔حضرت عمرؓ نے جزیہ ادا نہ کر سکنے کا سبب پوچھا۔ جواب ملا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ہم جزیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔آپؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو اوران پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب نہ دو کیونکہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو قیامت کے دن اللہ عذاب دے گا۔چنانچہ آپؓ کے حکم سے یہ لوگ رہا کر دیے گئے۔

---

(۱۳)امام ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ۳۸۴

(۱۴)امام ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ۳۸۴

ایک شخص نے حضرت سلمان فارسیؓ سے سوال کیا اے ابوعبداللہ! ذمیوں سے ہم جائز طور پر کیا لے سکتے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا کہ تین چیزیں تمہیں راستی معلوم نہ ہو تو وہ تمہاری رہبری کریں۔ تم محتاج ہو تو تمہارے خود مکتفی ہونے تک تمہاری مدد کرے۔ جب ان میں سے کسی کا ساتھ ہو تو تم اس کے کھانے میں سے کھاؤ اور وہ تمہارے کھانے میں سے کھائے۔ وہ تمہاری سواری استعمال کرے اور تم اس کی سواری استعمال کرو۔ مگر اسے اپنی راہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلنے پر مجبور نہ کرو۔(۱۵)

(۹) جزیہ کی وصولی لازم ہے:

والی کے لئے یہ جائز نہیں کہ عیسائی، یہودی، مجوسی، سامری یا صابی کو جزیہ وصول کئے بغیر چھوڑ دے۔ کسی والی کو جزیہ میں ذرا بھی تخفیف کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے یہ بھی جائز نہیں کہ کسی سے وصول کرے اور کسی کو چھوڑ دے۔ ایسا کرنے کی مطلق کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ان کے جان و مال کو جزیہ ادا کرنے کے عوض میں ہی محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ جزیہ کی حیثیت خراج کے مال کی سی ہے۔(۱۶)

(۱۰) جزیہ کی وصولی کے لئے معاون مقرر کرنا:

مرکزی شہروں مدینۃ السلام، کوفہ، بصرہ وغیرہ کے سلسلہ میں میری تجویز یہ ہے کہ ان میں سے ہر شہر کے جزیہ کی تحصیل امام وہاں کے کسی نیک، دیندار اور معتمد علیہ فرد کے سپرد کر دے۔ اس کے لئے چند معاون مقرر کرے۔ یہ لوگ یہودی، عیسائی، مجوسی، سامری ہر مذہب کے ذمیوں کو اس ذمہ دار افراد کے یہاں جمع کریں اور وہ ان میں سے مختلف طبقات کے لوگوں سے ان شرحوں کے مطابق جزیہ وصول کریں۔ جزیہ کی رقوم جب ان والیوں کے ہاں جمع ہو جائیں تو وہ انہیں بیت المال میں بھیج دیا کریں۔

اگر کسی بستی کا سردار یہ کہے کہ میں ان لوگوں کی طرف سے معاہدہ کرنے اور ان کا جزیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں تو اس کی یہ بات منظور نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس طرح زیادہ تر جزیہ کی آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بستی کا سردار ان گماشتوں سے ۵۰۰ درہم پر معاملہ کرے اور اس بستی میں اہل ذمہ کی تعداد اتنی ہو کہ اگر ان سب سے جزیہ وصول کیا جائے تو اس کی میزان ہزار درہم یا اس سے زیادہ آئے۔ اس طرح آمدنی میں جو کمی ہوتی ہے اس سے قطع نظر ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ٹھیکہ لینے والے اپنی زمینداری میں کام کرنے والے ذمی افراد سے فی کس بارہ درہم سے کم وصول کرے۔ حالانکہ اس سے کم جزیہ لینا کسی طرح جائز نہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ ان ذمیوں میں ایسے خوش حال افراد بھی ہوں جن سے ۴۸ درہم وصول کیا جانا چاہیے تھا۔

تحصیل خراج کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ جزیہ کی آمدنی کو خراج کی آمدنی کے ساتھ بیت المال میں داخل کر دیا کریں کیونکہ وہ سارے مسلمانوں کے لئے فے ہے۔(۱۷)

(۱۱) مجوس سے جزیہ :

مجوس سے مراد آتش پرست ہیں یعنی آگ کی پوجا کرنے والے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے آتش پرستوں سے جزیہ وصول کیا۔ اس بات کی حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے گواہی دی تو حضرت عمرؓ نے بھی ان سے جزیہ وصول کیا۔ آپؐ نے ہجر کے ہر بالغ مرد اور

---

(۱۵) امام ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ۳۸۶-۳۹۰
(۱۶) امام ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ۳۸۴
(۱۷) امام ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ۳۸۵، ۳۸۶

عورت پر خراج عائد کیا تھا۔ حضرت علیؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جزیہ وصول کیا تھا۔ مجوس کو اہل کتاب میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:

''ان (مجوس) کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والا شخص میں ہوں۔ ان کے پاس بھی ایک آسمانی کتاب تھی جسے یہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر وہ انہیں بھلا دی گئی۔'' (۱۸)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے آتش پرستوں کا معاملہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کروں؟ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کھڑے ہو کر کہا کہ میں گواہ ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو۔ (۱۹)

فردہ بن نوفل اشجعی نے کہا کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ مجوسی سے جزیہ لیا جاتا ہے حالانکہ وہ اہل کتاب نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ مقداد بن الاحنف نے اٹھ کر اس سے یہ کہا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کر دیا ہے، توبہ کرو ورنہ خدا کی قسم میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ پھر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ان دونوں نے یہ بات حضرت علیؓ کے سامنے پیش کی۔ آپؓ نے فرمایا میں تمہیں مجوسیوں کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس کو سن کر تم دونوں کو مجوس کے بارے میں اطمینان ہو جائے گا۔ مجوسیوں کے پاس پہلے ایک کتاب تھی جس کو یہ پڑھا کرتے تھے۔

ایک دن ان کا بادشاہ شراب پی کر مست ہو گیا تو اس نے اپنا ہاتھ پکڑا اور اسے آبادی سے باہر لے گیا اور وہاں جا کر اس سے مباشرت کی۔ چار آدمی اس کے پیچھے ہو لئے تھے۔ وہ یہ سب دیکھ رہے تھے۔ جب نشہ اترا اور اس کو ہوش آیا تو اس کی بہن نے اسے بتایا کہ تو نے ایسا ایسا کیا ہے۔ فلاں فلاں نے تجھے دیکھا ہے۔ اس نے کہا مجھے یہ بالکل معلوم نہیں۔ وہ بولی کہ اب تم بچ نہ سکو گے اور قتل کر دیے جاؤ گے۔ مگر یہ کہ تم میری بات مان لو۔ اس نے کہا میں تمہاری بات مانوں گا۔ بہن نے کہا تم اس طریقہ کو دینی طریقہ قرار دے دو اور لوگوں سے کہو کہ (حضرت) آدمؑ کا دین یہی تھا۔ حوا آدم کی اصل سے تھیں۔ تمام لوگوں سے بزور شمشیر یہ بات منواؤ۔ جو تمہاری بات مان لے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے قتل کر دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ مگر کسی آدمی نے اس کی بات نہ مانی۔ وہ اس دن رات تک لوگوں کو قتل کرتا رہا۔ پھر اس کی بہن نے کہا میرا خیال ہے کہ لوگ تلوار کے مقابلہ میں ڈھیٹ ہو گئے ہیں۔ مگر آگ سے ڈریں گے۔ اب تم آگ جلوا کر لوگوں کو اس کے پاس لاؤ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لوگ آگ سے ڈر گئے اور اس کے پیرو ہو گئے۔ (حضرت) علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا: لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے اہل کتاب ہونے کے پیش نظر ان سے خراج لیا اور ان کے شرک کے سبب ان سے نکاح کرتے اور ان کا ذبیحہ کھانے کو حرام قرار دیا۔ (۲۰)

آتش پرستوں کے ہاں ان رشتہ داروں سے نکاح جائز ہے جسے طبیعت سلمہ ناپسند کرتی ہے اور دین اسلام نے اس سے روکا ہے۔ مثلاً ماں، بیٹی، بہن وغیرہ۔ یہ حرکت چونکہ دین اسلام کے صراحتہ خلاف ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے یہ پیغام بھیجا کہ اگر کسی مجوسی نے کسی محرم سے نکاح کیا ہو تو اسے ختم کر کے ان میں تفریق وجدائی کرا دو۔ یہ اگرچہ ان کے ہاں حلال ہے لیکن دین اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے انہیں اس کی قطعاً اجازت نہیں دی جائے گی۔ (۲۱)

---

(۱۸) کتاب الخراج، ۳۹۵ (۱۹) کتاب الخراج، ۳۹۶

(۲۰) کتاب الخراج، ۳۹۶ (۲۱) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد، ۱۰۹

رسول اللہ ﷺ نے منظر بن ساوی کو لکھا:

''جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔ اسے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ حاصل ہے۔ مجوس میں سے جو بھی ایسا کرنا پسند کرے اسے امان دی جاتی ہے اور جو ایسا کرنے سے انکار کرے اس پر جزیہ عائد ہوگا۔'' (۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔ جسے اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذمہ حاصل ہے۔ اسے وہ سارے حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور مسلمانوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہیں وہی اس پر بھی عائد ہوں گی۔'' (۲۳)

عرب کے بت پرستوں اور مرتدین سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ خواہ یہ لوگ عربی ہوں یا عجمی۔ کیونکہ ان دونوں کا کفر بہت سخت ہو گیا۔ چنانچہ مشرکین عرب کی سختی اس وجہ سے کہ آنحضورؐ انہیں کے درمیان پیدا ہوئے اور قرآن مجید انہیں کی زبان میں نازل ہوا۔ ان کے حق میں معجزہ بہت ظاہر ہے۔ مرتد کی سختی کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پہلے اسلام کی ہدایت پائی اور اس کی خوبیوں سے واقف ہوا۔ پھر اس نے اللہ عزوجل سے کفر کیا۔ اس لئے مشرکین عرب یا مرتدین سے سوائے اسلام یا تلوار کے کچھ قبول نہیں کیا جائے گا تا کہ سخت سزا پائیں۔ غرض جزیہ کے واجب ہونے کا سبب عقد ذمہ ہے۔ (۲۴)

---

(۲۲) کتاب الخراج، ۳۹۷ (۲۳) کتاب الخراج، ۳۹۷

(۲۴) ہدایہ

(۲) مال غنیمت

(۱) غنیمت کا لغوی مفہوم :

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں مادہ (غ ن م) کے تحت لکھتے ہیں:

"الــغــنــم کا اصل معنی کہیں سے بکریوں کا ہاتھ لگنا اور ان کو حاصل کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ ہر اس چیز پر بولا جانے لگا ہے جو دشمن اور غیر دشمن سے حاصل ہو۔ الــمـغــنــم کے معنی مال غنیمت کے ہیں۔ اس کی جمع مــغــانــم آتی ہے۔''(۱)

مفتی محمد شفیعؒ لفظ ''غنیمۃ'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''لفظ غنیمت لغت میں اس مال کے لئے بولا جاتا ہے جو دشمن سے حاصل کیا جائے۔ اصطلاح شریعت میں غیر مسلموں سے جو مال جنگ وقتال اور قہر وغلبہ کے ذریعہ حاصل ہو اس کو غنیمت کہتے ہیں۔''(۲)

قرآن مجید نے غنیمت کے لئے الانفال کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام الانفال ہے۔ انفال کی جامع توضیح کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''بعض کے نزدیک نفل اور غنیمت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ان میں صرف اعتباری فرق ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ فتح کے بعد چھینا ہوا مال ہوتا ہے، اسے غنیمت کہا جاتا ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے عطا غیر لازم ہونے کے لحاظ سے نفل کہلاتا ہے۔ بعض کے نزدیک ان میں نسبت عموم وخصوص مطلق ہے۔ یعنی غنیمت عام ہے اور ہر اس مال کو کہتے ہیں جو لوٹ سے حاصل ہو خواہ مشقت سے ہو یا بلا مشقت کے، فتح سے پہلے حاصل ہو یا بعد میں، استحقاق سے حاصل ہو یا بغیر استحقاق کے اور نفل خاص کر اس مال کو کہتے ہیں جو غنیمت سے قبل از تقسیم حاصل ہوا ہو۔''(۳)

مفتی محمد شفیعؒ لفظ ''**انفال**'' کی جامع تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نفل اور انفال کا لفظ اکثر اس انعام کے لئے بولا جاتا ہے جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے نقل کئے ہیں۔ کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام اور خاص دونوں معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی

---

(۱) مفردات القرآن، ۲/۶۵۷ (۲) مفتی شفیع، معارف القرآن، ۴/۲۳۷

(۳) مفردات القرآن، ۲/۱۰۷۳

اختلاف نہیں ۔اس کی بہترین تشریح وتحقیق وہ ہے جوامام ابوعبید نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کی ہے : اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل وانعام کواوراس امت مرحومہ پراللہ تعالی کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہادوقتال کے ذریعہ جواموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لئے حلال کردیا گیا۔۔لفظ انفال مال غنیمت اور مال فے دونوں کے لئے عام ہےاور خاص اس انعام کوبھی کہتے ہیں جوکسی غازی کوامیر جہادعطا کرے۔'' (۴)

مولانا ادریس کاندھلوی نفل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فقہا کی اصطلاح میں نفل کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جومسلمانوں کا امیر کسی غازی کواس کافرمقتول کا گھوڑا یا ہتھیار دے دے،جس کافرکواس غازی نے قتل کیا ہے۔چونکہ یہ مال غازی کواس کے اصل حصہ سے زائد ملتا ہےاس لئے اس زائدعطیہ کونفل کہا جاتا ہے۔'' (۵)

(۲) امت محمدؐیہ کے لئے مال غنیمت کا حلال ہونا :

اللہ تعالی نے امت مسلمہ کے لئے فدیہ (مال غنیمت) کوحلال کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (الانفال ۸:۶۹)

پس جو تم مال غنیمت لاؤ اس میں سے حلال ،پاک کھاؤ اور اللہ سے ڈرو ،بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

دوسرے مقام پراللہ رب العزت ارشادفرماتے ہیں:

وعدكم الله مغانم كثيرة تاخذونها فعجل لكم هذه (الفتح ۴۸:۲۰)

اللہ نےتم سے وعدہ کیا بہت زیادہ غنیمتوں کا جنہیں تم لوگے۔تواس نے یہ تمہیں جلد دے دی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

''اللہ جل شانہ کے ایک نبی (حضرت یوشع بن نون علیہ السلام) جہاد کے لئے نکلے اور لوگوں سے انہوں نے کہہ دیا کہ میرے ساتھ وہ شخص نکلے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہواورابھی صحبت نہ کی ہواورصحبت کرنے کی خواہش ہو۔وہ شخص بھی میرے ساتھ نہ جائے جس نے کوئی مکان بنایا ہو،ابھی اس کی چھت مکمل نہ کی ہو۔وہ شخص بھی میرے ساتھ نہ جائے جس نے گابھن بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہوں اوران کے بچے جننے کا امیدوار ہو۔یہ فرما کر وہ پیغمبر جہاد کو چل دیے اور عصر کے وقت ایک گاؤں میں پہنچے اور آفتاب سے فرمایا: تو بھی محکوم ہےاور میں بھی محکوم ہوں۔پھر دعا کی،الہی !سورج کو مجھ پر

---

(۴) معارف القرآن ۴/۱۷۵،۱۷۴ (۵) مولانا ادریس کاندھلوی،معارف القرآن ۳/۲۹۲

کسی قدر روک رکھ۔ سورج غروب ہونے سے رک گیا۔ یہاں تک کہ لڑائی فتح ہوگئی اور لوگوں نے مال غنیمت کو جمع کیا اور جلانے کے لئے آگ میں ڈالا۔ لیکن آگ نے اس کو نہیں جلایا۔ پیغمبرؑ نے فرمایا: تم میں سے کسی نے مال غنیمت میں چوری کی ہے۔ لہذا ہر گروہ کا ایک آدمی آ کر مجھ سے بیعت کرے۔ حکم کے مطابق ہر قبیلہ کے ایک ایک آدمی نے آ کر بیعت کی اور ایک آدمی کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے کہا تمہارے قبیلہ میں کسی نے چوری کی ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص مجھ سے بیعت کرے۔ اس قبیلہ کے ہر شخص نے نبی کی بیعت کی اور دو تین آدمیوں کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا تم میں ہی کسی نے چوری کی ہے۔ آخر کار یہ لوگ گائے کے سر کے برابر سونا لائے اور آگ میں ڈال دیا۔ اس وقت آگ نے مال غنیمت کو جلا دیا۔ حضورؐ اقدس نے ارشاد فرمایا اب اللہ تعالی نے ہماری کمزوری اور عاجزی پر نظر فرما کر مال غنیمت ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔''(۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

احلت لی الغنائم(۷)

میرے لئے غنیمتوں کو حلال کیا گیا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا اور کوئی دوسرا کسری نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا اور کوئی قیصر اس کے بعد نہیں ہوگا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ان دونوں کے خزانے راہ خدا میں خرچ کرو گے۔''(۸)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص راہ خدا میں جہاد کرنے کے لئے نکلا ہو اور نکلنے سے مقصود صرف کلمات (جہاد سے متعلق آیات واحادیث) کی تصدیق ہو تو اللہ نے ذمہ لیا ہے کہ یا تو اس کو جنت میں داخل فرمائے گا یا ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو اس کے گھر واپس پہنچا دے گا۔''(۹)

(۳) مقتول کا مال قاتل کو ملنا:

حضرت ابوقتادہؓ نے فرمایا:

---

(۶)صحیح بخاری ،کتاب فرض الخمس،باب قول النبی صلی الله علیه وسلم احلت لکم الغنائم ،رقم:۲۹۵۶

(۷)صحیح بخاری ،کتاب فرض الخمس،باب قول النبی صلی الله علیه وسلم احلت لکم الغنائم ،رقم:۲۹۵۴

(۸)صحیح بخاری ،کتاب فرض الخمس،باب قول النبی صلی الله علیه وسلم احلت لکم الغنائم ،رقم:۲۹۵۳

(۹)صحیح بخاری ،کتاب فرض الخمس،باب قول النبی صلی الله علیه وسلم احلت لکم الغنائم ،رقم:۲۹۵۵

''ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حنین والے سال جہاد کے لئے نکلے ۔جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست ہوئی۔ میں نے ایک مشرک کو ایک مسلمان پر چڑھے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس کی پشت سے اس کی گردن اور کاندھے کے درمیان زوردار وار کیا اور زرہ توڑ دی۔ وہ میری طرف متوجہ ہوا اور اس نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ اس کی وجہ سے مجھے موت کا سایہ نظر آنے لگا۔ پھر اس کی جان نکل گئی اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ۔میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور ان سے عرض کی :لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالی کا حکم ہے۔ پھر مسلمانوں نے واپس ہو کر دوبارہ حملہ کیا ۔نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا جو شخص کسی کافر کو قتل کرے اور اس کا گواہ ہو تو اس مقتول کا سامان اس مارنے والے کو ملے گا۔ میں نے سوچا میرے بارے میں کون گواہی دے گا؟ میں پھر بیٹھ گیا۔ نبی کریم نے پھر وہی بات فرمائی۔ میں نے دل میں سوچا میرے لئے کون گواہی دے گا؟ میں پھر بیٹھا رہا۔ نبی کریم ﷺ نے پھر وہی بات دہرائی تو میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے ابوقتادہ کیا بات ہے؟ میں نے پوری بات آپؐ کو بتا دی ۔ایک صاحب نے کہا انہوں نے بالکل درست فرمایا ہے اور اس مقتول کا سامان میرے پاس ہے۔ آپ ان کو اس کے بدلے کچھ دے کر خوش کر دیجیے ۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: نہیں بخدا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ابوقتادہؓ نے قتل کیا ہو اور نبی کریم ﷺ اللہ جل شانہ کے اس شیر کو حاصل ہونے والا ساز و سامان تمہیں بلا سبب دے دیں ، جو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا انہوں نے سچ کہا ہے ۔لہذا وہ ساز وسامان ابوقتادہ کو دے دو ۔چنانچہ ان صاحب نے وہ چیزیں مجھے دے دیں۔ میں نے ان پیسوں سے بنوسلمہ میں ایک باغ خرید لیا اور یہ وہ پہلا مال تھا جو میں نے زمانہ اسلام میں جائیداد بنایا ۔''(۱۰)

اس بارے میں ائمہ کا موقف بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید لکھتے ہیں:

''امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اوزاعی اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک مقتول کا ساز وسامان ہر صورت میں قاتل کو ملے گا۔لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مقتول کا ساز وسامان قاتل کو صرف اسی صورت میں ملے گا جب امیر یہ اعلان کر دے۔''(۱۱)

شہسوار کے لیے مال غنیمت کے حصہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے شہسوار کو تین حصے دیے ایک حصہ اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔(۱۲)

---

(۱۰) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

(۱۱) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۲۴۱

(۱۲) صحیح بخاری، کتاب الجہاد

ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، حسن، ابن سیرین، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمد، امام احمد اور اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شہسوار کو دو حصے ملیں گے۔ چنانچہ احادیث حسان میں جو ابن عمرؓ، مقداد، زبیر، مجمع اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے شہسوار کو دو حصے دیے۔ اس حدیث کا ان حضرات کی جانب سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ دو حصوں کے مستحق ہوں۔ تیسرا حصہ تبرعاً دیا ہو۔ ویسے بھی عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح انسان کو ایک حصہ دیا گیا ہے، اس کے گھوڑے کو بھی ایک حصہ ہی دیا جائے گا۔ انسان کو ایک حصہ ملے اور میدان کو دو حصے ملیں بظاہر عقل کے خلاف ہے۔ ویسے بھی گھوڑا انسان کے بغیر جنگ نہیں کر سکتا۔ اس لئے دو حصے یقینی اور تیسرا حصہ مشکوک ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے مشکوک کو چھوڑ کر یقینی کو لیا اور دو سے زائد کو تبرع پر محمول کیا۔''(۱۳)

(۴) مال غنیمت میں عورت اور غلام کا حصہ:

اس بارے میں حضرت یزید بن ہرمز نے فرمایا:

''خوارج کے سردار **نجدة حروری** نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ دریافت کرنے کے لئے لکھا کہ اگر عورت اور غلام مال غنیمت کی تقسیم کے وقت موجود ہوں تو کیا انہیں اس میں سے حصہ ملے گا؟ حضرت ابن عباسؓ نے یزید سے فرمایا: انہیں لکھ دو کہ دونوں کا کوئی حصہ مقرر نہ ہوگا۔ البتہ یوں ہی کچھ تھوڑا بہت دے دیا جائے گا۔''(۱۴)

ایک روایت میں ہے کہ

حضرت ابن عباسؓ نے لکھا کہ آپ نے مجھے یہ لکھا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ جنگ میں عورتیں لے جایا کرتے تھے اور انہیں حصہ بھی دیا کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ جنگ میں عورتوں کو لے جایا کرتے تھے۔ وہ بیماروں کا علاج اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ان کو مال غنیمت میں سے کچھ تھوڑا بہت دے دیا جاتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو پورا حصہ نہیں دیا۔(۱۵)

اس سلسلہ میں ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید اپنی کتاب ''جہاد'' میں لکھتے ہیں:

''اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں کہ اگر عورتیں بچے اور غلام میدان جنگ میں ہوں تو انہیں پورا حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ حصہ سے کم کم کچھ مال دے دیا جائے گا۔ عمرو

---

(۱۳) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۲۴۱
(۱۴) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر
(۱۵) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

مولی ابی اللحم جنگ خیبر میں اپنے آقاؤں کے ساتھ شریک جنگ تھے۔آپ کو یہ بتلایا گیا کہ یہ غلام ہیں تو آپؐ نے انہیں کچھ دینے کا حکم دیا۔''(۱۶)

(۵) کسی مجاہد کو اس کی کارکردگی پر زیادہ مال غنیمت عطا کرنا :

حضرت سلمہؓ بن الاکواع نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواریاں اپنے غلام رباح کے ساتھ بھیجیں۔رباح کے ساتھ میں بھی تھا۔جب ایک پڑاؤ میں ہم نے صبح کی تو ایک غاصب عبدالرحمان فزاری وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کی سواریوں پر حملہ کر دیا اور انہیں لوٹ لیا۔چنانچہ میں مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا اور تین مرتبہ یہ اعلان کیا: ہمیں لوٹ لیا گیا ہے۔پھر میں ان لوگوں کے پیچھے تیر مارتا ہوا نکل پڑا اور یہ شعر پڑھنے لگا : **انا ابن الاکوع ...والیوم یوم الرضع**۔ میں ان کو تیر مارتا اور ان کے جانوروں کو زخمی کرتا رہا۔یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی سواریوں میں سے کوئی اونٹ نہیں چھوڑا مگر یہ کہ اسے آزاد کرا کرا پنے پیچھے چھوڑ دیا۔پھر میں ان کو تیر مارتا رہا۔حتی کہ انہوں نے تیس سے زیادہ یمنی چادریں اور تیس نیزے اپنے وزن کو کم کرنے کے لئے پھینک دیے۔وہ لوگ جو چیز پھینکتے تھے، میں اس پر پتھروں میں سے کوئی نشانی لگا دیا کرتا تھا تا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ اسے پہچان لیں۔میں اسی طرح تیر مارتا رہا۔یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں کو دیکھ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں میں سے حضرت ابوقتادہؓ نے عبدالرحمان کو جا لیا اور اسے قتل کر ڈالا۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آج ہمارا بہترین شہسوار ابوقتادہؓ اور بہترین پیادہ پا سلمہؓ (بن الاکواع) ہیں۔حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے۔ایک حصہ شہسوار کا اور ایک حصہ پیادہ پا کا۔دونوں مجھے یکجا عطا فرمائے۔پھر رسول اکرم ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ عضباء نامی اونٹنی پر سوار کر لیا اور ہم اس پر مدینہ واپس آ گئے۔''(۱۷)

ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''حضرت سلمہؓ اس مال کے حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ وسبب بنے تھے۔اس لئے آپؐ نے پیادہ پا کے ساتھ شہسوار کا حصہ بھی انہیں دے دیا۔اگر امام چاہے تو ترغیب کے لئے کسی کے حصہ سے زائد بھی دے سکتا ہے۔حضرت سلمہؓ کو یہ سب اس لئے نہیں دیا کہ آپؐ نے جنگ سے پہلے اس کا اعلان نہیں فرمایا تھا۔''(۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے

---

(۱۶) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۲۴۲

(۱۷) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

(۱۸) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۲۴۴

''رسول اللہ ﷺ بعض ان جماعتوں کو جنہیں آپ بھیجتے تھے عام لشکر سے ہٹ کر زائد دیا کرتے تھے۔لوگوں کو شوق دلانے یا کسی کی ہمت افزائی کے لئے امام حصے سے زائد دے سکتا ہے۔''(۱۹)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خمس کے علاوہ زائد انعام کے طور پر عطا فرمایا چنانچہ مجھے ایک بڑی اونٹنی ملی۔(۲۰)

(۶) مسلمان کو اس کا مال واپس ملنا:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا

''میرا ایک گھوڑا بدک کر کفار کی طرف بھاگ گیا دشمن نے اسے پکڑ لیا۔پھر مسلمان ان کفار پر غالب آ گئے چنانچہ وہ گھوڑا مجھے واپس دے دیا گیا۔یہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے کا واقعہ ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ان کا ایک غلام بھاگ کر رومیوں کے پاس چلا گیا۔مسلمان ان پر غالب آ گئے تو نبی کریمؐ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے وہ غلام انہیں واپس کر دیا۔''(۲۱)

اس حدیث کی تصریح میں ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید لکھتے ہیں:

''کفار اگر مسلمانوں کے مال پر غالب آ جائیں اور ابھی اگر اسے دار الحرب نہ لے گئے ہوں تو وہ مالک نہیں ہوتے۔اگر اس سے پہلے مسلمانوں نے لے لیا تو جس کا مال ہے وہ اسے واپس مل جائے گا۔لیکن اگر کافر وہ مال دار الحرب لے گئے تو جمہور کے نزدیک وہ اس کے مالک ہو گئے۔پھر اگر مسلمان ان سے وہ مال حاصل کر لیتے ہیں تو اگر تقسیم سے پہلے سب رضامندی سے اسے اس کے مالک کو دینا چاہیں تو مفت دے دیں۔یا وہ شخص قیمتہ لے لے۔لیکن تقسیم کے بعد جس کے حصے میں آ گیا وہ مال اسی کا ہو گیا۔سابقہ مالک اگر قیمتاً لینا چاہے تو اسے پیسے دے کر اس سے لے لے۔حدیث میں اسی طرح آتا ہے۔یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک مال تقسیم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو دونوں صورتوں میں مالک کو واپس کیا جائے گا۔اس لئے کفار مسلمانوں کے مال کے مالک نہیں بن سکتے۔جمہور فقہا قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم (الحشر۵۹:۸)

اگر کافروں کے لینے کی وجہ سے وہ چیز مالک کے ملک سے نہ نکلتی تو انہیں فقیر نہ کہا جاتا۔معلوم ہوا کہ کافروں کے لینے کی وجہ سے وہ مال مسلمانوں کی ملک سے نکل گیا۔غلام اگر بھاگ کر دار الحرب چلا جائے اور کافر اسے پکڑ لیں تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں کافر اس کے مالک نہیں بنتے۔اس لئے حضرت خالدؓ نے وہ فوراً واپس لوٹا دیا۔(۲۲)

---

(۱۹) صحیح بخاری، کتاب الجہاد
(۲۰) صحیح بخاری، کتاب المغازی
(۲۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی
(۲۲) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۲۴۷

(۷) خمس مال غنیمت :

خمس سے مراد مال غنیمت کا پانچواں حصہ ہے۔اس کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الانفال ۸:۴۱)

جان لو تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں، مسکینوں کا اور راہ چلتے مسافروں کا، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتارا ہے جو دن حق اور باطل کی جدائی (یا فیصلے) کا دن تھا دونوں گروہوں کی مڈبھیڑ کے دن، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کے مطابق نبی کریم ﷺ ہمیشہ اعلان فرمایا کرتے تھے۔

یہ غنائم تمہارے لئے ہیں، میری اپنی ذات کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے سوائے خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے۔لہٰذا ایک ایک سوئی اور ایک ایک تاگا تک لا کر رکھ دو، کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔(۲۳)

مفسر ابن کثیرؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''خمس میں سے اللہ کے لئے مقرر شدہ حصہ کعبہ میں داخل کیا جائے گا۔حضرت ابو العالیہ رباحی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے پانچ حصے کرتے تھے۔چار مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر نکال دیتے۔اسے کعبے میں داخل کر دیتے۔پھر جو بچا اسکے پانچ حصے کر ڈالتے ایک رسول اللہ ﷺ،ایک قربت داروں کا،ایک یتیموں کا،ایک مسکینوں کا ،ایک مسافروں کا۔یہ بھی کہا گیا کہ یہاں اللہ کا نام بطور تبرک ہے۔گویا رسول اللہ ﷺ کے حصے کے بیان کا آغاز ہے۔ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب حضورؐ کوئی لشکر بھیجتے اور غنیمت کا مال ملتا تو آپؐ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے بھی پانچ حصے کر ڈالتے پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔پس یہ فرمان ان للہ خمسہ یہ صرف کلام کے شروع کے لئے ہے۔زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اللہ کے لئے ہے۔پانچویں حصہ میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ اللہ ورسول کا ایک ہی حصہ ہے۔(۲۴)

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

اس تقسیم میں اللہ ورسول کا حصہ ایک ہی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ خمس کا ایک جز و اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامت دین حق کے کام میں صرف کیا جائے۔(۲۵)

---

(۲۳) تفہیم القرآن/۲ ۱۴۵، ۱۴۶ (۲۴) تفسیر القرآن العظیم/۲ ۲۹۴ (۲۵) تفہیم القرآن/۲ ۱۴۶

مفسر ابن کثیرؒ مال غنیمت میں ''نبیؐ اکرم کے حصہ'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

امام مالکؒ، امام ابن تیمیہؒ اور اکثر اسلاف کا سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ خمس اور مال فے میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق جو چاہے کر سکتا ہے۔ ایک مرفوع حدیث، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت قتادہؓ اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اب حضورؐ کا حصہ خلیفۃ المسلمین کا ہوگا۔ بعض کے نزدیک مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ ہوگا۔ ایک قول کے مطابق آپؐ کا حصہ اہل حاجت کی باقی اقسام (قرابت داروں، یتیم وغیرہ) پر خرچ ہوگا۔ اہلبیت کے نزدیک یہ پانچواں حصہ سب کا سب قرابت داروں کا ہے۔(۲۶)

مفسر ابن کثیرؒ ''ذوی القربیٰ'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''**ذوی القربی** کا جو حصہ ہے وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا ہے۔ اس لئے کہ اولاد عبد المطلب نے اولاد ہاشم کی جاہلیت میں اور اول اسلام میں موافقت کی اور انہی کے ساتھ انہوں نے گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کر لیا۔ ایک موقعہ پر حضرت جبیر بن مطعمؓ اور حضرت عثمانؓ بن عفان رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے کر گئے کہ آپؐ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبدالمطلب کو تو دیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا۔ حالانکہ آپؐ کی قرابت داری کے لحاظ سے وہ اور ہم بالکل یکساں اور برابر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا سنو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب تو بالکل ایک ہی چیز ہیں۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے مجھ سے نہ کبھی جاہلیت میں جدائی برتی نہ اسلام میں۔ یہ قول تو جمہور علماء کا ہے کہ یہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ صرف بنو ہاشم ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں پس صدقے کی جگہ ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر کر دیا۔''(۲۷)

مفتی ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''زمانہ جاہلیت میں قریش وکنانہ نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے خلاف معاہدہ کیا تھا کہ جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ نہ ان سے لین دین ہوگا اور نہ شادی بیاہ۔ اس اعتبار سے گویا یہ دونوں زمانہ جاہلیت وزمانہ اسلام میں متحد اور ایک دوسرے کے معاون وموافق تھے۔''(۲۸)

مفتی ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ کے وہ قرابت دار خمس کے مستحق ہیں جن کی قرابت کے ساتھ نصرت بھی ہو۔
امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قرابت داروں کا خمس میں حصہ بوجہ قرابت ونصرت تھا۔

---

(۲۶) تفسیر القرآن العظیم ۲/۲۹۶
(۲۷) تفسیر القرآن العظیم ۲/۲۹۶
(۲۸) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد، ۲۴۸

آپؐ کی وفات کے بعد نصرت ختم ہوگئی۔اس لئے اگر فقر ہو تو اوروں کی نسبت زیادہ حقدار ہیں۔امام شافعیؒ کے نزدیک بعد از وفات بھی مستحق ہیں۔ہمارا مستدل یہ ہے کہ آپؐ نے بوجہ نصرت کے دیا۔بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہ دیا اس لئے کہ وہ بنو ہاشم کے مخالف تھے۔اس لئے باوجود قرابت کے انہیں محروم کر دیا۔''(۲۹)

سید ابوالاعلیٰ مودودی مال غنیمت میں رشتہ داروں کے حصہ کے بارے لکھتے ہیں:

''رشتہ داروں سے مراد نبی ﷺ کی زندگی میں تو حضورؐ کے ہی رشتہ دار تھے کیونکہ جب آپؐ اپنا سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لئے کوئی کام کرنا آپؐ کے لئے ممکن نہ رہا تھا تو لامحالہ اس کا انتظام ہونا چاہیے تھا کہ آپؐ کی اور آپؐ کے اہل وعیال اور ان دوسرے اقربا کی جن کی کفالت آپؐ کے ذمہ تھی،ضروریات پوری ہوں اس لئے خمس میں آپؐ کے اقربا کا حصہ رکھا گیا۔لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا یہ حصہ کس کو پہنچتا ہے۔ایک گروہ کی رائے ہے کہ نبی ﷺ کے بعد یہ حصہ منسوخ ہو گیا۔دوسرے گروہ کی رائے ہے حضورؐ کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقربا کو پہنچے گا جو حضورؐ کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے۔تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندان نبوت کے فقرا میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں خلفاء راشدین کا زمانہ میں اسی تیسری رائے پر عمل ہوتا تھا۔''(۳۰)

خمس کے باقی مصارف کی توضیح میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''یتیموں سے مراد مسلمانوں کے وہ بچے ہیں جن کا باپ فوت ہو چکا ہو۔بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہیں اور بعض کہتے ہیں ہر امیر فقیر یتیم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔

مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی فقیری اور ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کافی ہو جائے۔

ابن السبیل سے وہ مسافر مراد ہے جو اتنی حد تک وطن سے نکل چکا ہو یا جا رہا ہو کہ جہاں پہنچ کر اسے نماز کو قصر پڑھنا جائز ہو اور سفر خرچ کافی اس کے پاس نہ رہا ہو۔''(۳۱)

امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں ایک باب کا نام ''خمس کی ادائیگی ایمان میں سے ہے'' رکھا ہے اور یہ حدیث نقل کی ہے:

وفد عبدالقیس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں۔میں تمہیں للہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو پابندی سے ادا کرنا زکوٰۃ دینا اور مال غنیمت میں سے خمس کا ادا کرنا۔(۳۲)

---

(۲۹) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد، ۲۴۸
(۳۰) تفہیم القرآن ۱۴۶/۲
(۳۱) تفسیر القرآن العظیم ۲۹۷/۲
(۳۲) صحیح بخاری،کتاب الایمان،باب اداء الخمس من الایمان ،رقم :۵۳

(۸) مال غنیمت میں خیانت / چوری کرنا:

مال غنیمت میں چوری کرنا سخت حرام ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد نبویؐ ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا جب ہم نے خیبر فتح کیا تو مال غنیمت میں ہمیں سونا اور چاندی نہیں ملا تھا بلکہ گائے، اونٹ، سامان اور باغات ملے تھے۔ پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی القری کی طرف لوٹے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک مدعم نامی غلام تھا جو بنی ضباب کے ایک صحابی نے آپ کو ہدیہ دیا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر اس کو لگا۔ لوگوں نے کہا مبارک ہو شہادت! لیکن حضورؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر میں تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے چرائی تھی وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کے بھڑک رہی ہے۔ یہ سن کر ایک دوسرے صحابی ایک یا دو تسمے لے کر آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ میں نے اٹھا لئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بھی جہنم کا تسمہ بنتا۔'' (۳۳)

ڈاکٹر مفتی حبیب اللہ مختار شہید لکھتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ نے ظاہر کو دیکھ کر مدعم کے جنتی ہونے کی شہادت دی۔ آپؐ نے یہ واضح فرمایا کہ شہادت سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ مال غنیمت کی تقسیم سے قبل اس مال میں سب مجاہدین کا حق ہوتا ہے۔ مدعم نے ایک چادر اس میں سے لی تھی جو جہنم کی چادر بن کر اسے سزا دے گی۔ اسی طرح وہ صاحب جنہوں نے مال غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے ایک یا دو تسمے لئے تھے، اگر وہ انہیں واپس نہ کرتے تو ان کے تسموں کو آگ بنا کر انہیں ان سے سزا دی جاتی۔ معلوم ہوا کہ مال غنیمت یا وقف کا مال، بیت المال کا روپیہ پیسہ ہو یا زکٰوۃ وصدقات کا اسے ذاتی مصرف میں استعمال کرنا بڑی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہے۔ جو جس کا حق ہے اسے پہنچانا چاہیے۔ ایسے اموال جن پر بہت سے آدمیوں کا حق ہو اس میں احتیاط برتنی چاہیے۔ اس لئے کہ ان سب کا حق لوٹانا بڑا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔'' (۳۴)

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

''ایک روز رسول اکرمؐ نے وعظ کیا اور مال غنیمت میں خیانت کا تذکرہ فرمایا، اس کی اہمیت ونزاکت کا ذکر کیا اور اسے بہت بڑا گناہ اور بہت بری چیز قرار دیا۔ پھر فرمایا میں قیامت کے روز تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ وہ ایسی حالت میں آئے کہ اس کی گردن پر بلبلاتا ہوا اونٹ سوار ہو۔ وہ کہے اے اللہ کے رسولؐ میری فریاد رسی کر دیجیے۔ میں کہوں میں کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں تمہیں پہلے ہی بتلا چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی شخص کو روز قیامت ایسی

---

(۳۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر (۳۴) ڈاکٹر حبیب اللہ، جہاد، ۲۵۳

حالت میں آتا ہوا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ہنہناتا ہوا گھوڑا سوار ہو۔ وہ کہے اے اللہ کے رسولؐ میری فریادرسی کر دیجیے۔ میں کہوں میں کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں تمہیں پہلے ہی بتلا چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی شخص کو روز قیامت ایسی حالت میں آتا ہوا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ممیاتی ہوئی بکری سوار ہو۔ وہ کہے اے اللہ کے رسولؐ میری فریادرسی کر دیجیے۔ میں کہوں میں کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں تمہیں پہلے ہی بتلا چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی شخص کو روز قیامت ایسی حالت میں آتا ہوا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کوئی ذی روح (غلام، باندی، قتل ناحق) سوار ہو۔ آوازیں نکال رہا ہو۔ وہ کہے اے اللہ کے رسولؐ میری فریادرسی کر دیجیے۔ میں کہوں میں کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں تمہیں پہلے ہی بتلا چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی شخص کو روز قیامت ایسی حالت میں آتا ہوا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر (مال غنیمت میں سے) چوری کئے ہوئے کپڑے لدے ہوئے لہرا رہے ہوں۔ وہ کہے اے اللہ کے رسولؐ میری مدد کر دیجیے۔ میں کہوں میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں پہلے ہی بتلا چکا تھا۔'' (۳۵)

اس حدیث مبارکہ میں مال غنیمت میں چوری اور خیانت سے نہایت بلیغ انداز میں منع کیا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جو شخص جو چیز چرائے گا قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل ہوگا۔ وہ چیز اسے رسوا کرنے کے لئے اس کے کاندھے پر لادی جائے گی۔ اس کو دیکھ کر سب پہچان لیں گے کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی۔ مال غنیمت میں سب کا حق ہوتا ہے۔ تقسیم سے پہلے اس میں سے لینا درست نہیں ہے۔ یہی حکم ان اموال کا بھی ہے جو بہت سے آدمیوں کے لئے مشترک ہوں۔ ان میں سے کسی کو دوسرے کی اجازت کے بغیر ایک پیسہ لینا یا معمولی سی چیز استعمال کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔ بہت احتیاط کرنا چاہیے تاکہ گناہ اور آخرت کی ذلت ورسوائی سے نجات ہو۔ (۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا:

''نبی کریمؐ کے سامان پر ایک صاحب مقرر تھے جن کو کرکرۃ کہا جاتا تھا۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا وہ دوزخ میں ہے۔ لوگ تحقیق حال کے لئے گئے تو انہیں ان کے سامان میں ایک دھاری دار چادر ملی جو کرکرہ نے مال غنیمت میں سے چوری کر لی تھی۔'' (۳۷)

حضرت یزید بن خالدؓ نے فرمایا

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں ایک صاحب کا جنگ خیبر کے موقع پر انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کی خبر نبی کریمؐ کو دی گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو (میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ یہ سن کر) لوگوں کے چہروں کا رنگ بدل گیا (اس لئے کہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آپؐ نے کس وجہ سے ان صاحب کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا ہے) آپؐ نے ارشاد فرمایا تمہارے ساتھی نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی۔ ہم نے اس کے سامان کی تلاشی

---

(۳۵) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر　(۳۶) ڈاکٹر حبیب اللہ، جہاد، ۲۵۱
(۳۷) صحیح بخاری، کتاب المغازی

لی تو یہود کے منکے کے ہاروں میں سے ایک ہار ملا جو دو درہم کے برابر قیمت کا بھی نہ ہوگا۔'' (۳۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت میں سے معمولی چیز کا لینا بھی سخت گناہ ہے اور باعث عذاب الٰہی وخیانت ہے۔ یہی حکم ان اموال کا بھی ہے جس میں لوگوں کا حق ہو۔خواہ مال زکٰوۃ وصدقات ہوں یا عام مسلمانوں کے لئے تبرعات یا مجاہدین کے لئے اعانت۔ یہ سب مشترک مال ہے۔اپنے لئے بلاحق لینا کسی کے لئے درست نہیں۔خاص طور پر ایسے حضرات کے لئے جو اس کی تقسیم پر مامور ہیں۔انہیں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔جس طرح ضرورت سے زائد ایک لقمہ بدہضمی کا سبب بن جاتا ہے۔اسی طرح حرام کا ایک ذرہ بھی ساری نیکیوں پر غالب آ کر گناہ وعذاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا:

رسول اکرم ﷺ کو جب مال غنیمت ملتا اور اسے یکجا اکٹھا کرنے کا قصد فرماتے تو حضرت بلالؓ کو اعلان کرنے کا حکم دیتے ۔وہ لوگوں میں اعلان کر دیتے ۔لوگ مال غنیمت لے کر حاضر ہو جاتے۔آپؐ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسولؐ کے لئے نکال کر باقی ماندہ مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے ۔ایک مرتبہ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک صاحب بالوں کی بنی ہوئی ایک لگام لائے اور عرض کی :اے اللہ کے رسولؐ !مال غنیمت میں ہمیں یہ بھی ملی تھی۔آپؐ نے ارشاد فرمایا،کیا تم نے بلالؓ کو تین مرتبہ اعلان کرتے ہوئے سنا تھا ؟انہوں نے عرض کی ،جی ہاں! آپؐ نے فرمایا پھر تم اس وقت اسے لے کر کیوں نہیں آئے؟انہوں نے تاخیر سے لانے کا کوئی تسلی بخش عذر بیان کیا۔آپؐ نے فرمایا: جاؤ لے جاؤ، قیامت کے روز تم ہی اسے لے کر آنا ،میں تم سے اسے واپس نہیں لوں گا۔(۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے وہ لگام ان سے اس لئے واپس نہیں لی کہ اس میں سب مجاہدین کا برابر کا حق تھا اور وہ منتشر ہو چکے تھے۔اب ان میں سے ہر ایک کو اس کا حق واپس نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔اس لئے آپؐ نے اسے انہی کے پاس چھوڑ دیا تا کہ اس کا گناہ انہی صاحب پر ہی ہو۔اس لئے کہ اسے بلاحق لینے کی وجہ سے وہ غاصب کے حکم میں تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے

''رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے مال غنیمت میں خیانت کر نے والے کے ساز وسامان کو جلا دیا اور اس کی پٹائی کی۔'' (۴۰)

حضرت حسن، امام احمدؒ، اسحاق اور بعض اہل علم اس کے قائل ہیں کہ ایسے خائن کے مال کو جلا دیا جائے گا۔سوائے قرآن کریم اور حیوانات کے۔البتہ جو چیز مال غنیمت میں سے چرائی ہے اسے نہیں جلایا جائے گا۔اس لئے کہ وہ مجاہدین کا حق ہے۔اسے مال غنیمت میں لوٹا دیا جائے گا۔اگر اس خائن نے اسے ہلاک کر دیا ہو تو اس سے اس کی قیمت لے لی جائیگی۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:

---

(۳۸) مؤطا امام مالکؒ، کتاب الجہاد (۳۹) ابوداؤد، کتاب الجہاد

(۴۰) ابوداؤد، کتاب الجہاد

''اس کے پاس موجود ساز وسامان ، زین یالان وغیرہ کو جلا دیا جائے گا۔البتہ اس کی سواری ،روپیہ، پیسہ ہتھیار اور جسم پر موجود کپڑے نہیں جلائے جائیں گے۔لیکن امام مالکؒ، امام شافعی اور احناف کے نزدیک اس کے سامان کو نہیں جلایا جائے گا۔اس حدیث کو یہ حضرات زجر اور وعید پر محمول کرتے ہیں۔اس لئے کہ نبی کریمؐ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں مختلف حدیثوں میں وعیدیں ذکر کی ہیں۔لیکن اس کے مال کو جلانے کا حکم نہیں دیا گیا۔معلوم ہوا اس حدیث میں وارد جلانے کا حکم تنبیہ اور زجر کے لیے ہے،شرعی حکم نہیں۔''(۴۱)

حضرت سمرہ بن جندبؓ نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی کسی خیانت پر پردہ ڈالے گا، اسے اس خیانت کرنے والے کی طرح گناہ ہوگا۔''(۴۲)

اگر کوئی شخص لوگوں کے عمومی حق پر ڈاکہ ڈالے گا تو اس کا ہاتھ پکڑنا چاہیئے۔اس سلسلہ میں مداہنت یا چشم پوشی سخت گناہ ہے۔البتہ اپنے ذاتی حق کے سلسلہ میں انسان تسامح یا چشم پوشی کرسکتا ہے۔(۴۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا:

''جب خیبر کی جنگ کا موقع آیا تو نبی کریمؐ کے صحابہؓ میں سے ایک جماعت آئی اور انہوں نے عرض کیا ان لوگوں کے بارے میں جو اس روز شہید ہوئے تھے۔فلاں شخص شہید ہوگیا، یہ فلاں شہید ہوا ہے۔یہاں تک کہ ان کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے عرض کی فلاں بھی شہید ہوا ہے۔رسول اکرمؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں! میں نے اسے ایک رسی چادر یا عبا کی وجہ سے دوزخ میں دیکھا ہے جو اس نے مال غنیمت میں سے چرالی تھی۔پھر رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: اے ابن الخطاب جاؤ جاکر لوگوں میں یہ اعلان کردو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔یہ اعلان میں نے تین مرتبہ کیا۔''(۴۴)

عرف عام میں مومن اسے کہتے ہیں جو حضرت محمدؐ اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے ،یقین رکھے اور اس کی تصدیق کرے۔لیکن جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرتا ہے وہ گویا ایسا ہے کہ آپؐ کی تصدیق نہیں کرتا۔اس لئے کہ اس نے اس کے تقاضے پر عمل ہی نہیں کیا۔ایسے شخص کو زجراً اور تنبیہاً مومنین میں شامل نہیں کیا۔

(۹) مال غنیمت میں سے کچھ کھا پی لینا:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا

''غزوات میں ہمیں شہد اور انگور ملتے تھے ہم انہیں کھالیا کرتے تھے رسول اکرم ﷺ کے پاس لے کر نہیں آیا کرتے تھے۔''(۴۵)

---

(۴۱) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد، ۲۶۴ (۴۲) ابوداؤد، کتاب الجہاد (۴۳) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد، ۲۶۴
(۴۴) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر (۴۵) صحیح بخاری، کتاب المغازی

ڈاکٹر مفتی حبیب اللہ مختار شہید اس حدیث کی توضیح میں لکھتے ہیں:

''علماء نے لکھا ہے کہ مجاہدین میدان جنگ میں تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے ضرورت کے مطابق کھا پی سکتے ہیں۔ چاہے پھل ہوں یا گوشت، سبزی وغیرہ۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس نہ لانے سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے پہلے سے ہمیں اس کی اجازت دی ہوئی تھی۔ اس لئے بار بار اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ بقدر ضرورت کھا لیا کرتے تھے، ذخیرہ اندوزی نہ کرتے تھے۔ اسی طرح دارالحرب میں اپنے جانوروں کو چارہ کھلا سکتے ہیں۔ گاڑیوں میں پٹرول اور ڈیزل وغیرہ ڈال سکتے ہیں۔ ہتھیار اور سواری وغیرہ اس وقت استعمال کر سکتے ہیں جب اپنی سواری ناکارہ یا ہتھیار بے کار ہو جائیں یا اس سے اعلیٰ ہتھیار مل جائے۔ لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد اسے مال غنیمت میں واپس کرنا ہوگا۔ سردی سے بچاؤ کے لئے گرم کپڑے استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد یا ضرورت پوری ہونے پر وہ مال غنیمت میں لوٹانا ہوں گے۔ لیکن اگر واپس کرنے سے پہلے وہ چیز ضائع ہوگئی تو اس پر تاوان وضمان نہیں آئے گا۔ دوائیں، عطر، تیل وغیرہ بلاضرورت استعمال کرنا منع ہے۔ پھل، گوشت، ترکاری، گھی، چینی، روٹی، شہد، خشک میوے، پیاز، لہسن وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح گائے، بھینس، دنبہ، بکرا ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔ البتہ کھال مال غنیمت میں دینا ہوگا۔'' (۴۶)

حضرت رویفع بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اللہ جل شانہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے مال غنیمت کے کسی جانور پر (بلاضرورت) سواری نہیں کرنا چاہیے۔ پھر جب وہ جانور کمزور اور لاغر ہو جائے تو اسے واپس لوٹا دے (ایسا نہیں کرنا چاہیے) اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے کسی کپڑے کو اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہیے کہ جب وہ بوسیدہ ہو جائے تو اسے مال غنیمت میں واپس لوٹا دے۔'' (۴۷)

اگر ضرورت پڑ جائے تو امام کی اجازت سے سواری بھی استعمال کی جاسکتی ہے اور کپڑے وغیرہ بھی لیکن بلاضرورت امام کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا منع ہے کہ انسان مال غیمت کی سواری یا کپڑے بے دردی سے استعمال کرے اور بے کار کر کے مال غنیمت میں دوبارہ ڈال دے یہ گناہ اور بری بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے

جنگ خیبر کے موقع پر ہمیں کھانے پینے کا سامان ملا، چنانچہ ایک آدمی آتا اور اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے کر چلا جاتا۔ (۴۸)

---

(۴۶) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد، ۲۵۴
(۴۷) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۴۸) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے

رسول اکرمؐ کے دور میں ایک لشکر کو کھانے پینے کا سامان اور شہد مال غنیمت میں ملا چنانچہ اس میں سے پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔(۴۹)

مال غنیمت میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس سلسلے میں حضرت خولہ بنت قیسؓ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: بے شک یہ مال خوش کن اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص حق کے مطابق بقدر استحقاق لے گا اس کے لئے اس مال میں برکت دی جائے گی اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ جل شانہ اور اس کے رسولؐ کے مال میں اپنی منشاء کے مطابق تصرف کرتے ہیں، قیامت کے روز ان کے لئے جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔(۵۰)

(۱۰) قبل از تقسیم خرید وفروخت کی ممانعت:

مال غنیمت کی قبل از تقسیم خرید وفروخت کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے اس کی خرید وفروخت سے منع کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ سب کا مشترکہ حق ہے۔ اس کا بیچنے والا ابھی تک اس کا مالک نہیں بنا ہے۔ اس کا حصہ کتنا ہے؟ اس کے ساتھیوں کا کتنا؟ یہ مجہول ونامعلوم ہے۔ اس لئے انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کا بیچنا درست نہیں ہوتا۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے

نبی کریمؐ نے تقسیم سے پہلے اپنے حصہ کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔(۵۱)

(۱۱) رسول اللہ ﷺ کا مال غنیمت میں سے انتخاب کرنا:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے

نبی کریمؐ نے ذوالفقار نامی تلوار جنگ بدر میں اپنے لئے خصوصی طور سے منتخب کی تھی۔(۵۲)

مفتی ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یہ تلوار منبہ بن الحجاج کی تھی پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے اللہ جل شانہ نے نبی کریمؐ کے لئے ایک خصوصی حصہ مقرر کیا تھا کہ جو چیز آپؐ کو پسند ہو آپؐ اسے اپنے لئے منتخب کرلیں۔ اسے ''صفی'' کہتے ہیں۔ پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے نکال کر باقی ماندہ مال مجاہدین میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اس تلوار کو ذوالفقار اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جوڑوں کی طرح کے نشانات تھے۔ یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں جنگ احد کے موقع پر آپؐ نے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپؐ نے اسے حرکت دی تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی۔ پھر دوبارہ حرکت دی تو پہلے سے زیادہ شاندار بن گئی۔(۵۳)

---

(۴۹) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۵۰) جامع ترمذی، کتاب الجہاد
(۵۱) سنن دارمی، ص: ۲۶۵
(۵۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد
(۵۳) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، جہاد، ۲۶۷

(۱۲) مال غنیمت میں سے بطور انعام دینا :

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا:

جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل کی تلوار مجھے انعام کے طور پر عطا فرمائی' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس کے سر کوتن سے جدا کیا تھا۔(۵۴)

ابو جہل کو دو انصاریوں نے قتل کیا تھا۔البتہ ابھی اس میں زندگی کی رمق باقی تھی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس کے سر کوتن سے جدا کر کے اسے جہنم رسید کر دیا۔اس لئے آپؐ نے اس کی تلوار ان کو مال غنیمت کے علاوہ یونہی عطا فرما دی۔

حضرت حبیب بن مسلمہ الفھریؓ نے فرمایا:

''میں نبی کریمؐ کے ساتھ تھا ،آپؐ نے جنگ کی ابتدا میں لشکر سے قبل حملہ کرنے والوں کو چوتھائی حصہ انعام کے طور پر دیا اور اگر کوئی جماعت واپسی میں دشمن سے ٹکراتی ہے تو اس کے لئے تہائی حصہ انعام مقرر فرمایا۔''(۵۵)

لشکر کے پہنچنے سے پہلے اگر لشکر کا کوئی ٹکڑا دشمن سے دست وگریباں ہو جائے اور مال غنیمت حاصل کرے تو اس کا چوتھائی ان کے لئے خصوصی انعام ہوگا اور باقی ماندہ تین حصوں میں پورا لشکر ان کے ساتھ شریک ہوگا۔لیکن اگر جنگ سے واپسی پر لشکر کے کسی ٹکڑے کی دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے اور انہیں کچھ مال غنیمت حاصل ہو۔تو چونکہ اخیر میں لشکر تھکا ماندہ اور زخم خوردہ ہوتا ہے اس لئے مال غنیمت کا ایک تہائی ان کو انعام کے طور پر ملے گا۔واپسی میں خطرہ زیادہ ہوتا ہے، پیچھے سے مدد کی توقع بھی نہیں ہوتی ۔اس لئے ان کا انعام پہلے والوں سے زیادہ ہوگا۔شروع میں لشکر بھی تازہ دم ہوتا ہے اور پیچھے سے امداد آنے کی توقع بھی ہوتی ہے۔سب کا مقصد اور منزل مقصود بھی ایک ہی ہوتی ہے۔اس لئے اس موقعہ کا انعام کم رکھا گیا ہے ،باقی ماندہ دو تہائی مال غنیمت میں ان کے ساتھ پورا لشکر برابر سے شریک ہوگا۔

حضرت خبیب بن مسلمہؓ سے مروی ہے

''رسول اللہ ﷺ مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد ابتداء جنگ میں لڑنے والوں کو چوتھائی اور واپسی پر لڑنے والوں کو تہائی حصہ انعام میں دیا کرتے تھے۔''(۵۶)

حضرت ابو الجویریہ الجرمی سے مروی ہے فرمایا:

''حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں مجھے ایک سرخ مٹکا ملا جس میں کچھ دینار تھے۔اس وقت ہمارے امیر بنو سلیم کے ایک صاحب تھے۔جو اصحاب رسولؐ میں سے تھے۔جن کو معن بن یزید کہا جاتا تھا۔وہ مٹکا میں ان کے پاس لایا تھا تو انہوں نے اسے تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور مجھے بھی اس میں سے اتنا ہی حصہ دیا جتنا اور سب کو دیا تھا۔پھر فرمایا اگر میں نے رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ انعام پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ملے گا تو میں اس میں سے کچھ حصہ تمہیں انعام کے طور پر دے دیتا۔''(۵۷)

---

(۵۴) ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۵۵) ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۵۶) ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۵۷) ابوداؤد، کتاب الجہاد

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انعام اس مال میں سے دیا جائے گا جس میں سے پانچواں حصہ نکالا جاتا ہو۔ پانچواں حصہ اس مال میں سے نکالا جاتا ہے جو طاقت وقوت کے بل بوتے پر کافروں سے لڑ کر حاصل کیا جائے۔ جسے مال غنیمت کہتے ہیں۔ یہ مٹکا اس طرح حاصل نہیں ہوا۔ لہذا یہ مال فئی ہے جس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ لہذا اس میں سے انعام بھی نہیں دیا جائے گا۔

(۱۳) مجاہدین کی رضامندی سے کسی کو مال غنیمت دینا :

مجاہدین کی رضامندی سے کسی کو مال غنیمت دینا جائز ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوموسی الاشعریؓ نے فرمایا:

''ہم واپس آئے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خیبر فتح کرتے ہوئے پایا آپؐ نے اس کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دیا۔ ہمارے علاوہ جو لوگ فتح خیبر میں شریک نہ تھے انہیں اس میں سے کچھ نہ دیا صرف ان لوگوں کو دیا جو ہماری کشتی میں تھے۔ مجاہدین کے ساتھ حضرت جعفرؓ اور ان کی کشتی پر آنے والے ان کے ساتھیوں کو بھی آپؐ نے حصہ دیا۔'' (۵۸)

نبی کریمؐ جب مکہ مکرمہ میں تھے اس وقت نبی کریمؐ کی اجازت سے حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے۔ جب ان حضرات کو آپؐ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے، دین اسلام کے پھیلنے اور قوی ہونے کا علم ہوا تو یہ کشتی میں سوار ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔ عین غزوہ خیبر کے موقع پر وہاں پہنچے۔ رسول اکرمؐ کو ان حضرات کی آمد سے بہت خوشی ہوئی۔ آپؐ نے ان حضرات کے ساتھ جو حدیبیہ اور فتح خیبر میں شریک تھے، انہیں بھی برابر حصہ دیا۔ یہ حصہ کیوں دیا گیا۔ بعض حضرات نے کہا ان کو حصہ اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ مال غنیمت اکٹھا ہونے سے قبل وہاں پہنچ گئے تھے۔ امام شافعیؒ کے قول کے مطابق جو میدان جنگ میں موجود ہوا سے مال غنیمت میں سے حصہ ملتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ان حضرات کو سب مجاہدین کی رضامندی سے مال غنیمت میں شریک کیا گیا۔ یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

---

(۵۸) ابوداؤد، کتاب الجہاد

(۳) مال فئی

مال فئی کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

ومآ افآء الله علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشاء والله علی کل شیء قدیر (حشر ۵۹: ۶)

اور اللہ نے اپنے رسول کو ان (بنو نضیر) سے جو (مال) ہاتھ لگایا، سو تم نے نہیں دوڑائے تھے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے غلبہ دے دیتا ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لفظ افاء فیء سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ اسی لئے دو پہر کے بعد جو چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے اس کو بھی فئی کہا جاتا ہے۔ اموال غنیمت جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان سب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے باغی ہو جانے کی وجہ سے ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہو جاتے ہیں اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے حاصل ہونے کو لفظ ''افاء'' سے تعبیر کیا گیا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فیء ہی کہا جاتا۔ مگر جو مال جہاد وقتال کے ذریعہ حاصل ہوا اس میں انسانی عمل اور جدوجہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہے۔ اس لئے اسے مال غنیمت سے تعبیر فرمایا گیا۔ لیکن جس کے حصول میں جہاد وقتال کی بھی کوئی ضرورت نہ پڑی اس کو لفظ فیء سے تعبیر فرمایا گیا۔''(۱)

مولانا محمد ادریسؒ کاندھلوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فئی وہ مال ہے جس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے ہوں اور نہ اونٹوں سے حملہ کیا ہو بلکہ کافر مرغوب ومغلوب ہو گئے ہوں۔ مرعوب ومغلوب ہو کر کفار نے ہتھیار ڈال دیے ہوں تو اس قوم سے حاصل شدہ اموال خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ مال فئی کہلاتے ہیں۔''(۲)

حضرت مالک بن اوس بن الحدثان نے فرمایا:

اللہ جل شانہ نے اپنے رسولؐ کو اس مال فیٔ میں ایسا خصوصی اختیار دیا ہے جو ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیا۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی

ماافاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتٰمی والمسٰکین وابن السبیل (الحشر ۵۹: ۷)

جو ہاتھ لگا دے اللہ اپنے رسول کو بستیوں والوں سے پس وہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور قریبی رشتہ داروں کے لئے اور بن باپ لڑکوں محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

---

(۱) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ۸ (۲) محمد مالک کاندھلوی، معارف القرآن ۲۵/۸

مال فی کے یہ اموال صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھے۔ آپ ؐ اپنے اہل وعیال کو اس میں سے ایک سال کا خرچہ دیتے تھے۔ پھر باقی ماندہ لوگوں کی ضروریات میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ تصرف کا یہ اختیار صرف رسول اللہ ﷺ کو تھا آپ ؐ کے بعد کسی امام اور حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ اسے جہاں چاہے خرچ کرے بلکہ انہیں مہاجرین وانصار کے غرباء اور مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کرنا ہوگا۔ (۳)

مولانا محمد مالک کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

> ''مال فیء کے متعلق آنخضرت ﷺ کے زمانہ میں یہی حکم تھا کہ وہ خالصتاً آپ ؐ کے اختیار وتصرف میں آجاتے ہیں اور ان اموال پر آپ کا تصرف بعض فقہاء کی رائے کے مطابق مالکانہ تھا جیسا کہ الفاظ آیت سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ جو صرف آپ ؐ کے حق میں مخصوص تھا اور بعض فقہاء کی رائے میں آپ ؐ کا تصرف متولیانہ تھا۔ یہ احتمال وبحث صرف آنخضرت ﷺ کے زمانہ تک مخصوص ومحدود تھی۔ اس کے بعد اس امر پر اجماع ہے کہ آنخضورؐ کے بعد کسی خلیفہ اور امام کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا بلکہ متولیانہ ہے۔ جو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مناسب موقع پر مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کرسکتا ہے۔ اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ صرف انہی مجاہدین میں تقسیم کیا جائے جو اس مہم میں شریک تھے، جس کے نتیجہ میں یہ فئے حاصل ہوا۔'' (۴)

غرض مال فی کو پہلے مجاہدین پر خرچ کیا جائے اور پھر اہم ترین اسلامی ضرورت میں خرچ کیا جانا چاہیے۔

(۱) مال فی کا خمس:

مال فی کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ مال فی میں سے خمس نکالا جائے گا اور اس کی تقسیم مال غنیمت کی طرح کی جائے گی۔ لیکن اکثر علماء کی رائے میں اس کے پانچ حصے نہیں کیے جائیں گے بلکہ اس مال کا ایک ہی مصرف ہے اور اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا

> مال فی میں روئے زمین کے ہر مسلمان کا حق ہے سوائے غلاموں کے کہ ان کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ (۵)

امام شافعیؒ کے نزدیک

> ''کافروں سے جو چیز بغیر جنگ کے مسلمانوں کے رعب اور ڈر کی وجہ سے حاصل کی جائے یا ان کی جان ومال کی حفاظت کے عوض لی جائے اس میں خمس آئے گا اور جو چیز مسلمانوں کے رعب اور ڈر کے بغیر حاصل کی جائے جیسے جزیہ اور مال تجارت کا عشر اور ایسے شخص کا مال جس کا کوئی وارث نہ ہو تو ان کا سابقہ قول یہ ہے کہ اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔ یہی امام مالکؒ کا قول ہے اور قول جدید یہ ہے کہ اس میں سے خمس نکالا جائے گا۔'' (۶)

---

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی

(۴) مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، معارف القرآن ۲۵/۸

(۵) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

(۶) ڈاکٹر مفتی حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۱۶

مال فیٔ کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں جن سے یہ ظاہر ہے کہ اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔(۷)
صاحب ہدایہ نے نبی کریمؐ کے فعل سے استدلال کیا ہے:

''اس لئے کہ آپؐ نے ہجر کے آتش پرستوں اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ لیا۔اسی طرح اہل یمن کے ہر بڑے پر ایک دینار جزیہ مقرر کیا۔لیکن کہیں یہ مروی نہیں کہ آپؐ نے اس میں سے خمس نکالا ہو بلکہ اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔اگر خمس نکالتے تو اس کا ذکر ہوتا۔حضرت عمرؓ نے دوسرے مذاہب والوں پر جزیہ مقرر کیا لیکن اس میں خمس وغیرہ نہیں نکالا گیا۔''(۸)

نبی کریمؐ کے پاس مال فئی کے چار خمس ہوتے جنہیں آپؐ اپنے اہل و عیال، مسلمانوں کی لشکر کی تیاری، مہمان نوازی، قاصدوں اور وافدین کی خاطر مدارت اور دوسری ضروریات میں خرچ فرماتے تھے۔اس کا پانچواں حصہ پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔یہ خمس امام شافعیؒ کے نزدیک:

''ان پر خرچ ہوگا جن پر مال غنیمت کا خمس خرچ ہوتا ہے۔اس لئے کہ جس طرح مسلمان مال غنیمت کے بل بوتے پر کافروں سے لیتے ہیں اسی طرح مال فئی بھی ہے۔''(۹)

علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا:

''جنگ کے بغیر جو چیزیں مسلمانوں کو ملیں گی انہیں خراج و جزیہ کی طرح مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کیا جائے گا۔مثلاً پل بنانے، سرحدوں کی حفاظت، نہریں کھودنا وغیرہ اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔''(۱۰)

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''بنو نضیر کے اموال فی رسول اللہ ﷺ کے لئے تھے۔اس میں سے آپؐ نے اپنے اہل و عیال کے لئے ایک سال کا نان نفقہ نکالا اور باقی ماندہ سے قتال فی سبیل اللہ کے لئے ہتھیار، اسلحہ، گھوڑے اور خچر وغیرہ خریدے۔''(۱۱)

حضرت عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ

''جب آپؐ کے پاس مال فیٔ آتا تو اسی دن خرچ کر دیا کرتے تھے۔چنانچہ شادی شدہ کو دو حصے اور غیر شادی شدہ کو ایک حصہ دیا کرتے تھے۔مجھے بلایا گیا تو آپؐ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے۔میں بیوی بچوں والا تھا۔میرے بعد عمار بن یاسرؓ کو بلایا گیا تو آپؐ نے انہیں صرف ایک حصہ عطا فرمایا۔''(۱۲)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آپؐ کے پاس مال

---

(۷) ڈاکٹر مفتی حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۱۶
(۸) ڈاکٹر مفتی حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۱۶، ۱۱۷
(۹) ڈاکٹر مفتی حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۱۶، ۱۱۷
(۱۰) ڈاکٹر مفتی حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۱۶، ۱۱۷
(۱۱) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۱۲) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد

فئی آتا تو آپؐ سب سے پہلے محررین کو دیتے تھے۔(۱۳)

محررین کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید لکھتے ہیں:

''بعض حضرات کے نزدیک محررین سے مراد آزاد کردہ غلام ہیں۔اس لئے کہ ان کا الگ رجسٹر نہیں ہوتا۔وہ غلاموں ہی کے ضمن میں آتے ہیں۔بعض شراح نے کہا اس سے مراد وہ غلام ہیں جن سے آقا یہ کہہ دے کہ اتنے پیسے کما کر دے دو تم آزاد ہو۔ایسے غلاموں کو آپؐ دیا کرتے تھے۔بعض حضرات نے کہا ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ جل شانہ کی عبادت واطاعت کی وجہ سے لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔''(۱۴)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

''نبی کریمؐ کی خدمت میں ایک مالدار چھوٹا تھیلا لایا جس میں جواہرات وغیرہ تھے۔آپؐ نے اسے آزاد عورتوں اور باندیوں میں تقسیم کر دیا۔''(۱۵)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

میرے والد ماجد مال فئی میں سے غلام، مکاتب اور آزاد ہر ایک کو بقدر حاجت دیا کرتے تھے۔(۱۶)

حضرت مالک بن اوس بن الحدثان نے فرمایا:

''ایک روز حضرت عمرؓ نے مال فئی کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا اس مال فئی کا میں تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں اور اس مال فئی کا ہم میں سے کوئی شخص بھی دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں ہے۔البتہ ہم اللہ جل شانہ کی کتاب میں مذکورہ درجات ومراتب اور رسول اکرمؐ کی تقسیم کے لحاظ سے باہم متفاوت نہیں۔چنانچہ انسان کے اسلام لانے میں سبقت، جہاد میں بہادری وشجاعت، اہل وعیال اور حاجت وضرورت کا لحاظ ہے۔''(۱۷)

علامہ تورپشتی لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مال فئی میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ وہ سب کا سب مسلمانوں کی ضروریات میں صرف ہوگا۔اصل استحقاق میں کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہ ہوگی۔البتہ درجات ومراتب کے اعتبار سے تفاوت ہوگا۔ جو یا تو قرآن کریم سے مذکور استحقاق ہو گا، خصوصا مہاجرین وانصار،

اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

للفقرآء المھٰجرین الَّذین اُخْرِجُوا من دیارھم واموالھم (الحشر ۸:۵۹)

---

(۱۳) ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۱۴) مفتی ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۲۰
(۱۵) ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۱۶) ابوداؤد، کتاب الجہاد
(۱۷) ابوداؤد، کتاب الجہاد

(مال فئی) ان مہاجر مسکینوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے۔

نیز فرمایا

والسٰبقون الاولون من المھٰجرین والانصار والذین اتبعو هم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه (التوبہ ۹:۱۰۰)

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔

یا

رسولؐ اکرم کے مقدم کرنے اور فضیلت دینے سے یا اللہ جل شانہ کے راستے میں خوب مشقتیں و تکالیف برداشت کرنے کی وجہ سے یا ضرورت و حاجت کی شدت یا اہل و عیال کی کثرت کی وجہ سے۔" (۱۸)

---

(۱۸) مفتی ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جہاد، ۱۲۲

(٦) موادعہ (معاہدہ صلح)

موادعہ سے مراد قتال چھوڑنے پر معاہدہ اور صلح ہے۔ عربی زبان میں **توادع الفریقان** سے مراد ہوتا ہے کہ ان دو فریقوں نے اس بات کا باہم معاہدہ کرلیا کہ ان میں سے کوئی فریق دوسرے سے لڑائی نہیں کرے گا۔ موادعہ، مسالمہ، مصالحت یا معاہدہ یا کسی ایسے لفظ کا استعمال ہے جو ان الفاظ کے معانی ادا کرتا ہو۔ (١)

(ا) معاہدہ صلح کی شرط:

معاہدہ صلح کی شرط ضرورت ہے۔ ضرورت سے مراد ہے قتال کے لئے تیاری کرنے کی ضرورت۔ مثلاً یہ کہ مسلمان کمزور ہوں اور کافروں کو کسی دوسرے گروہ کی حمایت کی قوت حاصل ہو۔ پس اگر ضرورت نہ ہو تو موادعہ جائز نہیں۔ کیونکہ موادعہ سے مراد ایسے قتال کو ترک کرنا ہے جو کہ فرض ہے۔ لہذا یہ تو صرف اسی صورت میں جائز ہوسکتی ہے کہ جب یہ قتال کے لئے وسیلہ بنے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ از روئے معنی قتال ہی ہوگی۔ ارشاد باری تعالی ہے:

فلا تهنوا وتدعوآ الى السّلم وانتم الاعلون والله معكم (محمد ٤٧:٣٥)

لہذا تم کمزور پڑ کر صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی سربلند رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

البتہ اگر فی الواقع ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الانفال ٨:٦١)

اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

امام اگر مناسب سمجھے تو مال کے بدلے بھی اور بغیر مال کے بھی صلح کرسکتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے اہل مکہ کے ساتھ دس سال تک لڑائی نہ کرنے کی شرط پر صلح کی تھی۔

صلح کے لئے امام کی اجازت ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ان کے ساتھ امام یا مسلمانوں میں سے کوئی بھی فریق امام کی اجازت کے بغیر صلح کرلے تو یہ صلح درست ہوگی۔ اس لئے کہ صلح کے درست ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کے لئے کی جائے اور یہ بات تو صورت زیر بحث میں موجود ہے۔

اگر صلح کے بدلے مال لے لیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ جزیہ کے مفہوم میں ہے اور اسے بیت المال میں خراج کی مد میں رکھا جائے گا۔ اگر مسلمان صلح کرنے پر مجبور ہوں تو اس صورت میں اس میں کچھ حرج نہیں کہ وہ کفار سے صلح کی درخواست کریں اور اس کے بدلے میں مال دیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری ہے کہ اگر وہ سلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کے لئے مائل ہو جاؤ۔ اس میں اللہ تعالی نے ہمارے لئے صلح کو علی الاطلاق (بغیر کسی شرط کے) مباح یا جائز کردیا ہے۔ لہذا یہ بلا معاوضہ اور بالمعاوضہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

نیز اس لئے جائز ہے کیونکہ مال کے بدلے صلح جس کا فوری مقصد کفار کے شر کو دور کرنا اور دوسرا قتال کیلئے تیاری کرنا ہو، جان ومال کے ساتھ جہاد کرنے کے باب سے لہذا یہ جائز ہے۔ (٢)

---

(١) بدائع الصنائع ٧/٢٨٦ (٢) بدائع الصنائع ٧/٢٨٨

(۲) مرتدین سے صلح :

مرتدین کے ساتھ صلح کرنا اس صورت میں جائز ہے جب وہ اسلامی ممالک میں سے کسی ایک ملک پر غلبہ حاصل کرلیں اور ان سے خوف وخطرہ محسوس کیا جاتا ہو اور ان کی طرف سے شر کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ اس صلح سے ایک تو فوری طور پر دفع شر کا فائدہ حاصل ہوگا۔ دوسرے یہ امید ہے کہ شاید وہ اسلام کی طرف رجوع کرلیں اور تائب ہو جائیں۔ البتہ ان سے صلح کے بدلے میں مال نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ صلح کے بدلے میں مال لینا جزیے کے ذیل میں آتا ہے اور مرتدوں سے جزیہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ تاہم اگر ان سے کوئی چیز وصول کی جائے تو وہ واپس نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ مال معصوم نہیں ہے۔

اسی طرح باغیوں کے ساتھ بھی صلح جائز ہے۔ کیونکہ جب کفار کے ساتھ صلح جائز ہے تو مسلمانوں کے ساتھ بدرجہ اولی جائز ہے۔ البتہ ان سے ان کی صلح کے بدلے میں مال نہیں لیا جائے گا کیونکہ ترک قتال پر مال وصول کرنا جزیہ کے ذیل میں آتا ہے اور جزیہ کافر کے سوا کسی اور سے لینا جائز نہیں۔ (۳)

(۳) صلح کا حکم :

جہاں تک صلح کے حکم کا تعلق ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو معروف امان کا ہے اور وہ یہ ہے کہ سلح کے بعد صلح کرنے والوں کے جان ومال ان کی عورتیں اور بچے محفوظ ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ بھی عقد امان ہے۔ اگر اہل صلح میں سے کوئی کسی دوسرے شہر میں چلا جائے جس کے ساتھ مسلمانوں کی صلح نہ ہو اور مسلمان اس شہر پر چڑھائی کردیں تو یہ گروہ محفوظ رہے گا اور ان سے کسی قسم کے تعرض کی اجازت نہیں۔ کیونکہ عقد صلح نے انہیں امان دے دی ہے۔ (۴)

(۴) عقد صلح کی صفت :

جہاں تک عقد صلح کی صفت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ عقد لازم نہیں ہوتا اور کسی بھی وقت ٹوٹ سکتا ہے۔ عقد صلح کو توڑنے کی صورت میں امام کو چاہیے کہ عقد توڑنے کی انہیں اطلاع کرے۔ اس سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْاِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (الانفال ۵۸:۸)

اور جب تمہیں کسی گروہ سے بدعہدی کا خوف ہو تو ان کو برابر کا جواب دو

جب معاہدہ توڑ دینے کی اطلاع ان کے بادشاہ تک پہنچ جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان ان پر حملہ کردیں۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ بادشاہ اپنی قوم تک اس خبر کو پہنچا دے گا۔ البتہ اگر مسلمانوں کو یقین ہو کہ معاہدہ توڑنے کی خبر اس قوم تک نہیں پہنچی اور وہ اس سے خبردار نہیں تو یہ بات مناسب نہیں کہ مسلمان ان پر حملہ کریں۔ کیونکہ جب ان تک یہ خبر نہیں پہنچی تو اس صورت میں وہ پہلی امان کے حکم پر ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ ہماری جانب سے قتال، غدر اور دھوکہ دینا ہوگا۔

اسی طرح اگر وہ معاہدے کو توڑ دیں مثلاً یہ کہ وہ معاہدے کو توڑ دینے کے پیغام کے ساتھ ہماری طرف ایلچی بھیج دیں اور وہ امام کو اس کی اطلاع کردیں تو مسلمانوں پر کچھ حرج نہیں اگر وہ ان پر چڑھائی کردیں۔ البتہ اگر مسلمانوں کو یقین ہو کہ ان کے ایک علاقے کے لوگوں کو اس کی اطلاع نہیں ہو پائی تو پھر حملہ نہ کریں۔ (۵)

---

(۳) بدائع الصنائع ۲۸۶/۷ (۴) بدائع الصنائع ۲۸۶/۷ (۵) ہدایہ

(۵) فسخ معاہدہ کے اسباب :

فسخ معاہدہ سے مراد ہے معاہدہ کا توڑنا۔ جہاں تک ان اسباب کا تعلق ہے جن سے معاہدہ صلح ٹوٹ جاتا ہے تو اس بارے میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ معاہدہ صلح یا تو وقت کی قید سے آزاد ہوگا یا پھر مقررہ مدت کے لئے طے پایا ہوگا۔ اگر معاہدہ وقت کی قید سے آزاد ہے تو اس معاہدے کے توڑنے والے اسباب دو قسم کے ہیں۔ ایک نص اور دوسرا دلالت۔

نص: سے مراد یہ ہے کہ دونوں فریق صراحت کے ساتھ معاہدے کو توڑ دیں۔

دلالت: سے مراد یہ ہے کہ ان کی طرف سے ایسے حالات پائے جائیں جو معاہدے کو توڑنے پر دلالت کرتے ہوں۔

اگر معاہدہ ایک مدت کے لئے طے پایا ہو تو اس مدت کے پورا ہونے سے معاہدہ از خود ٹوٹ جائے گا اور معاہدہ کے ٹوٹنے کی اطلاع کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان پر حملہ کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا۔

اب اگر کوئی شخص دارالاسلام میں مقررہ مدت کے معاہدے کے ساتھ داخل ہوا اور وہ مدت مقررہ گزر جائے اور وہ ابھی دارالاسلام میں ہو تو وہ امان میں ہوگا۔ جب تک کہ وہ اپنی پناہ گاہ کو لوٹ جائے۔ کیونکہ اس سے منہ پھیرنے سے غدر اور دھوکہ دینے کا امکان ہے۔ لہذا جہاں تک امکان ہو اس سے اجتناب لازم ہے۔(۶)

---

(۶) بدائع الصنائع ۷/۲۸۸

(۷) خواتین میدان جنگ میں

اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ عورتیں جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔مگر یہ کہ کفار ہجوم کرآئیں اور ضرورت عورتوں کی شرکت پر بھی مجبور کرے۔نیز عورتوں کا فطری ضعف اور ان کی طبعی ناتوانی خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان پر جہاد وقتال کو لازم کرنا ان کی فطرت اور جبلت کے خلاف ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لیس علی الضعفآء ولا علی المرضٰی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذانصحوا للہ ورسولہ ما علی المحسنین من سبیل واللہ غفور رحیم (التوبہ۹:۹۱)

کمزور لوگوں پر (جہاد میں نہ جانے کا) کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے مخلص ہوں۔نیک لوگوں پر کوئی الزام نہیں،اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

عورت ضعفاء یعنی کمزور لوگوں میں شامل ہے۔ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کیا ہم آپؐ کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے نکل سکتی ہیں؟ فرمایا نہیں،تمہارا جہاد حج مبرور ہے، پس وہ تمھارے لئے جہاد ہے۔(۱)

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

میں نے نبی اکرم ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔آپؐ نے فرمایا تمہارا جہاد حج ہے۔(۲)

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ سے آپ کی بیویوں نے جہاد کے بارے میں پوچھا، پس آپؐ نے فرمایا بہترین جہاد حج ہے۔(۳)

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ فرمایا ان پر جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں یعنی حج اور عمرہ۔(۴)

اسلام میں اصل حکم عورتوں کے لئے یہ ہے:

وقرن فی بیوتکن (الاحزاب ۳۳:۳۳) اپنے گھروں میں ٹھہرو، باہر نہ نکلو

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا بھی پسند نہیں فرمایا۔عطر اور خوشبو لگا کر یا عمدہ کپڑے پہن کر مسجد میں آنے کی صریح ممانعت فرمائی۔گھر کے صحن کی بجائے دالان میں اور اس سے بڑھ کر کوٹھڑی میں عورت کا نماز پڑھنا افضل قرار دیا۔لہٰذا جب شریعت مطہرہ صف نماز میں عورتوں کی حاضری پسند نہیں کرتی تو صف جہاد وقتال میں بلاضرورت ان کی حاضری کیسے پسند کرسکتی

---

(۱)مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ رقم :۴۹۳۲

(۲)صحیح بخاری ،کتاب الجهاد والسیر باب جهاد النسآء،رقم :۲۷۲۰

(۳)صحیح بخاری ،کتاب الجهاد والسیر باب جهاد النسآء،رقم :۲۷۲۱

(۴)صحیح ابن خزیمه،کتاب المناسك ،باب الدلیل علی ان جهاد النساء الحج والعمرۃ.رقم : ۴۲۷

ہے۔اس لئے حضرات فقہاء (اللہ ان کی قبروں کو روشن کرے) نے یہ فتوی دیا کہ نماز کی جماعت اور جہاد میں عورتوں کا حاضر ہونا ناپسند ہے ۔مگر مجاہدین کی اعانت اور امداد اور مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی غرض سے صرف ان عورتوں کا حاضر ہونا جائز ہے کہ جن کی حاضری باعث فتنہ نہ ہو یعنی بوڑھی ہوں۔ بشرطیکہ شوہر یا ذی رحم محرم ان کے ہمراہ ہو۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ بغیر شوہر یا بغیر ذی رحم محرم کے ہمراہ لئے حج وغیرہ کسی قسم کا کوئی سفر کر سکے۔(۵)

بعض احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواتین اسلام نے عہد نبویؐ کے غزوات میں شرکت کی ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن میں نے حضرت عائشہؓ اور اپنی والدہ ام سلیم کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے پانی کی مشک بھر بھر کر پشت پر رکھ کر لاتی ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتی ہیں۔جب مشک خالی ہو جاتی ہے تو پھر بھر بھر کر لاتی ہیں۔(۶)

حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ ابو سعید خدری کی والدہ ام سلیطؓ بھی احد کے دن ہمارے لئے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں۔(۷)

ربیع بنت معوذؓ سے مروی ہے ہم غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاتی تھیں کہ لوگوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور مقتولین کو اٹھا کر لائیں۔(۸)

ام عطیہؓ سے مروی ہے

ہم مریضوں کی خبر گیری اور زخمیوں کے علاج کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔(۹)

غزوہ احد میں جب آپؐ زخمی ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے آپؐ کا زخم دھویا۔حضرت علیؓ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا جا رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔(۱۰)

غزوات نبویؐ میں ان عورتوں نے صرف لوگوں کو پانی پلایا، مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی ہے، لیکن قتال لڑائی نہیں کی۔

ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواتین بھی جہاد میں حصہ لیتی تھیں۔لیکن جنگ نہیں لڑتی تھیں بلکہ جنگی خدمات سر انجام دیتی تھیں، جن سے مجاہدین کو جنگی تعاون حاصل ہوتا۔آنحضورؐ کے ساتھ جو عورتیں جہاد میں جاتیں بالعموم ان کے خاوند بھی شریک ہوتے تھے ۔اگرچہ جنگ میں عورت کے لئے پردے کی وہ شدید پابندیاں نہیں ہیں جو عام حالات میں ہیں تاہم خواتین کو ایسا لباس پہننا چاہیے جس سے تگ ودو میں رکاوٹ نہ ہو اور عریاں بھی نہ ہو۔(۱۱)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عورتوں نے کیا قتال بھی کیا تو اس سلسلہ میں یہ روایات قابل غور ہیں۔

ام عمارہؓ نے جب دیکھا کہ ابن قمیہ رسول اللہ ﷺ پر حملہ کر رہا ہے تو انہوں نے اس حالت میں آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ مونڈھے پر ایک گہرا زخم آیا۔ام عمارہؓ فرماتی ہیں میں نے بڑھ کر ابن قمیہ پر وار کیا مگر اللہ کا دشمن دو زرہ پہنے ہوئے تھا۔(۱۲)

جنگ خندق میں حضرت صفیہؓ نے خیمہ کا بانس لیا اور تنہا ایک یہودی کو قتل کیا۔(۱۳)

---

(۵) سیرۃ المصطفی 1/۵۶۸،۵۶۹

(۶) صحیح بخاری، کتاب الجہاد

(۷) صحیح بخاری، کتاب الجہاد

(۸) صحیح بخاری، کتاب الجہاد

(۹) صحیح بخاری، کتاب العیدین

(۱۰) البدایہ والنہایہ ۷/۲۴۴

(۱۱) خلیل احمد حامدی، جہاد اسلامی، ۱۳۱

(۱۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۸۲/۲

(۱۳) سیرۃ المصطفی ۲۲۹/۲

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ام سلیمؓ جنگ حنین میں ایک خنجر ہاتھ میں لئے پھر رہی تھیں۔حضورؐ نے پوچھا کس لئے ہے؟ کہنے لگیں اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔(۱۴)

ان روایات کے علاوہ تمام غزوات میں سوائے ایک دو عورت کے اور (دیگر یا مزید) عورتوں کا شریک جہاد وقتال ہونا کہیں ذخیرہ احادیث سے ثابت نہیں اور نہ کسی حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا عورتوں کو جہاد کی ترغیب دینا ثابت ہے۔(۱۵)

یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ خواتین کو مال غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہیں ملے گا۔اس سلسلہ میں حجرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

''عورتیں بھی نبیؐ کے ساتھ غزوات میں نکلتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ان کو مال غنیمت میں سے کچھ بطور انعام مل جاتا تھا۔غنیمت میں ان کا حصہ مقرر نہیں تھا۔''(۱۶)

غرض آنحضورؐ نے غنائم میں عورت کا حصہ رکھا۔ بلکہ جو خواتین جنگ میں آپؐ کے ساتھ جاتی تھیں ان کو آپؐ انعام کے طور پر مجموعی مال میں سے کچھ عنایت فرما دیتے تھے۔ یہ اس لئے ہے کہ غنیمت اہل قتال کا حق ہے خواہ وہ عملا دشمن سے لڑ رہے ہوں یا کوئی اور جنگی فرض سرانجام دے رہے ہوں۔عورت کو آپؐ نے اہل قتال میں شامل نہیں فرمایا۔کیونکہ جہاد اس پر فرض نہیں ہے۔اس لئے اسے مال غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ بھی نہیں دیا۔

عورت سے مصارفی خدمات لینا اور انہیں باقاعدہ فوجوں میں بھرتی کرنا اسلام کی پالیسی سے خارج ہے۔البتہ وہ جان اور آبرو کی حفاظت کے لئے ہتھیار اٹھا سکتی ہیں۔اپنی حفاظت آپ کی بنیاد پر وہ اسلحہ کے استعمال کا طریقہ بھی سیکھ سکتی ہیں۔(۱۷)

---

(۱۴) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر

(۱۵) سیرۃ المصطفیٰ ۱/۵۶۸

(۱۶) جامع ترمذی، کتاب الجہاد

(۱۷) خلیل احمد حامدی، جہاد اسلامی، ۱۳۲

باب سوم

قتال۔اعتراضات کا تجزیہ

ا۔غزوات نبویؐ پر ہونے والے اعتراضات کا تجزیہ :

باسورتھ اسمتھ غزوات نبویؐ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ مجھ کو تکلیفیں دی جاتی تھیں بلکہ اب وقت ہے کہ محمد کو کوئی نہیں ستا تا بلکہ وہ خود لوگوں کو آزار دیتا ہے۔ وہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر قوموں کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہے کہ ان میں سے ایک بات قبول کرلو۔ اسلام قبول کرو یا جزیہ دو یا جنگ قبول کرلو۔''(۱)

اس مغربی معترض کے نزدیک جس پیغمبر اسلام کو مکی زندگی میں اذیتیں پہنچائی گئی ہیں۔ مدنی زندگی میں حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ لوگوں کو تکلیف پہنچا رہا ہے۔

مکہ میں اللہ کے رسولؐ نے جب لوگوں کو صرف اللہ کو الہ ماننے کی دعوت دی تو آپؐ اور آپؐ کے اصحاب پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اللہ کے رسولؐ کو پتھر مارے گئے، اونٹ کی اوجھری پھینکی گئی، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، گلے میں چادر ڈال کر اسے بل دیے گئے، گندگی پھینکی جاتی، معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا، قتل کا منصوبہ بنایا گیا اور ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ اسی طرح صحابہ کو شہید کیا جاتا، کسی کو پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا تو کسی کو جلتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا، کسی کو کوڑے مارے جاتے تو کسی کو سولی پہ چڑھایا جاتا۔

چنانچہ یہ وہ پس منظر ہے جس میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ملی کہ تم اپنے اوپر کئے گئے ہر ظلم کا بدلہ لے لو۔ دنیا کا ہر قانون مظلوم کو اس کا حق دلاتا ہے۔ دنیا کی ہر عدالت مظلوم کے لئے نرم گوشہ رکھتی ہے۔ اسی طرح ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے اور مظلوم کو ظلم سے روکنے کے لئے جہاد وقتال کا حکم دیا گیا۔ جہاد وقتال کا یہ حکم کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ انسان اپنی ابتدا ہی سے جنگ سے واقف ہے۔ اسلام نے فساد کا کوئی نیا طریقہ نہیں سکھایا بلکہ جنگ اور حرب کے لئے نیا لفظ ''جہاد'' استعمال کیا ہے۔ تا کہ واضح ہو سکے کہ جہاد، جنگی مظالم اور کشت وخون سے الگ چیز ہے۔

مکی زندگی میں جنگ نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کفار سے جنگ اور قتال کرنے کا کوئی حکم الٰہی موجود نہیں تھا۔ مدنی زندگی میں اللہ کے رسول کو کفار سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس حکم کو پورا کرنا امام الانبیاء کے لئے لازم تھا۔ اس سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے:

یایھا النبی حرض المومنین علی القتال (الانفال۸:۶۵)

اے نبی (ﷺ)! مومنوں کو قتال کی ترغیب دلایئے

آپؐ کفار کے لئے تکلیف اور مصیبت کا نہیں بلکہ رحمت کا باعث تھے۔ اس لئے کہ آپؐ بارگاہ ایزدی سے رحمت للعالمین کے لقب سے نوازے گئے:

وما ارسلنٰك الا رحمت للعالمین (الانبیاء ۲۱:۱۰۷)

اور ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اگر آپؐ انسانوں کو تکلیف پہنچانے کے خواہشمند ہوتے تو طائف میں پتھروں سے لہولہان ہونے کے بعد ان کے لئے دعا نہ کرتے بلکہ فرشتہ سے کہتے کہ انہیں نیست و نابود کر دے۔ لیکن آپؐ نے عذاب کی اجازت چاہنے والے فرشتوں سے کہا کہ میں زحمت نہیں

---

(۱) تاریخ اشاعت اسلام:۳۶۷۵

بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپؐ کی موجودگی کفار کے لئے باعث رحمت تھی۔ کفار قرآن کے سچ ہونے پر اللہ تعالی سے آسمان سے پتھر برسائے جانے یا دردناک عذاب کا مطالبہ کرر ہے تھے۔لیکن اللہ تعالی نے یہ عذاب ان پر اس لئے نازل نہیں کیا کیونکہ آپؐ ان کے درمیان موجود تھے۔

ما كان الله ليعذبهم وانت فيهم (الانفال۸:۳۳)

اللہ ایسا نہ تھا کہ ان کو عذاب دیتا اور آپؐ ان میں موجود ہوں۔

تباہ شدہ اقوام کی تباہی کا آخری سبب ان کے لئے ان کے نبی کی بددعا بھی تھی۔لیکن آپؐ نے کبھی بددعا نہیں فرمائی۔غزوہ احد میں دندان مبارک کی شہادت کے بعد حضرت خباب بن الارتؓ جب کہتے ہیں کہ اے اللہ کے نبی آپؐ بددعا کیوں نہیں کرتے؟ آپؐ نے اس موقع پر یہ دعا فرمائی:

اللهم اغفر لقومی فانهم لا يعلمون (۲)

اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔

اگر آپؐ کا مقصد لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہوتا تو فتح مکہ اپنے ذاتی دشمنوں سے انتقام لینے کا بہترین موقع تھا۔آپؐ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ذاتی انتقام کی آگ ٹھنڈی کر سکتے تھے اور ذاتی اذیتوں کا بدلہ لے سکتے تھے۔لیکن آپؐ نے "**یوم المرحمه**" فرما کر تمام دشمنوں کو معاف فرما دیا۔

آپؐ کی کفار سے جنگ صرف قبول اسلام تک تھی۔ جب کسی کافر نے اسلام قبول کرلیا اب اس کے ساتھ جنگ نہیں ہوسکتی۔اس حوالے سے آپؐ کے غزوات دعوت دین کا اہم جز و تھے۔

آپؐ کے تمام غزوات کی نوعیت دفاعی ہے۔آپؐ پر جنگیں مسلط کی گئی ہیں۔آپؐ نے اپنے دین، اپنے پیروکاروں اور اپنی ریاست کے دفاع کے لئے کفار کا مقابلہ کیا۔آپؐ کو منافقین کے ساتھ بھی جنگ کرنے کا حکم دیا گیا لیکن آپؐ نے کبھی ان کے خلاف جنگ نہیں لڑی۔اس مختصر تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوات نبوی کا مقصد کسی کو تکلیف دینا نہیں بلکہ اللہ تعالی کے کلمے کو بلند کرنا ہے۔

اب ذرا ان اذیتوں کا جائزہ لیا جائے جو دنیاوی جنگوں میں انسانوں کو پہنچائی گئی ہیں۔۵۲۳ء میں یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے چالیس ہزار عیسائیوں کو زندہ جلا دیا۔۱۴۴۲ء میں اسپین میں عیسائیوں نے ۸۲۵۴۰ مسلمانوں کو پھانسی دے دی گئی، ۱۲۰۰۰ مسلمانوں کو زندہ جلا دیا، ترک وطن کرنے والے بے یارومددگار ایک لاکھ مسلمانوں کو حملہ کر کے شہید کر دیا جاتا ہے۔۵۴۰ء میں نوشیروان نے شام کے دارالحکومت انطاکیہ میں قتل عام اور عمارتیں مسمار کرنے کے بعد انہیں آگ لگا دی۔۱۰۹۹ء میں بیت المقدس پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اعضاء کے انبار لگا دیے گئے۔ہیکل سلیمانی میں پناہ گزین دس ہزار افراد کو بیک وقت قتل کر دیا جاتا ہے۔۱۹۴۵ء میں ہیروشیما اور ناگاسا کی پر ایٹم بم گرا کر ڈیڑھ لاکھ عام شہریوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ایسی لاتعداد مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔

جبکہ غزوات نبویؐ میں مقتولین کی تعداد سب سے کم (۱۰۴۸) ہے۔غزوات نبویؐ سے متعلق جہاد کے احکامات احادیث میں موجود ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتولین کا مثلہ نہیں کیا جا سکتا، دشمن کی املاک میں لوٹ مار نہیں کی جا سکتی، دشمن کو اذیت کے ساتھ قتل نہیں کیا جا سکتا، دشمن کو آگ میں نہیں جلایا جا سکتا۔امان دینے کے بعد قتل نہیں کیا جا سکتا۔اسی طرح دشمن کو دھوکے سے قتل کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

---

(۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیا، باب حدیث الغار، رقم: ۳۲۹۰

اس لئے یہ کہنا غلط بیانی پر مشتمل ہے کہ رسول اللہؐ کے غزوات کا مقصد لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہے۔

باسورتھ اسمتھ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبیؐ تلوار ہاتھ میں لے کر کفار سے کہتے ہیں کہ ان تین باتوں میں سے ایک اختیار کرو۔ یہ دراصل اسلام کا ضابطہ جنگ ہے جس میں جنگ کو آخری آپشن کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے کسی قوم پر اچانک حملہ کرنے سے منع فرمایا۔ اگر کوئی قوم پہلی دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کر لیتی ہے تو ہمیشہ اس سے جنگ کرنے سے گریز کیا گیا۔ اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ خلق خدا کا خون نہ بہے۔ اگر تیسری صورت پیش آئی تو دشمن اسلام کے حقیقی موقف سے آگاہ ہوتا۔ ان تینوں اقدامات کی اپنی اپنی حکمت ہے جو کہ درج ذیل ہے:

(۱) اسلام کی قبولیت سے عدل وانصاف اور مکمل امن کی ضمانت فراہم ہوتی ہے۔ یہ ضمانت صرف اسلام ہی فراہم کرتا ہے۔

(۲) جزیہ کی حکمت یہ ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے۔ نیز انہیں سیدھا راستہ پا کر عدل وانصاف اور امن عامہ سے مستفید ہونے کا موقع بھی مل جائے۔

(۳) جنگ کی حکمت یہ ہے کہ وہ جابر وظالم قوت دور ہو جائے جو اس علاقے کی عوام اور اسلام کے درمیان رکاوٹ ہے۔ یہ لوگ براہ راست اسلام کی برکات سے مستفید ہو سکیں۔

عصر حاضر میں مہذب دنیا کے حکمران لٹیروں کی طرح خاموشی سے حملہ کرتے ہیں۔ اپنے دشمنوں کے پرامن شہروں اور نہتے شہریوں پر بم برساتے ہیں۔ ان کے ہسپتالوں، سکولوں اور عبادت گاہوں کو تباہ کرتے ہیں۔

(۲) جنگ اور جہاد میں فرق:

مغربی مفکرین کی ایک غلط فہمی یہ ہے کہ انہوں نے جنگ اور قتال کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ جنگ کسی بھی دنیاوی مقصد یا قومی مفاد کے لئے لڑی جا سکتی ہے۔ لیکن جہاد صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے کلمہ کی سربلندی اور اس کے دین کو نافذ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ جس طرح قتال قیامت تک دنیا میں باقی رہے گا اسی طرح دنیاوی جنگیں بھی لڑی جائیں گی۔ یہ جنگ اگر وسعت سلطنت، جنگی قوت کے اظہار، دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے لڑی جائے گی تو یہ ظلم ہوگا۔ اس کے مقابلے میں اگر اسے حق کی حمایت، عدل وانصاف کے قائم کرنے اور اللہ جل شانہ کے دین کی سربلندی کے لئے کی جائے تو یہ نیکی کا کام اور باعث ثواب ہے۔

بظاہر دیکھنے میں جنگ اور قتال ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں میں قتل وغارت کا بازار گرم ہے۔ لیکن یہ مشابہت ظاہری ہے حقیقت میں دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو یہ قتل کرنا گناہ اور ظلم ہے۔ اس کی سزا میں قاتل کو قتل کیا جاتا ہے۔ قتل کے اعتبار سے دونوں ظاہرا ایک دوسرے کے مشابہ ہیں کہ ایک دوسرا قتل قصاص پر مبنی ہے۔ اس قاتل کو قتل کرنا پورے معاشرے کو اس کے ظلم اور زیادتی سے بچانا ہے۔ ایک قاتل کو قتل کر کے سینکڑوں جانیں قتل سے بچالی جاتی ہیں۔ ایسے آدمی کو قتل کرنا عین عدل وانساف ہے۔ دنیاوی جنگوں میں ذاتی انتقام لینا مقصود ہوتا ہے۔ جبکہ قتال میں کفار کی شان وشوکت کا خاتمہ مقصود ہے۔ (۳)

---

(۳) جہاد، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید: ۳۶

(۳) لوٹ مار کا مقصود ہونا:

ایک مغربی شخص آسبرن معترض ہے کہ

''محمد (ﷺ) کی یہ لڑائیاں دراصل معاش کا ذریعہ تھیں جو اہل عرب کی طبیعت کے مناسب حال ہے۔ ان لڑائیوں سے اس پر کسی ذلت یا بداخلاقی کا الزام نہیں لگتا تھا۔ یہ قزاقی کا پیشہ تھا اور ایسے ہر شخص کے لئے جس کے ہاتھ میں تلوار ہو کھلا ہوا تھا۔ ان کفار کو لوٹنا یقیناً ایسا کام تھا جو ان کے خیال میں خدا کی نظر میں نہایت پسندیدہ تھا۔''(۴)

غزوات نبویؐ میں لوٹ مار مقصود نہیں تھی بلکہ اللہ کے رسولؐ نے عربوں کی جنگی اصلاح فرماتے ہوئے لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ۔عبداللہ بن زید انصاری سے روایت ہے:

نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن النهبى والمثلة ۔(۵)

نبی اکرم ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا

اسی طرح عاصم بن کلیب اپنے باپ سے اور وہ ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں:

''ہم ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ نکلے۔ اس سفر میں خوراک کی قلت کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف ہوئی۔ لوگوں کو بکریاں مل گئیں اور انہوں نے لوٹ لیں اور ذبح کر لیں اور ہماری ہانڈیاں پک رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ نے اپنی کمان سے ہانڈیاں الٹ دیں اور گوشت کو مٹی سے آلودہ کر دیا اور فرمایا لوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔''(۶)

اسی طرح ایک روایت میں ہے:

ایک صحابیؓ نے آنحضورؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کچھ مال ہاتھ آئے۔ آپؐ نے فرمایا اسے کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ جواب انہوں نے آ کر لوگوں سے بیان کیا۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ اس نے آنحضورؐ کا مطلب نہیں سمجھا، پھر جا کر پوچھو۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا تو پھر وہی جواب ملا۔ لوگوں نے پھر ان کو بھیجا اور پھر آنحضورؐ نے یہی فرمایا کہ کچھ ثواب نہیں ملے گا۔(۷)

ایک حدیث میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے:

ایک صحابی نے ایک سریہ میں حملہ کرنا چاہا۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے۔ اس صحابیؓ

---

(۴) اسلام زیر حکمت عرب:۴۶

(۵) صحیح بخاری،کتاب المظالم،باب النهبى بغير اذن صاحبه،رقم:۲۳۴۲

(۶) سنن ابی داود ،کتاب الجهاد باب فى النهى عن النهبى اذا كان فى الطعام قلة فى ارض العدو ،رقم:۲۷۰۵

(۷) سنن ابی داود ،کتاب الجهاد ،باب فى من يغزو ويلتمس الدنيا رقم :۲۵۱۶

نے کہا **لااله الا الله** کہوتمہاری جان اور مال بچ جائے گا۔انہوں نے **لااله الا الله** کہا اوران کوامن دے دیا گیا۔جب یہ صحابی اپنے ساتھیوں میں واپس آئے تو لوگوں نے ان کوملامت کہ کہ تم نے ہمیں غنیمت سے محروم کر دیا ہے۔جب یہ لوگ آنحضورؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے اس صحابی کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم ایک ایک آدمی کے بدلے (جس کوتم نے چھوڑ دیا) اس قدر ثواب ملے گا۔(۸)

خیبر کی لڑائی میں امن کے بعد لوگوں نے یہودیوں کے جانوراور پھل لوٹ لئے۔اس پر آپ کوسخت غصہ آیا۔آپؐ نے تمام صحابہ کرامؓ کوجمع کیااور فرمایا:

''اللہ نے تم لوگوں کے لئے یہ جائزنہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ مگر ان کی اجازت سے،اور نہ ان کی عورتوں کو مارو،اور نہ ان کے پھل کھاؤ،جبکہ وہ چیز جوان کے ذمہ ہے تمہیں ادا کریں۔''(۹)

ان روایات سے یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ غزوات نبویؐ کا اصل مقصد لوٹ مار کرنا نہیں تھا۔اس لئے کہ لوٹ مار کی نیت رکھنے ولالا مجاہد اجر وثواب سے محروم ہے۔مال غنیمت صرف اس امت پر حلال ہوا۔لیکن اس حلت کا مقصود کفار کی شان وشوکت کا خاتمہ اور معاشی طور پرانہیں کمزور کرنا ہے۔تا کہ وہ ایک طاقت بن کر اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرہ نہ بنیں۔جبکہ مسلمان مضبوط ہوں اور اپنا دفاع کرسکیں۔روایات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ میدان جنگ کے علاوہ لوٹ مار کرنا حرام ہے۔

دوسری بات جومعترض نے اپنے اس اعتراض میں کہی کہ مسلمان جنگجوؤں کا کفار کولوٹنا ان (مسلمانوں) کے خیال میں خدا کی نظر میں نہایت پسندیدہ تھا۔

اس کوجواب یہ کہ یہ مسلمانوں کا اپنا خیال نہیں تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم اوراسکی منشاء کے مطابق تھا۔سب سے پہلے جنگ بدر میں اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

لو لا کتٰب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم(الانفال۸:۶۸)

اگراللہ کی طرف سے ایک لکھا ہواحکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جوراستہ تم نے اختیار کیا،اس کی وجہ سے تم پرکوئی بڑی سزا آجاتی۔

چنانچہ آنحضورؐ نے اعلان فرمایا:

جوشخص کسی کافر کوقتل کرے گا اس کا مال واسباب قاتل کو ملے گا۔

اس بنا پرلوگوں نے مسلوبہ مال کا دعویٰ کیا جوخود صحابہؓ لڑے نہ تھے بلکہ علم اورروایت کے محافظ تھے ان کا دعویٰ تھا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی

یسئلونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول(الانفال۸:۱)

---

(۸)ابوداؤد،کتاب الادب

(۹)مشکوٰۃ المصابیح ،کتاب الایمان،باب الاعتصام بالکتاب والسنة،رقم:۱۵۶

آپ سے مال غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ مال
غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔

اس سے مراد ہے کہ مجاہدین مال غنیمت کا دعویٰ نہیں کر سکتے لیکن اس کی تقسیم میں آنحضورؐ کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں تقسیم فرما دیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اس لئے مال غنیمت حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اسے حلال قرار دیا ہے۔ یہ کسی کا خیال نہیں ہے بلکہ حکم الٰہی سے مسلمانوں اور اس امت کے لئے حلال کیا گیا ہے۔ جو مسلمان کسی غرض غایت کے بغیر لوٹ مار کرتے ہیں ان کا جہاد قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے:

میں فلاں غزوہ میں آپؐ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جا کر ان کو تنگ کیا، لوٹا مارا
آپؐ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جو دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے یا لوٹ مار
کرے اس کا جہاد قبول نہیں۔ (۱۰)

(۴) غزوہ بدر، جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے ابتدا :

ولیم میور کہتا ہے:

جنگ بدر کی ابتدا خود محمد (ﷺ) کی طرف سے ہوئی۔ (۱۱)

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ جب کفار مکہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بدر کے مقام پر پہنچے تو آپؐ اپنی حفاظت اور مدینہ کے دفاع کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ قول نامعقول ہے کہ آپؐ ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے روانہ ہوئے اور صفراء کے مقام پر قیام فرمایا۔ اگر ایسا ارادہ ہوتا تو اہل مدینہ جنہوں نے آنحضورؐ کو صرف شخص حملہ سے بچانے کا عہد و پیمان کیا تھا آپؐ کے ساتھ نہ ہوتے۔ انصار کی موجودگی اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ وہ صرف مدافعت کی غرض سے نکلے تھے۔

ابوسفیان نے مدینہ سے گزرنے سے پہلے ضمضم بن عمر غفاری کو کفار مکہ کے پاس بھیج دیا تھا کہ اس کے تجارتی قافلے کی مدد کی جائے۔ ابوسفیان کا قافلہ کسی مزاحمت کے بغیر مدینہ سے گزر گیا۔ قافلہ جب لشکر قریش کے پاس پہنچا تو انہوں نے مشورہ کیا کہ اب واپس چلے جائیں۔ کیونکہ جس قافلے کی حفاظت کے لئے جا رہے تھے وہ خیریت سے واپس آ گیا ہے۔ اس پر دو قبائل احنن اور بنی زہرہ مکہ واپس چلے گئے جبکہ باقی لشکر اپنا جنگی جنون پورا کرنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کی تشویش یہ تھی کہ ان کا دشمن ان کے علاقے میں کیا کر رہا ہے؟

کفار مکہ مدینہ کے بالکل قریب آ چکے تھے یعنی بدر کا میدان مدینہ سے تین دن کے فاصلے پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کفار کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے روانہ ہوئے۔ نیز قریش مکہ ۸ رمضان المبارک کو مکہ سے روانہ ہوئے جبکہ رسول اللہ ﷺ ۱۲ رمضان المبارک کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس طرح آپؐ کفار مکہ سے چار دن بعد روانہ ہوئے۔

---

(۱۰) ابو داؤد، کتاب الجهاد باب ما یومر من انضمام العسکر وسعته، رقم: ۲۶۲۹

(۱۱) سیرۃ محمدی ۲۵۵/۳

(۵) تجارتی قافلوں سے انتقام :

ولیم میور قتال پر اعتراضات کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

مکہ کے قافلے (مسلمانوں کے لئے) انتقام کا ایک دل لبھانے والا موقع پیش کرتے تھے اور ان کے خلاف متعدد مہمات مرتب کی گئی تھیں ۔(۱۲)

دوسری جگہ لکھتا ہے:

ہجرت کے بعد ابتدائی حملے صرف محمد (ﷺ) اور آپ کے متبعین کی طرف سے ہوئے تھے۔ جب مسلمان اہل مکہ کے متعدد قافلوں کو لوٹ مار کر خونریزی کر چکے تھے ،تب کہیں مجبور ہو کر انہوں نے اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار اٹھائے تھے۔(۱۳)

مدینہ میں درپیش حالات کے لحاظ سے آنحضورؐ کی طرف سے جنگ کی ابتدا قرین قیاس نہیں ۔ یہ طرز عمل ان آیات کے بھی بالکل خلاف ہے جو اس مضمون سے متعلق قرآن میں موجود ہیں۔ اگر بالفرض جنگوں کی ابتدا آنحضورؐ ہی کی طرف سے ہوئی تھی تو اس وجہ سے کہ مسلمانوں کو مکہ سے نکالے جانے پر جنگ چھڑ چکی تھی۔ آنحضورؐ کو قانوناً حق حاصل تھا کہ مسلمانوں پر جو ظلم ہوئے تھے ان کی چارہ جوئی کرنے اور ان کے جائز حقوق کو بزور اسلحہ قائم کرنے کے لئے ہتھیار اٹھائیں۔ جو لڑائی ان وجوہ کی وجہ سے شروع کی جائے وہ جنگ دفاعی ہے ۔(۱۴)

قافلوں پر حملہ کرنے کی دھمکی دینا یا ان کو گرفتار کرنے کے ثبوت میں کوئی تسلی بخش وجوہ نہیں ہیں۔لیکن حملہ یا گرفتاری قابل اعتراض نہیں۔اس لئے کہ جنگوں کے آغاز پر دشمن کے جان و مال کی کھوج لگانا اور ان پر قبضہ کرنا قدرتی طور پر پیش نظر ہوتا ہے۔قدیم زمانے کے جنگی دستور کے مطابق برسر جنگ ہونے سے دشمن کے جان و مال پر قبضہ کا حق حاصل ہوتا تھا۔خواہ یہ مال کسی قسم کا ہو یا کسی مقام پر ہو۔شرط یہ تھی کہ وہاں پر جنگی قوانین کا نفاذ ہو۔جدید بین الاقوامی قانون کی رو سے دشمن کے مال پر قبضہ کر لینے کا حق حالت جنگ کے آغاز سے حاصل ہو جاتا ہے۔لہذا مسلمانوں کے اس کام کو رہزنی، غارتگری یا چوری قرار دینے والے قدیم یا جدید بین الاقوامی قوانین سے ناواقف ہیں۔

کفار مکہ اور مسلمانوں میں جنگ شروع ہونے سے پہلے ابوجہل نے حضرت معاذ انصاریؓ سے کعبہ میں یہ کہا تھا کہ اگر تم محمد کو نکالو گے نہیں تو تم کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔اس پر انہوں نے جواب دیا تھا کہ اگر تم ہمیں کعبۃ اللہ میں آنے سے روکو گے تو ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے۔(۱۵)

غرض قافلوں کو روکنے کی حکمت یہ تھی کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دے دیں۔اس لئے قریش تجارت کے لئے ہتھیار بند ہو کر اور سو یا دو سو کی جمعیت کے ساتھ لے کر جاتے۔کبھی کبھار روک ٹوک کرنے پر لڑائی ہو جاتی۔ جب کفار مکہ شکست کھا

---

(۱۲) قرآن از ولیم میور :۲۴

(۱۳) سیرت محمدی ۲/ ۲۶۵

(۱۴) تحقیق الجہاد:۳۱

(۱۵) سیرۃ النبی ﷺ ۱/ ۳۵۱

کر بھاگتے تو مال تجارت بطور غنیمت حاصل ہوتا۔ اسی روک ٹوک کی وجہ سے بالآخر قریش نے صلح حدیبیہ کی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو چند خاص پابندیوں کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی۔ صلح حدیبیہ کے بعد پھر کبھی مسلمانوں نے قریش کے کاروان تجارت سے لڑائی نہیں کی بلکہ خود اس کی حفاظت کے لئے فوج بھیجتے۔(۱۶)

قریش پر کاروان تجارت کی روک ٹوک کا اثر اس قدر پڑتا تھا کہ جب حضرت ابوذر غفاریؓ نے مکہ میں اسلام قبول کیا تو قریش نے انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ قبیلہ غفار تمہارے کاروان تجارت کے راستے پر آباد ہے۔ تمہاری اس حرکت سے برہم ہو کر کہیں وہ تمہارا راستہ نہ روک دیں۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور انہوں نے تجارتی راستہ بند ہونے کے ڈر سے حضرت ابوذر غفاریؓ کو چھوڑ دیا۔ اس لئے مغربی مفکرین کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں کا اصل مقصد قافلوں کو لوٹنا تھا۔(۱۷)

(۶) فاتح اور پیغمبر کا فرق :

مستشرقین نے نبی کریم کو ایک دنیاوی سپہ سالار، فاتح اور جنگجو کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ انہوں نے قتال میں ظاہر ہونے والی آپ کی پیغمبرانہ شان سے اعراض کیا ہے۔

پیغمبروں کی جنگ انسانوں کو برائیوں سے روکنے اور اخلاقی بلندیوں تک پہنچانے کے لئے ہوتی ہے۔ یہ جنگیں حق کو حق اور باطل کو باطل کر کے حق کو غالب کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ یہ جنگیں تمام بنی نوع انسانی کی ہدایت کے لئے ہوتی ہیں۔ ان سے انسانی تخلیق کے مقصد کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس طرح ان کی اخلاقی اور روحانی جنگ اجتماعی ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جنگ شاہان جہاں غارت گری است
جنگ مومن سنت پیغمبری است

انبیا تمام انسانوں پر کسی خاص فرد کے ظالمانہ اقتدار اور غلام بنائے رکھنے کے اصرار کو ختم کرتے ہیں تا کہ انسان آزادی سے اعلی مراتب انسانیت کے حصول کے لئے ان طاقتوں کو بروئے کار لا سکے جو قدرت نے اسے ودیعت کی ہیں۔ ان اعلی مقاصد کی وجہ سے اللہ تعالی نے انسانی قتل جیسے مذموم فعل کو عبادت قرار دیا۔ ان مقاصد جلیلہ کے لئے قربان ہونے والوں کو شہید کا درجہ عنایت کیا۔ اس لئے کہ پیغمبروں کا مقصد اسلامی دعوت کی آزادی اور حریت رقائے ہوتا ہے۔ تا کہ کسی آدمی کے سامنے حق و باطل واضح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اگر کوئی رکاوٹ ہو یا رکاوٹ بننے کی وجہ موجود ہو یا ان کے متبعین اس کے ازالے کی طاقت رکھتے ہوں تو وہ آخری ہتھیار کے طور پر تلوار اٹھاتے ہیں۔(۱۸)۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس پر خوبصورت تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم وستم اور جہالت ووحشت کا مجموعہ تھی اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلائے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع مفاسد، نصرت مظلوم اور تسبیح وتہلیل کی صورت میں بدل دیا۔(۱۹)

---

(۱۶) فتح الباری ۱۲/۸

(۱۷) سیرۃ النبی ﷺ ۳۵۲/۱

(۱۸) جنگ سیرۃ نبویؐ کی روشنی میں: ۷۲-۷۳

(۱۹) سیرۃ النبی ﷺ ۳۶۶/۱

علامہ شبلی نعمانیؒ نے پیغمبر اور فاتح کا جو فرق لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

جنگ کے شدید حالات میں اللہ کے نبی دعا اور طویل سجدوں میں مصروف ہیں ۔غزوہ حنین میں جب اچانک حملہ ہوا تو اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن اللہ کے نبیؐ نے استقامت دکھائی اور اپنی نبوت کی صداقت کا اعلان کرتے ہوئے تیروں کی سمت بڑھنا شروع کر دیا۔ جنگ کے دوران نماز قائم کی جاتی ہے۔مجاہدین دو حصوں میں تقسیم ہو کر نماز ادا کرتے ہیں لیکن امام اور پیغمبر حضرت محمدؐ ایک ہی مرتبہ اپنی نماز ادا کرتے ہیں۔تعلیم وارشاد، ہدایت وتلقین، تہذیب وتزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے۔(۲۰)

تاریخ بتاتی ہے کہ فاتح جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو قتل عام کا حکم دے کر خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں ۔لیکن ایک پیغمبر جب اپنے شہر میں فاتح کی حیثیت سے عاجزانہ انداز میں داخل ہوا تو اس نے سب کو معاف کر دیا۔اس لئے کہ آپ ذاتی انتقام، جرات وشجاعت کے اظہار، عربی غیرت وحمیت کے اظہار اور فاتحانہ شہرت کے لئے جہاد نہیں کرتے بلکہ ایک اعلیٰ اخلاقی معاشرے کی تعمیر کے لئے قدم اٹھاتے ہیں۔ایسی رکاوٹیں اور مشکلات جن سے پورے انسانی معاشرے کی تباہی وابستہ تھی، اللہ کی مدد اور اپنی حکمت وبصیرت سے دور فرماتے ہیں۔

آپؐ کی اس کوشش کی مثال ایسے دی جا سکتی ہے جیسے ڈاکٹر کینسر کے مریض کا کینسر زدہ ہاتھ کاٹ کے باقی سارا جسم اس کے مضر اثرات سے بچا لیتا ہے۔استاد شرارتی بچوں کو کلاس سے باہر نکال کر کلاس کا نظم وضبط قائم کرتا ہے۔ مالی خزاں رسیدہ پتوں اور خشک ٹہنیوں کو کاٹ کر باغ کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔

(۷) عالم اسلام کا پیغمبر امن :

مستشرقین نے نبی مکرمؐ کو ایک جنگجو، ایک فاتح اور ایک ظالم انسان کی حیثیت سے دیکھا اور دکھایا ہے۔ جو ان کے ناقص زاویہ نگاہ کی عکاسی کرتا ہے۔مستشرقین کے ان لغو اعتراضات کے مقابلے میں بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ ہم آپؐ کو ایک پیغمبر امن کی حیثیت سے پیش کریں۔لوگوں کے سامنے آپؐ کی ان مساعی جمیلہ کا تذکرہ کریں جو آپؐ نے قیام امن کے لئے پیش کی ہیں۔ عامۃ الناس کو اس زندہ حقیقت سے آگاہ کریں۔

آپؐ کا وجود اس معاشرے کے لئے امن کا پیغام بنا جس میں ظلم کو بہادری اور ستم کا لقب دلاوری تھا۔ یہ معاشرہ جاہلیت کا علمبردار تھا۔ایسے معاشرے میں آپؐ ایک صادق اور امین کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔آپؐ نے حرب فجار میں شرکت فرمائی کیونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے۔آپؐ نے اس جنگ میں کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔آپؐ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے تھے۔امام سہیلیؒ نے اس کی تصریح میں لکھا ہے:

''آپؐ نے اس جنگ میں لڑائی نہیں کی حالاں کہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی حرام مہینوں میں پیش آئی۔ نیز فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا

---

(۲۰) سیرۃ النبی ﷺ ۱/۳۶۶، ۳۶۷

حکم صرف اس لئے خدا نے دیا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔''(۲۱)

جنگ فجار سے واپسی کے بعد عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ایک معاہدہ ''حلف الفضول'' ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ چنانچہ آپؐ اپنے عہد نبوت میں فرماتے:

عبداللہ بن جدعان کے مکان میں میں ایک ایسے معاہدہ میں موجود تھا کہ اس کے بدلے میں سرخ اونٹ لینا پسند نہیں کرتا۔ اگر زمانہ اسلام میں کوئی اس کی طرف بلائے تو میں لبیک کہوں گا۔(۲۲)

تعمیر کعبہ میں جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اسی کے ہاتھ سے انجام پائے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔ ابوامیہ بن مغیرہ کی اس رائے پر سب کا اتفاق ہوا کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ چنانچہ آپؐ سب سے پہلے تشریف لے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں سب کا ایک ایک سردار منتخب کرلیا جائے۔ آنحضورؐ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھا لیں۔ جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب کر دیا۔ اس طرح ایک سخت لڑائی آپؐ کے حسن تدبیر سے رک گئی۔(۲۳)

آپؐ جب داعی اسلام کی حیثیت سے اپنی قوم سے مخاطب ہوئے تو کفار مکہ کے آفتاب غضب میں تمازت آگئی۔ لیکن آپؐ نے مخالفین کی ہلاکت پر ان کی اصلاح کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں جن میں دعوت اسلامی اور اخلاق وکردار اپنا کام کر سکیں۔ ابوجہل آپؐ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا لیکن آپؐ نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو معلوم ہوا تو خانہ کعبہ میں ابوجہل کو وزنی کمان مار کر اس کا سر لہولہان کر دیا۔ حضرت حمزہ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے میرے بھتیجے خوش ہو جاؤ میں نے تمہارا انتقام لے لیا۔ آپؐ نے فرمایا: اے میرے چچا میں انتقام لینے سے خوش نہیں ہوتا، میں تو اس وقت خوش ہوں گا جب آپؐ اسلام قبول کر لیں گے۔(۲۴)

غزوہ احد میں جب آپؐ زخمی تھے تو حضرت خباب بن الارتؓ فرماتے ہیں اے اللہ کے نبی آپؐ دعا کیوں نہیں کرتے کہ یہ لوگ تباہ کر دیے جائیں۔ اس موقع پر بھی آپؐ اپنی قوم کے لئے دعا فرماتے ہیں:

اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔(۲۵)

اے اللہ! میری قوم کو بخش دے یہ لوگ مجھے نہیں جانتے

جب مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا ہوتی ہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نامور سرداروں کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

اے اللہ کے رسولؐ! جب ہم مشرک تھے تو عزت والے تھے۔ کسی کی جرات نہ تھی کہ ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھے۔ لیکن مسلمان ہو کر ہم کمزور ہو گئے۔ دشمن کے ہاتھوں ذلیل

---

(۲۱) سیرۃ النبیؐ ۱/۶۲۲
(۲۲) سیرۃ النبیؐ ۱/۶۲۲
(۲۳) سیرۃ النبیؐ ۱/۱۲۲
(۲۴) سیرۃ النبیؐ ۱/۱۴۳
(۲۵) قاضی عیاض، شفاء، ۴۱

وخوار ہور ہے ہیں۔اس کے ظلم برداشت کرر ہے ہیں۔اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں اجازت دیجیے کہ میدان میں اتر کر ان کا مقابلہ کریں۔آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا:

انی امرت بالعفو فلا تقاتلوا۔(۲۶)

بے شک مجھے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس جنگ نہ کرو۔

اسی واقعے کا تذکرہ اس آیت میں بھی کیا گیا ہے:

الم تر الی الّذین قیل لھم کفُّوٓا ایدیکم واقیموا الصَّلٰوۃ واٰتواالزّکٰوۃ (النسآء۴:۷۷)

کیاتم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن سے (مکی زندگی میں) کہاجاتا تھا

کہ اپنے ہاتھ روک کررکھواور نماز قائم کیے جاؤاور زکٰوۃ دیتے رہو۔

اسی طرح جہاد کے مشتاق صحابہ کرامؓ کوایسی سورت کے نزول کا انتظار تھا جس میں جہاد کا حکم دیا جائے۔

ویقول الذین امنوا لولا نزلت سورۃ (محمد،۴۷:۲۰)

اور مومن کہتے ہیں کہ: کیا اچھا ہو کہ کوئی (نئی) سورت نازل ہوجائے۔

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان بزدل نہیں تھے بلکہ ان میں کفار سے جنگ آزما ہونے کا جذبہ موجزن رہتا تھا۔ لیکن آپؐ انہیں جنگ اور لڑائی کرنے سے روک رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو روک دیا تھا۔

آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ ہجرت فرمائی۔آپؐ کو خواب میں **دار الھجرۃ** دکھایا گیا جو ایک سرسبز وشاداب مقام تھا۔ آپؐ کا خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا۔(۲۷)

اس ہجرت کا مقصد مخالفین کے خلاف قوت اور طاقت تیار کرنا نہیں تھا جیسے مستشرقین کا خیال ہے۔

جب آپؐ مدینہ ہجرت فرما گئے تو مدینہ کے حالات یہ تھے کہ اوس اور خزرج قبائل نے جنگ بعاث سے دامن نہ جھاڑا تھا اور ان کی خون آشام تلواروں سے لہو ٹپک رہا تھا۔لیکن آپؐ نے خون کے پیاسوں کو الفت ومحبت کا پیاسا بنا دیا۔ایسا بھائی چارہ قائم کیا جس کے سامنے سگے بھائیوں کی محبت گرد اور دنیا کی تمام دوستیاں بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔(۲۸)

آپؐ جب مدینہ تشریف لائے تو قریش نے عبداللہ بن ابی (جو رئیس الانصار تھے) کو لکھا:

> تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دے رکھی ہے۔ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ انہیں قتل کرڈالو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کردیں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔چنانچہ قریش نے تیاریاں جاری رکھیں تا کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کردیں۔اسی خدشہ کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ جب پہلے پہل مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔(۲۹)

حاکم کی ایک روایت میں ہے:

---

(۲۶) السنن الکبریٰ ۴/۱۷۱
(۲۷) صحیح بخاری، باب ہجرۃ النبیؐ
(۲۸) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ۴۰
(۲۹) سنن ابی داؤد، باب خبر النضیر

"آنحضورؐ اور صحابہ جب مدینہ آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گیا۔صحابہ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔(۳۰)

امام زرقانی نے مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۲صفر ۲ ھ میں جہاد کی اجازت دی۔اسی کی سند میں امام زہری کا قول ہے پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہی ہے:

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا (الحج ۲۲:۳۹)

تفسیر جامع البیان میں ہے کہ قتال سے متعلق جو پہلی آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

وقاتلوا فی سبیل الله الزین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین (البقرہ۲۰:۱۹۰)

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے گئے۔چنانچہ ظلم کے تدارک اور امن کے قیام کے لئے نبی کریمؐ کو قتال کرنے کی اجازت ملی۔(۳۱)

سیرت کی مستند کتابوں سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ کے عہد مبارک میں ۲۹ غزوات اور ۶۶ سرایا یعنی کل ۹۵ معرکے حق و باطل کے درمیان پیش آئے۔ریاست مدینہ کی ان دس سالہ جنگی کاروائیوں ۱۲۵مسلمان اور ۹۲۳ کافر تہہ تیغ ہوئے۔اس طرح طرفین کے کل ۱۰۴۸ آدمی مقتول ہوئے۔اتنے کم جانی نقصان کے عوض عربوں کو تمدن کے بلند زینے تک پہنچا دیا گیا۔

درحقیقت بدر سے حنین تک شہادت گہہ الفت سے باہر باہر سے کوئی راہ نصب العین کی طرف جاتی نہ تھی۔لیکن آپؐ زمین کے ٹکڑوں کی بجائے روحوں کو فتح کرنا چاہتے تھے۔آپؐ تلوار کے زور سے ابدان کو مطیع بنانے کی بجائے دلیل سے دماغوں کو اور اخلاق سے دلوں کو مسخر کرنا چاہتے تھے۔ان کے مقابلے میں آج کے مہذب اور امن پسند یورپ نے پہلی جنگ عظیم میں پچھتر لاکھ افراد کو اور جنگ عظیم دوم میں ساڑھے چار کروڑ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔(۳۲)

غزوہ بدر میں ستر اور غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدی ہاتھ آئے۔ان میں سے نہ تو کسی قیدی کو قتل کیا گیا اور نہ ہی کسی سے انتقام لیا گیا۔بلکہ بعض کو فدیہ لے کر اور بعض کو بلا فدیہ رہا کر دیا گیا۔جبکہ اس کے مقابلے میں یورپ کے امن پسند معاشرے نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اسے سوچ کر انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔قیصر روم باسل نے بلغاریہ پر فتح حاصل کی تو پندرہ ہزار قیدیوں کی آنکھیں نکلوا لیں۔(۳۳)

۱۷۹۹ء میں جنرل نپولین نے یافا کے چار ہزار ترک جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا۔(۳۴)

جنگ عظیم دوم میں فاتحین نے ۵۷ ہزار جنگی قیدیوں کو شدید بھوک اور پیاس کی حالت میں پیدل چلا کر نظر بندی کیمپوں تک پہنچایا۔بعض لوگ راستے میں ہلاک ہو گئے۔تاریخ میں اس سنگدلانہ اور بے رحمانہ سفر کو Death March کا نام دیا گیا۔(۳۵)

اگر آپؐ کا ان جنگوں میں انتقام لینا مقصود ہوتا تو آپؐ فتح مکہ کے موقع پر پندرہ بیس برس کے وحشیانہ مظالم کی بھاری تاریخ طاق عفو میں ڈال کر لا تثریب علیکم الیوم کا اعلان نہ کرتے۔اس لئے کہ آج تو آپؐ کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کے اندر خون بہانے والا عکرمہ بن ابی

---

(۳۰) لباب فی اسباب النزول للسیوطی ،سورہ نور ،آیت وعد الله الذین امنو

(۳۱) سیرۃ النبیؐ ۱/۱۳۵

(۳۲) جہانگیر انسائیکلوپیڈیا آف جنرل نالج، ۳۸۱

(۳۳) یورپ پر اسلام کے احسان، ۸۲

(۳۴) الجہاد فی الاسلام، ۵۴۶

(۳۵) قومی ڈائجسٹ، جولائی، ۱۹۹۵ء

جہل، رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرانے والا ہبار بن اسود، مکہ مکرمہ میں داخلے کے وقت لشکر اسلام کے آگے مزاحمت کرنے والا صفوان بن امیہ، آپؐ کے چچا کا قاتل وحشی بن حرب اور ان کا کلیجہ چبانے والی ہند بنت عتبہ موجود تھے۔ مگر آپؐ نے رحمت کے اس دن سب کو معاف کر دیا۔(۳۶)

دوسری طرف تیسری صلیبی جنگ میں برطانیہ کے شیر دل رچرڈ اول نے اسلامی فوج کے ایک دستے کو جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا ۔وعدہ معافی دے کر ہتھیار رکھوا لئے اور بعد میں سب کو قتل کر ڈالا۔۱۸۳۷ء میں فرانس نے الجزائر کا دارالحکومت قسطنطنیہ فتح کیا، اس کی فوجیں تین دن تک قتل و غارت میں مشغول رہیں۔۱۹۱۸ء میں سوویت یونین نے قازقستان پر قبضہ کیا تو دس لاکھ قازق مسلمان شہید کر دیے گئے۔(۳۷)

۱۹۴۶ء میں یوگوسلاویہ کے کیمونسٹ انقلاب کے بعد چوبیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔(۳۸)

آپؐ کی جنگوں کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ، اسلام اور مسلمانوں کا دفاع تھا۔اگر یہ جنگیں مذہب کے تبلیغی مقاصد کے لئے ہوتیں تو ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بدترین جفا کاریوں سے کام لیا جاتا۔ان سے کچھ زیادہ تعداد میں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔اگر رسول اللہ ﷺ فاتحانہ امنگوں کے ساتھ یہ جنگیں لڑتے تو فاتحین کی طرح صحرائے عرب کے ذرے ذرے کو انسانی خون سے سیراب کر دیتے۔

قیام امن کی ان کوششوں کے نتیجہ میں آپؐ کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ

خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک عورت حیرہ سے چلے گی اور
آ کر کعبہ کی زیارت کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔(۳۹)

چنانچہ جنگ عظیم دوم کے موقع پر جارج برنارڈ شا نے کہا کہ آج اگر محمدؐ کو حاکم مان لیا جائے تو امن قائم ہو سکتا ہے۔

مزدکی ہو کہ فرنگی ہوس خام میں ہے
امن عالم تو فقط دامن اسلام میں ہے

غرض مستشرقین نے غزوات نبویؐ پر اپنے لغو اعتراضات اور بے بنیاد الزامات لگانے میں ناانصافی اور کفر کی جانبداری کا مکمل مظاہرہ کیا ہے۔مغرب کے لوگوں کا یہ منصب نہیں کہ وہ ہمیں ہمارا دین سکھائیں۔ان کو ہم سے معلوم کرنا چاہیے کہ دین و تاریخ میں کون سی حقیقت کیا مفہوم رکھتی ہے۔ہمارے پیغمبرؐ کی سیرت کو سرے سے وہ کسوٹیاں ہی قبول نہیں جو قدیم عیسائی کلیسا یا جدید مادہ پرستانہ تمدن نے وضع کی ہیں۔ہم ان باطل کسوٹیوں پر اپنے سرمایہ ماضی کو جانچ کر دکھانے کے لئے تیار ہی نہیں اور ہمارے پیغمبرؐ کی ساری حیات طیبہ امن سے عبارت ہے۔

نت نئی افتاد پڑتی ہے یہاں اسلام پر — امت مرحوم صدیوں سے ہے محروم یقین
رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ — میکدوں میں سیرت خیر البشرؐ پہ نکتہ چیں

---

(۳۶) ماہنامہ محدث، مارچ ۲۰۰۱ء
(۳۷) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ جولائی ۱۹۹۵ء
(۳۸) مجلّہ الدعوۃ، فروری ۱۹۹۳ء
(۳۹) صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ

(۸) طاقت کا استعمال :

نہری کو پی لکھتا ہے

اپنی نبوت کے تیرہویں سال آپؐ نے اس امر کا اظہار کیا کہ خدا نے مجھ کو نہ صرف مدافعت کی غرض سے جنگ کی اجازت دی ہے بلکہ اپنا دین بزور شمشیر پھیلانے کی اجازت دی ہے۔(۴۰)

پادری سٹیفنز لکھتا ہے:

قرآن میں مسلمانوں کو ان لوگوں سے جو پیغمبر اسلام (ﷺ) کی نبوت کو نہ مانیں، لڑنے کا قطعی حکم موجود ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ قبول کریں یا اگر وہ یہود ونصاریٰ ہوں تو جزیہ ادا کر کے قبولیت اسلام سے بری ہو سکتے ہیں۔ ایک مسلمان کا مشن جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کھلم کھلا نبرد آزمائی اور لڑائی میں سبقت ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ محمدؐ نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی تھی کہ جہاں ترغیب سے کام نہ چلے وہاں تم لوگ اشاعت دین کے لئے زبردستی کام لو اور اس طرح دنیا میں لوٹ مار کرتے پھرو۔ اے پیغمبر خدا کی راہ میں لڑو، مومنوں کو لڑائی کا جوش دلاؤ۔ یہ وہ احکام ہیں جن سے متعلق محمدؐ کو یقین تھا کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے ہیں۔(۴۱)

ان اعتراضات کا مدلل جواب مولانا ادریس کاندھلویؒ نے اپنی کتاب سیرۃ المصطفیٰؐ میں ''اسلام اور جبر'' کے عنوان کے تحت دیا ہے، جس کی تلخیص یہ ہے:

۱۔ جہاد لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی عزت اور ناموس کی حفاظت کے لئے ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اور مذہب بغیر حکومت کے اپنا تحفظ نہیں کر سکتے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ شریعت اسلامیہ میں مسلمان وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنی خوشی سے اسلام کا زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور عمل سے اظہار کرے۔ جو شخص کسی طمع اور لالچ یا کسی خوف وہراس سے اسلام کا محض زبانی اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق اور اعتقاد نہ رکھے، ایسا شخص شریعت اسلامیہ کی رو سے منافق کہلائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد جازم اور یقین تام (جو اسلام کا جزء لاینفک بلکہ اس کی عین حقیقت ہے) کسی جبر واکراہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

۲۔ صحابہ کرامؓ کا تیرہ سال تک کفار مکہ کے ہاتھوں مختلف قسم کی تکالیف برداشت کرنا اور اپنے عزیز رشتہ داروں کو اسلام کی خاطر چھوڑ دینا اس امر کی بالکل واضح دلیل ہے کہ انہوں نے اسلام کو خوشی سے قبول کیا تھا۔ اسلام کی مٹھاس ان کے دل میں ایسی اتر چکی تھی کہ جس نے دنیا کے تلخ سے تلخ مصائب کو شیریں اور لذیذ بنا دیا تھا۔

۳۔ شریعت اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ لوگ خوشی سے اس کے احکام کی تصدیق کریں تا کہ ثواب ونجات اخروی اس پر مرتب ہو سکے۔

لا اکراہ فی الدین (البقرہ ۲:۲۵۶)

دین میں جبر نہیں

فمن شآء فلیومن ومن شاء فلیکفر (الکھف ۱۸:۲۹)

پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے

---

(۴۰) فتح مبین ۱/۳۹ (۴۱) مسیحیت اور اسلام۔ بائبل اور قرآن، ۹۸، ۹۹

۴۔ آپؐ نے جس وقت اعلان نبوت کیا اور لوگوں کو دعوت اسلام دی اس وقت آپ تن تنہا تھے۔کوئی حکومت اور سلطنت آپ کے پاس نہیں تھی، نہ ہاتھ میں کوئی تلوار جس سے آپؐ ایمان قبول نہ کرنے والوں کو ڈراتے ہوں۔آپؐ کے اپنے جانی دشمن اور خون کے پیاسے بن گئے۔آپؐ اور آپؐ کے اصحاب پر ظلم وستم کی ہر قسم کا تجربہ کیا گیا۔اگر وحی الٰہی آپ کو حوصلہ نہ دلاتی تو یہ مصائب برداشت کرنا تقریبا ناممکن تھا۔ایسی حالت میں جبر واکراہ کیسے ممکن ہے؟

۵۔ کئی قبائل اور لوگ حکم جہاد کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے۔حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعوت سے ان کا نصف قبیلہ غفار مسلمان ہوا۔حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی مسلمان ہوا۔ہجرت مدینہ سے قبل مدینہ کے ستر آدمیوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۶۔ شام اور نجران کے عیسائیوں کو کس نے مجبور کیا تھا کہ وہ وفد کی شکل میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اسلام قبول کریں۔۹ھ کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔اس سال کئی وفود نے اسلام قبول کیا۔ان پر جبر تو در کنار ان کی طرف کوئی قاصد بھی نہیں بھیجا گیا۔

۷۔ مسئلہ جہاد صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ تمام سابقہ شرائع میں موجود تھا۔اگر اسلام کی ترقی اور اشاعت کا سبب جہاد ہے تو دوسرے مذاہب تیزی کے ساتھ کیوں نہیں پھیلے؟ جبکہ تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ یہود ونصاری نے قدرت کے وقت اپنے اپنے مخالفین کا قتل عام کرایا ہے۔

۸۔ سلاطین اسلام اگر لوگوں کو زبردستی مسلمان بناتے یا اس قسم کی تدبیریں کرتے جو عیسائیت کے لئے ماضی اور حال میں کی جارہی ہیں تو کم از کم اسلامی سلطنت میں کسی دوسرے مذہب کا وجود باقی نہ رہتا۔اس لئے کہ اگر حق وصداقت کے ساتھ مادی عیسائیت بھی شامل ہو جائے تو پھر حق کو قبول کرنے میں کیا تامل ہے؟ کیا اسلام کو طمع ولالچ سے منوانا مشکل ہے؟ مگر اسلام اس سے بے زار ہے کہ درہم ودینار کی چمک کو مذہب کی اشاعت کا ذریعہ بنایا جائے۔

۹۔ اسلامی قوانین خود اس پر گواہ ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔اس لئے کہ اسلام میں اشاعت اسلام کا قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر حملہ کرو تو ان پر اسلام پیش کرو کہ ایمان لے آؤ! پس اگر وہ ایمان لے آئیں تو وہ تمہارے بھائی اور بغیر کسی فرق کے تم سب برابر ہو۔اگر اسلام نہ لاکر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیں تو انہیں اسلامی حکومت کی اطاعت کا عہد کرنے، بدامنی نہ پھیلانے اور جزیہ قبول کرنے کا کہا جائے۔ہم مسلمانوں کی طرح تمہاری جان مال اور عزت کی حفاظت کریں گے۔حکومت اسلامیہ تمہارے مذہب میں مداخلت نہیں کرے گی اور تمہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی۔اسلام اپنے خاص احکام مثلاً حرمت شراب، طریقہ نکاح تم پر جاری کرکے تمہیں مجبور نہیں کرے گا۔

۱۰۔ زبردستی اور مجبوری سے اسلام قبول کرنے والے اسلام پر عاشق اور فریفتہ نہ ہوتے۔اس لئے کہ زبردستی کا اثر جسم پر ہوتا ہے دل پر نہیں ہوتا۔جبراً مسلمان بنائے جانے والے قلبی طور پر اسلام سے متنفر اور بیزار ہوتے۔لیکن یہ لوگ مسجد کی نسبت گھر میں زیادہ عبادت کرتے تھے۔اسلام پر اپنی جان اور مال دینے کو سعادت سمجھتے تھے۔اس کے علاوہ اسلامی شریعت کا مسئلہ ہے کہ کسی کلمہ گو کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔جس مذہب نے دشمن کے ہاتھ میں یہ ڈھال دے رکھی ہو کہ زبان سے ایک مرتبہ کلمہ کہنے پر فوراً چھوڑ دیے جاؤ گے کیا وہ مذہب زبردستی اور مجبوری سے پھیل سکتا ہے۔ ہر کافر تقیہ کرکے کلمہ پڑھ کر قتل سے بچ سکتا ہے اور پھر قدرت وموقع پانے پر اپنے مذہب کی طرف لوٹ سکتا ہے۔آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بقول معترضین جبر واکراہ سے اسلام قبول کیا تھا، وہ ساری زندگی اس جبر کے کیوں

پابندرہے؟ موقع پاکراپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ کیوں نہ گئے؟ (۴۲)

نبی اکرم ﷺ نے قیصر روم کو خط میں لکھا تھا:

فانی ادعوك بدعاية الاسلام ،اسلم تسلم ،واسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم الاريسيين (۴۳)

میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لاؤ تو سلامتی پاؤ گے اور اسلام لاؤ تو اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تمہاری رعایا (کے کفر کا بار بھی) تم پر ہوگا۔

غرض یہ اسلام پر اہل مغرب کا ایک غلط اور لغو اعتراض ہے کہ اسلام تلوار اور زبردستی کے ذریعے پھیلا ہے۔ اسلام اپنی حقانیت اور اپنے متبعین کی وجہ سے دنیا میں پھیلا ہے۔ اس لئے کہ لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ آج دنیا کی نام نہاد سپر پاور ز انسانیت کو تباہ کر کے اپنے مذہب کو زبردستی مسلط کرنا چاہتے ہیں جبکہ اسلام وہ دین متین ہے جو تبلیغ عمل اور اخلاق کی قوت سے پھیلا ہے۔

(۹) ترک قتال کا حکم :

برصغیر میں جب انگریز نے اپنا اقتدار حاصل کیا تو اس نے دیکھا کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد ہی وہ اسپرٹ ہے جس سے مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اور مذہب وتمدن کی شان وشوکت محفوظ اور برقرار ہے۔ چنانچہ انگریز نے اس جذبہ کو ختم کرنے کے لئے برصغیر میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کو میدان میں لا کھڑا کیا جس نے سارا زور جہاد کے منسوخ اور موقوف ہونے پہ دیا۔ اس کی کتب سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے، ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہو جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے۔ (۴۴)

۲۔ جب سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا ہے، اب اس کے بعد جو دین کے لئے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ (۴۵)

۳۔ اس نے جہاد کے فتوی کو فضول قرار دیا چنانچہ لکھتا ہے:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے دین کی تمام جنگوں کا — اب اختتام ہے، اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے

اب جنگ اور جہاد کا فتوی فضول ہے — دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد

منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد۔ (۴۶)

۴۔ امت کے اس دجال نے ۱۸۹۴ء میں ملکہ برطانیہ کو ایک خط میں لکھا:

میری کوششوں سے (یعنی پچاس ہزار کے قریب کتابیں، رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور دیگر بلاد اسلامیہ میں جہاں تک ممکن تھا،

---

(۴۲) سیرۃ المصطفیٰ، ۲/ ۴۰۵-۴۰۹

(۴۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ آل عمران، باب قل یااھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء

(۴۴) تبلیغ رسالت ۷/ ۱۷

(۴۵) منادۃ المسیح ص: ب، ت

(۴۶) ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، ص: ۳۹

اشاعت کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ایک ایسے خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس پر فخر ہے۔ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں اس کی تطہیر کوئی مسلمان نہیں دکھلا سکے گا۔(۴۷)

غلام احمد قادیانی نے جھوٹی نبوت کا دعوی اور اسلام کے اہم رکن جہاد کے خاتمے کا اعلان کر کے دراصل اسلام کی پوری عمارت کو منہدم کر دیا۔ یہ وہ جھوٹ ہے جسے تسلیم کرنے سے اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان تعداد میں زیادہ ہیں لیکن ان میں جذبہ جہاد مفقود ہوتا نظر آ رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر قرآن نے شہادت دی ہے۔آپؐ کی تعلیمات ابدی اور دائمی ہیں ،جن کا تسلیم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اوران کی کسی ایک جزو کا انکار کفر ہے۔

چنانچہ کتاب اللہ اور شریعت محمد رسول اللہ ﷺ تا قیامت باقی رہے گی اور جہاد بھی قیامت تک جاری رہے گا۔اس کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت سلمہ بن نفیل کندی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! لوگوں نے گھوڑوں کو ذلیل کر دیا ہے۔ جہادی ہتھیار اتار دیے ہیں اور یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اب جہاد نہیں رہا اور جنگ نے اپنے ہتھیار اتار دیے ہیں۔رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا انہوں نے جھوٹ بولا ،ابھی تو جہاد وقتال شروع ہوا ہے۔میری امت کا ایک گروہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا اور اللہ ان کے لئے قوموں کے دل پھیر دے گا اوران کو ان سے رزق عطا فرمائے گا حتی کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔(۴۸)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

میری امت کا ایک گروہ اپنے دشمن سے ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا، یہاں تک کہ میری آخری امت۔(۴۹)

دجال سے راہ فرار اختیار کرنے پر مسلمان اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کرسکیں گے۔انسانی تاریخ سے ثابت ہے کہ جذبہ جہاد برقرار رکھنے والی قوم زندہ رہی ۔لیکن جس قوم نے جہاد کو خیر باد کہا اور عیش وآرام کی زندگی کو ترجیح دی وہ رفتہ رفتہ مٹ گئی۔مسلمانوں نے جب جہاد کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تو زمانے میں مضبوط اور سر بلند ہو گئے۔لیکن جب دولت کی ریل پیل اور دنیاوی آسائش نے انہیں جہاد سے غافل کر دیا تو ان کا زوال شروع ہو گیا۔اسلامی ممالک کی آزادی سلب کر لی گئی اور مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ان کی عزتیں برباد ہونے لگیں اور دنیا انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی۔انگریزی استعمار کے تسلط ،غلامانہ ذہنیت ،سیاسی شکست خوردگی اور مغربی فکر وفلسفہ سے مرعوبیت نے تاویلات کے ذریعے جہاد کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ بقول اقبال

فتوی ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

آج ترک جہاد سے جس ذلت کا سامنا ہے وہ اس حدیث سے واضح ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۴۷) ستارہ قیصریہ:۳

(۴۸) سنن نسائی، کتاب الخیل

(۴۹) ابوداؤد، کتاب الجہاد

جب تم آپس میں کمی یا زیادتی کے ساتھ سامان فروخت کرنے لگو گے، بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر خوش ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا۔ یہ ذلت اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک وہ دین کی طرف پلٹ نہیں آئیں گے۔(۵۰)

چنانچہ اب وہ ذلت ہم پر مسلط ہے۔ترک جہاد کے باعث مسلمان اس حدیث کا مصداق بن چکے ہیں:

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عنقریب تم پر ہر طرف سے قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانا کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا ہماری یہ حالت قلت تعداد کی وجہ سے ہوگی ۔فرمایا تم تعداد میں بہت زیادہ ہو گے لیکن تمہاری حیثیت سمندر کی جھاگ جیسی ہو گی۔ تمہارے دشمن کے سینوں سے رعب نکل جائے گا اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہو جائے گا۔ہم نے عرض کیا وہن کیا ہے؟ فرمایا زندگی سے محبت اور جہاد کی موت سے نفرت۔(۵۱)

آج مسلمانوں کی حالت اس اژدھے کی مانند ہو چکی ہے جو مداری کے بین کے اوپر ناچتا ہے اور کسی کو اس سے خوف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں سے زہر نکل چکا ہے۔اس کے برعکس اگر کسی مجمع میں ایک چھوٹا زہریلا سانپ آ جائے تو ہر شخص اس سے بچاؤ کی کوشش کرتا ہے اور اس کو مارنا چاہتا ہے۔آج مغرب کے مداری ہمیں اپنی غلامی کے بین پر نچا رہے ہیں۔ ہمارے اندر سے جذبہ جہاد اور اتحاد ختم ہونے کے بعد اب انہیں ہم سے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ وہ آئے روز ہم پر پابندیاں لگا رہے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں میں جذبہ جہاد بیدار ہونے سے وہی اثرات مرتب ہوں گے جو افغانستان ، بوسنیا، کشمیر، فلسطین، چیچنیا، فلپائن ، لبنان اور کوسووو کی مزاحمتی تحریکوں سے مرتب ہوئے۔غرض جہاد ہمارا مذہبی فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

(۱۰) قتال اور دہشت گردی میں فرق :

ہر دور کی طرح اس زمانے میں بھی قتال جیسے اہم اور مقدس مذہبی فریضے کو اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا۔ کیونکہ جب مستشرقین ومعترضین اسلام اور اسلام کی حقانیت پر کوئی نکتہ اعتراض نہیں نکال پاتے تو وہ اس مقدس مقصد کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ایک دہشت گرد کے طور پر دکھاتے ہیں۔ وہ تاریخ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان ایسے جنگجو ہیں جو انسانی جانوں سے کھیلتے اور انسانی وسائل کو تباہ کرتے ہیں۔

ایسا ہی ایک اعتراض کہ قتال دہشت گردی کا دوسرا نام ہے، اس وقت تراشا گیا جب ۱۱ ستمبر 2001ء کو امریکہ میں پینٹا گان اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش اور وزیر خارجہ کولن پاول نے اس کی تمام تر ذمہ داری اسامہ بن لادن پر عائد کی۔ جو افغانستان میں پناہ گزین ہیں۔امریکی وزیر خارجہ نے کہا کہ ان دہشت گردوں کو پناہ دینے والا بھی دہشت گرد ہوگا۔

اس پر مزید یہ کہ برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے (نعوذ باللہ) حضرت محمدؐ کو دہشت گرد کہا۔مگر بعد میں ان لوگوں کو خیال آیا کہ کہیں مسلمان حضرت محمدؐ کی عظمت اور اسلام کے دفاع کی غرض سے اکٹھے نہ ہو جائیں۔اس خوف کی وجہ سے انہوں نے اپنے بیانات کو

---

(۵۰) ابوداؤد، کتاب البیوع، مسند احمد ۷/۳۳

(۵۱) ابوداؤد، کتاب الملاحم، مسند احمد ۵/۲۷۸

بدل کر کہا کہ اسلام دین امن ہے لیکن (اس کے عظیم فریضہ جہاد وقتال پر عمل کرنے والے) مجاہدین دہشت گردی کے علمبر دار ہیں۔

اب امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ ہم ایک مثالی اور خالص اسلامی ریاست سے جنگ کرنے کی بجائے دہشت گردی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ ہم نے اگر آج ان دہشت کو ختم نہ کیا تو ساری دنیا کا امن خطرے میں ہے۔ اسطرح اسلامی ریاست کے خلاف ایک صلیبی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کہا گیا۔ یہ جنگ دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد اسامہ بن لادن کے خلاف جنگ ہے۔ نیز افغانستان کی اسلامی ریاست دہشت گردوں کی پناہ گاہ ہے۔ اس اسلامی ریاست کے مستحکم ہونے سے امریکہ اور اس کے اتحادی خوفزدہ ہیں۔

کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو ریاستی دہشت گردی کا نام دیا گیا۔ پاکستان میں صدر پرویز مشرف نے کئی جہادی تنظیموں پر پابندی عائد کر دی ہے اور ان جماعتوں کے سربراہوں کو پابند سلاسل کیا ہے۔ تاہم امریکہ اسامہ بن لادن، افغانستان اور کشمیری مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزام کو ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں سب سے پہلے دہشت گردی کے مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مغرب کس چیز کو دہشت گردی قرار دیتا ہے اور ان کے نزدیک اس کے مقاصد کیا ہیں؟

ا۔ دہشت گردی کے لئے انگریزی میں لفظ ''Terrorism'' مستعمل ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں ''Terrorism'' کے تحت لکھا ہے:

دہشت گردی حکومت کرنے یا سیاسی اور دوسرے عزائم حاصل کرنے کے لئے منظّم طور پر خوفزدہ کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ (۵۲)

۲۔ Wordweb سافٹ ویئر میں لفظ ''Terrorism'' کا لغوی مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''سیاسی یا مذہبی نظریاتی نوعیت کے حامل اہداف کے حصول کے لئے شہریوں کے خلاف تشدد (یا تشدد کا خطرہ) کا حساب کتابی استعمال، یہ دھمکی یا زبردستی کے خوف سے کیا جاتا ہے۔'' (۵۳)

۳۔ دنیا ابھی تک دہشت گردی کی صحیح تعریف نہیں کر سکی، تاہم امریکی وزارت داخلہ کی اس موضوع پر شائع شدہ رپورٹ کو دہشت گردی کی تعریف قرار دیا گیا:

The term " Terrorism" means premediated policy , motirated voilence ,perpetuated against non-combatant targets by subnational or clan destine agents.Usually intended to influence and audience.

دہشت گردی کی اصطلاح کا مطلب ہوتا ہے سوچی سمجھی پالیسی، حوصلہ افزا تشدد، ہمیشہ کے لئے غیر جنگجو اہداف کے خلاف ذیلی قومی یا قبیلہ تقدیر نمائندوں کے ذریعے عام طور پر سامعین اور تاثر کو چاہتے ہیں۔ (۵۴)

---

(۵۲) Oxford Dictionary see under "Terrorism"   (۵۳) Word Web Software search "Terrorism"

(۵۴) USDS,Patterons of Global Terrorism,P iv.State Dept No:9963,Washington,1992

اقوام متحدہ نے دہشت گردی کی تعریف اس طرح کی ہے:

کسی سرکاری اہلکار یا اس کی ایماء پر کیا جانے والا وہ شدید جسمانی یا ذہنی تشدد، تکلیف یا اذیت پہنچانے والا ارادی عمل مراد ہے۔(۵۵)

دہشت گردی کی حدود بہت وسیع، اس کے طریقے ان گنت ہیں۔اس کے اثرات انتہائی تکلیف دہ اور خطرناک جبکہ اس کے نتائج عموما بھیانک اور غیر انسانی ہوتے ہیں۔اس لئے کہ دہشت گردی کا خمیر ہی غیر طبعی اور غیر انسانی امور سے اٹھایا جاتا ہے۔جب انسانی مصالحانہ جدوجہد ناکام اور مسائل کو حل کرنے کے جائز انسانی ذرائع ختم ہو جاتے ہیں تو تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق دہشت گردی کا آغاز ہوتا ہے۔انسانی مشاہدہ بتاتا ہے کہ حقوق کی پامالی، مسائل کی غلط تقسیم، جبری اقتدار اور فقر وفاقہ جیسے عوام دہشت گردی کو فروغ دیتے ہیں۔ جو عالمی امن وسکون کو دنگا، فساد اور تخریب کاری میں بدل دیتے ہیں۔

دہشت گردی کے اس مفہوم سے آگاہ ہونے کے بعد چند ایک ایسے حقائق ہیں جو اہل مغرب کی فساد پروری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف اول میں مغربی دہشت گردی کا اظہار اسلامی ریاستوں کو قومیت کے نام پر جدا جدا کرنے سے ہوا۔جب ان چھوٹی اسلامی ریاستوں کو کمزور پایا تو انہیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے لڑایا۔پھر ان کی حفاظت کے بہانے سے پہلے ان کے وسائل اور آخر میں ان کے علاقوں پر قبضہ کیا۔اس طرح وہ عالمی دہشت گردی کے مرتکب ہوئے۔اس کی تازہ ترین مثال عراق کویت جنگ ہے، جس کے نتیجے میں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج اسلامی ریاستوں میں مقیم ہیں۔اب یہ نیا استعمار تہذیبی اور ثقافتی یلغار سے نئی دہشت گردی میں مصروف ہے۔مسلمانوں کو بین الاقوامیت کا جھانسہ دے کر اسلامی تہذیب کے خاتمے کے درپے ہے۔(۵۶)

۳ فروری ۱۹۷۲ء کو نائجیریا کے حکمران مرتلا محمد کو قتل کر دیا گیا۔بریگیڈیئر مرتلا محمد کو قومی مفادات عزیز تھے اور وہ امریکہ کے دوست نہیں تھے۔امریکہ کو خدشہ تھا کہ آئندہ مرتلا محمد کی قیادت میں نائجیریا تیل کے بائیکاٹ میں شریک ہوگا، اس لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔

حالیہ سالوں میں مغربی افواج اور ان کے یورپی اتحادیوں نے بوسنیا میں جو خون کی ہولی کھیلی، نہتے مسلمانوں اور پرامن شہریوں کو جس قدر موت کے گھاٹ اتارا، اس کی مثال انسانی تاریخ میں شاید ہی ملے۔اس سلسلے میں معروف صحافی جان سوین کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم تھا کہ لندن سے ڈھائی گھنٹے کے فاصلے پر قلب یورپ میں نازیوں کو مات کر دینے والے نسل کشی کے ہولناک مظالم کی رپورٹنگ کرنا پڑے گی۔(۵۷)

اپریل ۱۹۹۶ء میں چیچنیا کے مرد آہن اور آزادی کے ہیرو جوہر داؤد کو شہید کر دیا گیا۔جوہر داؤد کی شہادت احیائے اسلام کے خطرے سے نمٹنے کے لئے روس اور امریکہ کی متحدہ کوششوں اور سازشوں کا علامتی اظہار تھی۔باوثوق ذرائع کی اطلاع کے مطابق جدوجہد آزادی کے اس عظیم رہنما کو منظر سے ہٹانے کا فیصلہ صدر کلنٹن اور صدر یلسن کی ون ٹو ون ملاقات میں ہوا۔(۵۸)

اسرائیل نے مشرق وسطی میں دہشت گردی اور خونریزی کا گھناؤنا کاروبار شروع کر رکھا ہے، جو بدترین انسانی المیہ ہے۔جہاں پر اسرائیل فلسطینیوں پر ٹینکوں سے چڑھائی کرتا اور فلسطینی کنکریوں سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

---

(۵۵) سلطان شاہد، دہشت گردی ملکی اور عالمی سطح پر، ص:۱۷

(۵۶) حضور اکرم ﷺ پیغمبر امن وسلامتی، ص:۳۵۹

(۵۷) ترجمان القرآن مئی ۱۹۹۷ء، ج:۱۲۴، عدد:۵۔ص:۵۷

(۵۸) ترجمان القرآن جون ۱۹۹۶ء، ج:۱۲۲، عدد:۶، ص:۶۵

اسی طرح پروٹیریا بدترین دہشت گردی کو اپنائے ہوئے ہے۔ وہ کالے مقامی باشندوں کو دہشت زدہ کرتا ہے۔ ہمسایہ افریقی ممالک میں خوف وہراس پیدا کرتا ہے۔ انگولا میں برسرِ پیکار دہشت گردوں کو اڈے، ہتھیار، مالی امداد اور تربیتی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ اس سب کے باوجود وہ امریکہ کی نظر میں معتبر ہے۔(۵۹)

امریکی دہشت گردی کا خطرناک پہلو ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی ہے۔ جہاں لاکھوں بے گناہ انسانوں کو ایٹم بم کی تباہی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔ حالیہ دنوں میں امریکہ کا یہ مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آیا ہے کہ وہ ماضی میں سی آئی اے کے ذریعے قتل وغارت کراتا اور حکومتوں کے تختے الٹتا تھا۔ لیکن خلیج جنگ کے بعد اس نے کھلی جارحیت اختیار کر لی ہے۔ امریکہ ہی وہ ملک ہے جس نے دنیا بھر میں کرائے کے قاتلوں کا نظام روشناس کرایا ہے۔ آج لوگ کسی بھی کرائے کے قاتل کی خدمات حاصل کر کے کسی بھی حریف کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔(۶۰)

مغرب کے دہشت گردی سے لبریز رویے کے بعد اب ہم اس کا تقابل اسلام کے تصورِ قتال سے کرتے ہیں۔ اسلام نے دہشت گردی کے لئے فتنہ، فساد اور حرابہ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ جس پس منظر میں قتال کرنے کی اجازت دی گئی وہ مسلمانوں کو اپنے اوپر کئے گئے ہر ظلم کا بدلہ لینے، ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوموں کی مدد کر کے انہیں ظلم سے نجات دلوانے سے عبارت ہے۔ قتال سے ہر اس رکاوٹ کو دور کرنا مقصود ہے جو اسلام کی راہ میں حائل ہے۔ قتال کی مدد سے کفر کی ہر جارحیت کا جواب دے کر اسلام اور اسلامی مملکت کا دفاع اور انسانی حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

اسلام میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کا فتنہ اور فساد پسند نہیں فرماتے۔ قتال کے جائز ہونے میں دہشت گردی کو ختم کرنے کی حکمت پوشیدہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة (البقره ۲:۱۹۳)

اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے

اگر فتنہ اور فساد کا خاتمہ نہ ہو تو پوری زمین فتنہ اور فساد سے بھر جائے گی یا دوسرے الفاظ میں دہشت گردی کا شکار ہو جائے گی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض (البقره ۲:۲۵۱)

اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے

دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

الا تفعلوه تكن فتنة فى الارض وفساد كبير (الانفال ۸:۷۳)

اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا برپا ہوگا

دہشت گردی کے نتیجے میں ظالم کو تقویت ملتی ہے جبکہ مظلوم کے حقوق سلب کر لئے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنے اوپر بھی حرام کیا ہے اور اسے اپنے بندوں کے درمیان بھی حرام کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ناحق قتل کرنے سے منع فرمایا ہے:

ولا تقتلوا النفس التى حرم الله الا بالحق (الانعام ۶:۱۵۱)

---

(۵۹) سلطان شاہد، دہشت گردی ملکی اور عالمی سطح پر، ص:۹۱ (۶۰) سلطان شاہد، دہشت گردی ملکی اور عالمی سطح پر، ص:۹۷-۱۰۱

جس جان کواللہ نے حرمت عطا کی ہے اسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو

اللہ تبارک وتعالی نے ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔

من قتل نفسا بغير نفس او فساد فی الا رض فكانما قتل الناس
جميعا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعا(المائده۵:۳۲)

جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لیے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اللہ تبارک وتعالی کے خاص بندے وہ ہیں جو قتل ناحق سے گریز کرتے ہیں۔رحمان کے خاص بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ولا يقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق(الفرقان۲۵:۶۸)

جس جان کواللہ نے حرمت بخشی ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے۔

ہر ایسے طرز حکومت کو بھی فساد سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں حاکمانہ طاقت کو اچھے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی بجائے ظلم وستم اور غارت گری کے لئے استعمال کیا جائے۔اگر کوئی قتل ناحق کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ پوری انسانیت کا قاتل ہے۔اس لئے کہ قتل ناحق سے فساد پھیلتا ہے۔ظالم اپنے ظلم میں پختہ ہوتا ہے۔اسے حوصلہ ملتا ہے جبکہ اللہ تعالی فساد کو ہرگز پسند نہیں فرماتے۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

واذا تولى سعٰى فى الارض ليفسد فيها ويهلك
الحرث والنسل ‘والله لا يحب الفساد (البقره۲:۲۰۵)

جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا

چنانچہ ایسے حکمرانوں کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:

ولا تطيعوا امر المسرفين oالذين يفسدون فى
الا رض ولا يصلحون (الشعراء ۲۶:۱۵۱،۱۵۲)

ان حد سے گزرے ہوئے لوگوں کا کہنا مت مانو۔جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔

اگر کوئی دہشت گردی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسلام انسانیت کے اس مجرم سے سختی سے نمٹنے کا حکم دیتا ہے تا کہ اس کی سزا پانے سے دوسرے لوگ عبرت پکڑیں نہ یہ کہ اسے چھوڑ دیا جائے تا کہ دوسرے لوگوں کا حوصلہ بڑھے۔اسلام دین عدل ہے وہ کسی مذہب، قوم، شعبہ یا کسی ملکی نمائندے سے ہونے والے ظلم کا پورا پورا محاسبہ کرتا ہے۔

انما جزٰؤا الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الارض فسادا ان
يقتّلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوا من الارض
ذلك لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الاٰخرة عذاب عظيم (المائده ۵:۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی

سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں زمین سے دور کر دیا جائے، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جو کوئی دہشت گردی پھیلانے کا مرتکب ہو اس کے لئے چار سزائیں ہیں۔ قتل، سولی چڑھانا، مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹنا، قید میں ڈالنا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ایک دہشت گرد کے لئے کس قدر سخت سزائیں تجویز کی ہیں۔ غزوات نبوی میں انسانی حقوق کو پامال کرنے سے منع کیا گیا۔

امریکہ نے بلا جواز افغانستان پر حملہ کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی امریکہ میں بے گناہ مرے تو وہ دہشت گردی ہے اور اگر وہی امریکہ افغانستان میں انسانی آبادیوں کو تباہ کر دے، لاکھوں بے گناہ افراد کو بے گھر کر دے، ان کی شادیوں کی تقریبات کو جنازوں میں تبدیل کر دے، ان کے بچے بھوک سے مر رہے ہوں اور ان پر بارود کی بارش کر دی جائے تو یہ ایسی امن پسندی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ امن پسندی نہیں بلکہ امن پسندی کا مذاق ہے۔

اس حملے سے پہلے امریکہ اسامہ بن لادن کو ایک دہشت گرد ثابت کرتا۔ اگر اس کے پاس ٹھوس ثبوت ہوتے تو طالبان اسے امریکہ کے حوالے کر دیتے۔ ثبوت فراہم کرنے کے مطالبے پر وہ صرف یہ کہتا ہے کہ مجھے اسامہ مطلوب ہے۔

خود ہی قاتل خود ہی چور خود ہی مسیحا ٹھہرے
اقربا میرے کریں قتل کا دعوی کس پر

جبکہ امریکہ پر حملوں میں یہودیوں کے ملوث ہونے کے واضح ثبوت موجود ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں جن بیالیس ممالک کے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی ہے، ان میں اسرائیل کا کوئی ایک شہری بھی شامل نہیں ہے۔ حالانکہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں چار ہزار سے زائد یہودی کام کرتے ہیں۔ اسرائیل کو حاصل ہونے والے ان سیاسی فوائد کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس شبہ کو کافی تقویت ملتی ہے کہ اس حادثے کے پیچھے اسرائیل کی خفیہ ایجنسی کا ہاتھ ہے۔

غرض اسلام دین امن ہے اور مجاہد دہشت گرد نہیں ہیں۔ نہ ہی قتال دہشت گردی کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ قتال کے ذریعے انسانی حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے جبکہ دہشت گردی کے ذریعہ انسانی حقوق کو پامال کیا جاتا ہے۔ دہشت گردی ظلم کے فروغ کا نام ہے جبکہ قتال ظالم سے ظلم کا انتقام لینے کا نام ہے۔

خلاصہ بحث

جہاد اپنے مفہوم کے اعتبار سے قتال نہیں بلکہ جہاد کی بہت سی انواع ہیں، جن میں سے عمدہ قسم قتال ہے اور یہی اسلام کی بلندی کا راز ہے۔قرآن وحدیث میں جہاد وقتال دونوں کی بے حد فضیلت اور اہمیت بیان ہوئی ہے۔ان کو چھوڑنے اور ان کی خواہش نہ کرنے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ جہاد کی اتنی اہمیت بیان ہوئی ہے کہ یہ اسلام کا چھٹا رکن معلوم ہوتا ہے۔

قتال محض لڑائی یا خونریزی کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مقدس فریضہ ہے جو دنیا میں امن پیدا کرنے کا خواہاں ہے۔اس کے کچھ خاص آداب اور مقاصد ہیں۔اس کے مقاصد بہت اعلیٰ اور پاکیزہ ہیں۔کوئی بھی مسلمان اپنی ذاتی شہرت اور ناموری کے لئے نہیں لڑتا بلکہ اللہ کی رضا اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے لڑتا ہے۔مظلوم مسلمانوں کے دفاع اور ظالم حکمرانوں کے خاتمے کے لئے لڑتا ہے۔اس کے سامنے دنیا نہیں بلکہ جنت کا حصول ہوتا ہے۔وہ اپنی فانی زندگی کو داؤ پر لگا کر حیات جاوداں پانے کی کوشش کرتا ہے۔قتال نماز، روزہ وغیرہ کی طرح ایک مذہبی فریضہ ہے۔لیکن کبھی یہ فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ۔فرض کفایہ چند لوگوں کے شامل ہونے سے ادا ہو جاتا ہے اور باقی بری الذمہ جبکہ فرض عین کی صورت میں منہ موڑنا منع ہے۔

اسلام نے لڑائی کے دوران کمزور لوگوں پر ہاتھ اٹھانے، جنگ میں پہل کرنے، دشمن کی معیشت کو بلا وجہ تباہ کرنے، عورتوں اور بچوں کو بلا وجہ قتل کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی ہے۔اس سلسلہ میں اطاعت امیر اسلام کا ایک سنہرا اصول ہے، جس پر عمل کرنا ہر مسلمان مجاہد کے لئے لازمی ہے۔اسلام میں انسان کا قتل کلمے کے اقرار تک ہے۔اگر کوئی کلمہ کہہ دے تو اس کی جان ومال کا تحفظ مسلمانوں کے ذمہ ہے۔پھر اسلام میں بے ہنگم لڑائی نہیں بلکہ اس کی شرائط ہیں۔اگر ان میں سے کوئی ایک اختیار کرے تو صحیح ہے، ان کے بعد پھر قتال ہے۔ پھر اس جنگ میں اگر قیدی ہاتھ آ جائیں تو ان کا خیال رکھنا ہے۔اگر مال ومتاع ہاتھ آئے تو اس کی باقاعدہ تقسیم کرنا اسلام کی خوبی ہے جس کا وجود دنیا کے کسی مذہب اور معاشرے میں نہیں ملتا۔کفار اگر صلح پر آمادہ ہوں تو اسلام نے صلح اور معاہدہ کا نظام متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ احکامات بھی بیان کر دیے ہیں۔خواتین کی مشروط اجازت بھی اسلامی قتال کا ایک حصہ ہے۔

لیکن افسوس کہ اتنے اہم ترین اور بہترین مقاصد قتال کے باوجود مغربی مستشرقین غزوات نبوی اور تاریخ اسلام کی اہم جنگوں کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ یہ دراصل ان کی غلط فہمی، کم عقلی اور الہامی تعلیمات سے محرومی ہے۔ان کے اعتراضات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے انصاف سے کام نہیں لیا بلکہ اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔

عصر حاضر میں مظلوم مسلمان اگر اپنے حق کی خاطر لڑتے ہیں تو کفر اسے دہشت گردی کا نام دیتا ہے۔کبھی اسلام کو طاقت کے بل بوتے پر پھیلنے والا مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ایک جھوٹے نبی کو پیدا کیا گیا تاکہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ اسلام میں جہاد حرام ہو چکا ہے۔کبھی اسلام کو امن پسند مذہب جبکہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ چند علماء یہ کہتے نظر آئے کہ کیا ہم نے عسکری جہاد کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟ یہ سب اور اس طرح کی دیگر فضول باتیں اسلام کے تصور جہاد کو دھندلا کرنے کی کوشش ہیں۔

علماء کا یہ فرض ہے کہ اسلام کے تصور جہاد کو صحیح انداز میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں مغربی افکار کی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنی ہے۔مغربی افکار مسلمانوں کے بدن سے اسلام کی روح جہاد کو نکالنا چاہتے ہیں۔ بقول اقبال

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

سفارشات

آج امت مسلمہ کے زوال کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے متحد ہو کر جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے۔اس لئے کفر جہاں آنکھیں دکھاتا ہے وہاں زبان بھی دراز کرتا ہے۔

جہاد کا تذکرہ کرنا بھی جہاد باللسان ہے۔اس سلسلہ میں علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خطبات میں جہاد پر بیان کریں۔اس کے اسرار ورموز سے عوام الناس کو آگاہ کریں تا کہ اسلام کا صحیح تصور جہاد فروغ پا سکے۔اپنے خطبات اوراپنی تحریروں کے ذریعہ مستشرقین کی طرف سے پھیلائے جانے والے اعتراضات اورشبہات کے مدلل اور مفصل جواب دیں اوراس کے فضائل کو اجاگر کریں۔

مسلم حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ جہاد وقتال کے معاملے میں مغربی حکمرانوں کا ذہن صاف کریں۔یہ نہیں کہ وہ جو کچھ کہتے جائیں گے ہم مانتے جائیں گے اور وطنیت کا نعرہ لگائیں۔مسلم ممالک اور پاکستان کی بقا اسلام سے وابستہ ہے۔اگر اسلام موجود ہے تو وہ ملک موجود ہے ورنہ وہ صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔مسلم ممالک کو ہتھیاروں کی نہیں جذبہ جہاد کی ضرورت ہے۔مسلم حکمرانوں کا ضعیف اور موضوع احادیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔مسلمانوں کو اپنے مذہب اور عقیدے سے انحراف پر مجبور کرنا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہے۔مسلم ممالک میں مذہبی امور کے مشیروں کو چاہیے کہ وہ مسلمان حکمرانوں کو اسلام کے صحیح تصور جہاد وقتال سے آگاہ کریں۔

مسلم ممالک اقوام مغرب سے بھیک مانگنے کی بجائے اپنے اندر قوت اور خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔مسلمان اپنی ایک اقوام متحدہ تشکیل دیں۔اپنا ایک اسلامک ورلڈ بینک قائم کریں۔نیٹو کی طرز پر ایک عالمی فوج تیار کریں تا کہ کفر کا پوری جرات کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکے۔اس کے لئے مسلمانوں کا متحد ہونا ضروری ہے کیونکہ جہاد میں ہی ہماری بقا،عزت اور سالمیت کا راز پوشیدہ ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ آکسفورڈ ڈکشنری

۳۔ ابن النحاس الدمشقی، مترجم مولانا مسعود اظہر، مشارع الاشواق (کراچی، ادارۃ الخیر، س ن)

۴۔ ابوبکر علاؤ الدین الکاسانی، مترجم خان محمد چاولہ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۸۷ء)

۵۔ ابوالاعلیٰ، سید مودودی، تفہیم القرآن (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۷۵ء)

۶۔ ابوالاعلیٰ، سید مودودی، الجہاد فی الاسلام (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۰ء)

۷۔ اسعد گیلانی، رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۵ء)

۸۔ اشرف علی تھانوی، مولانا، بیان القرآن (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)

۹۔ احمد بن حنبل، مسند احمد (بیروت: احیاء التراث العربی، ۱۹۹۱ء)

۱۰۔ احمد، ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۷۶ء)

۱۱۔ احمد بن علی، ابوبکر جصاص، مترجم مولانا عبدالقیوم، احکام القرآن (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، س ن)

۱۲۔ اسماعیل بن عمر، ابن کثیر، مترجم محمد جونا گڑھی، تفسیر القرآن العظیم (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، س ن)

۱۳۔ احمد رشید، طالبان (لاہور: عوامی کمپلیکس، ۲۰۰۰ء)

۱۴۔ امیر علی، سید، فتاویٰ عالمگیری (لاہور، فرید بک سٹال، س ن)

۱۵۔ امیر علی سید، عین الہدایہ (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۶ء)

۱۶۔ ایم وائی آصف، افتاء الجہاد (لاہور: صدائے جہاں پبلیکیشنز، س ن)

۱۷۔ جمال الدین بن مکرم، ابن منظور الافریقی، اللسان العرب (بیروت، دار صادر، س ن)

۱۸۔ چراغ علی، مولوی، تحقیق الجہاد (حیدرآباد دکن، کتب خانہ آصفیہ، س ن)

۱۹۔ حبیب اللہ مختار، ڈاکٹر، مولانا، جہاد (کراچی: دار التصنیف، ۱۹۹۷ء)

۲۰۔ خلیل احمد حامدی، جہاد اسلامی (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز ۔۱۹۴۴ء)

۲۱۔ خورشید احمد، پروفیسر، مدیر ماہنامہ ترجمان القرآن ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء

۲۲۔ راغب اصفہانی، مترجم مولانا محمد عبدہ، مفردات القرآن (لاہور: اہل حدیث اکادمی، ۱۹۷۱)

۲۳۔ سلیمان بن اشعث سجستانی، ابوداؤد، سنن ابی داؤد (لاہور: نعمانی کتب خانہ، ۱۹۸۶ء)

۲۴۔ سمیع اللہ قریشی، پروفیسر، سیرۃ نبویؐ کے منہاج (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۵ء)

۲۵۔ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۱ء)

۲۶۔ شبیر احمد عثمانی، علامہ، تفسیر عثمانی (لاہور: پاک قرآن پبلشرز، س ن)

۲۷۔ طاہر القادری، جہاد بالمال (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۹۹ء)

۲۸۔ ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا، جہاد: فضائل، احادیث (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۸ء)

۲۹۔ عبدالحفیظ بلیاوی، مولانا، مصباح اللغات (ملتان: مکتبہ امدادیہ، ۱۹۵۰ء)

۳۰۔ عبداللہ بن احمد، ابومحمد، ابن قدامہ، المغنی (ریاض: مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ۱۹۸۱ء)

۳۱۔عروہ بن زبیر، مغازی رسول اللہ ﷺ (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۶ء)

۳۲۔علی بن حسن، ابن عساکر، **الاربعون فی الحث علی الجہاد** (کویت: **دار الخلفا للکتاب الاسلامی**، س ن)

۳۳۔غلام اللہ خان، شیخ القرآن، مولانا، جواہر القرآن (راولپنڈی، کتب خانہ رشیدیہ، س ن)

۳۴۔غلام احمد، امن عالم سیرۃ طیبہ کی روشنی میں (لاہور: اقبال پبلشنگ، ۱۹۹۹ء)

۳۵۔فضل محمد، مولانا، دعوت جہاد (کراچی: بیت الجہاد، ۲۰۰۰ء)

۳۶۔مالک بن انس، امام، مترجم علامہ وحید الزمان، **المؤطا** (لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۴۰۲ھ)

۳۷۔محبوب عالم، مولوی، تلوار و اسلام (لاہور: عبد المجید پبلشرز، ۱۹۹۴ء)

۳۸۔محمد بحیثیت عسکری قائد (لاہور: الفیصل ناشران، س ن)

۳۹۔محمد اسد مدنی، مدیر ماہنامہ محدث ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱، فروری مارچ ۲۰۰۲ء۔

۴۰۔محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، شیخ الحدیث، سیرۃ المصطفی ﷺ (لاہور: مکتبہ عثمانیہ، س ن)

۴۱۔محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، شیخ الحدیث، معارف القرآن (لاہور: مکتبہ حسان بن ثابت، ۱۴۳۴ھ)

۴۲۔محمد اسحاق قریشی، حضور اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی (لاہور: مکتبہ زاویہ، ۱۹۹۸ء)

۴۳۔محمد بن احمد الانصاری، القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (القاھرہ: دار الکاتب العربیہ، ۱۹۶۷ء)

۴۴۔محمد تقی عثمانی، مدیر ماہنامہ البلاغ ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء۔

۴۵۔محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتی، مترجم سید عبد الدائم جلالی، تفسیر مظہری (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، س ن)

۴۶۔محمد سلیمان سلمان منصور پوری، قاضی سید، رحمت للعالمین (کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء)

۴۷۔محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن (کراچی: ادارہ المعارف، ۱۹۹۳ء)

۴۸۔محمد شفیع، مفتی، جہاد: فوائد، مسائل، دعائیں (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۸ء)

۴۹۔محمد بن اسماعیل بخاری، مترجم سید عبد الدائم جلالی، **الجامع الصحیح** (لاہور، المکتبۃ العربیہ، ۱۹۹۵ء)

۵۰۔محمد بن عیسی، ابو عیسی، الترمذی، مترجم مولانا حامد الرحمن صدیقی، جامع ترمذی (کراچی: ایچ ایم سعید، ۱۹۶۷ء)

۵۱۔محمد بن یزید، ابن ماجہ، قزوینی، مترجم علامہ وحید الزمان، سنن ابن ماجہ (لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۹۰ء)

۵۲۔محمود آفندی آلوسی، سید، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی (بیروت، لبنان، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، س ن)

۵۳۔مسلم بن حجاج القشیری، مترجم علامہ وحید الزمان، الجامع الصحیح مع شرح نووی (لاہور: نعمانی کتب خانہ، ۱۹۸۱ء)

۵۴۔نعیم صدیقی، محسن انسانیت، (لاہور: الفیصل ناشران، س ن)

۵۵۔نعیم یاسین، الجہاد میادینہ واسالیبہ (کویت: دار الخلفاء الکتاب الاسلامی، س ن)

۵۶۔یعقوب بن ابراہیم، ابو یوسف، امام، مترجم نجات اللہ صدیقی، کتاب الخراج (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، س ن)